فاتبعونی یحببکم اللہ

تم میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا (کنز الایمان)

معارفِ رضا

شمارہ ہفتم

۱۹۸۷ء

ہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، پاکستان

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان (رجسٹرڈ)

شمارہ ہفتم ۱۹۸۷ء / ۱۴۰۸ھ

مجلس مشاورت

- علامہ مفتی تقدس علی خان
- علامہ شمس الحسن شمس بریلوی
- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ)
۷/۲۳۴ تیسری منزل نشیمن بلڈنگ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

رسالہ ———— معارفِ رضا

شمارہ ———— ہفتم سنہ ۱۹۸۶ء / سنہ ۱۴۰۶ھ

اشاعتِ اوّل ———— ایک ہزار

قیمت ———— ۵۰/ روپے

ناشر ———— ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا - کراچی

مطبوعہ ————
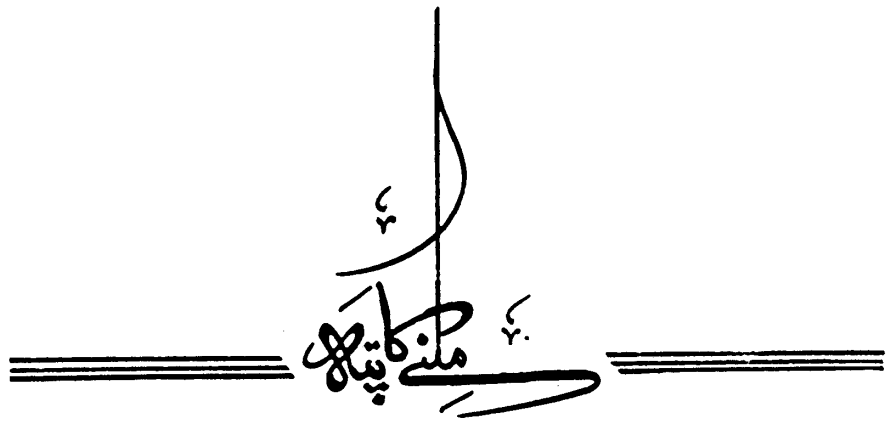
○ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ۲۴/۷ نشیمن بلڈنگ اسٹریچن روڈ - کراچی

○ مکتبۂ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ گاڑی کھاتہ آرام باغ - کراچی

○ مکتبۂ قادریہ ———— لوہاری گیٹ لاہور

○ رضا پبلی کیشنز ———— بین داتا بازار - لاہور

مشمولات

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

امام احمد رضا قدس سرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْکَوْنِ وَالْبَشَرِ

حَمْدًا اَیْدُوْمُ دَوَامًا غَیْرَ مُنْحَصِرِ

وَاَفْضَلُ الصَّلٰوتِ الزَّاکِیَاتِ عَلٰی

خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ مُنْجِی النَّاسِ مِنْ سَقَرِ

بِکَ الْعِیَاذُ اِلٰھِیْ اِنْ اَشَا اُحُکُمًا

سِوَاکَ یَا رَبَّنَا یَا مُنْزِلَ النُّذُرِ

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

امام احمد رضا قدس سرہٗ

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

دو جہاں کی بہتریاں نہیں کہ اَمانیِ دل و جاں نہیں
کہو کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہ یاں نہیں

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جسکا بیاں نہیں

بخدا یہی ہے خدا کا در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں، کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سروِ چماں نہیں

نہیں جسکے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہُوا،
کہو اس کو گل کہے کیا کوئی کہ گلوں کے ڈھیر کہاں نہیں

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
مَیں گدا ہوں اپنے کریم کا مِرا دین پارۂ ناں نہیں

سید محمد امین نقوی بخاری، فیصل آباد۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

دین و ملت کے مجدد حضرت احمد رضا — سرزمین ہند میں ہیں نائب غوث الوریٰ

حق تعالیٰ کی عنایت سے بریلی کی زمیں — اہل سنت کے لئے ہے مرکز فیض و سخا

باسے برکت راسے رحمت بلا سے ہے، یا رسول — لام سے لعل یمن اور یا سے ہے یادِ خدا

اے امیر عشق و الفت اے نصیر دین حق — ہے ترے دم سے جہاں میں احترام اولیاء

تو ولی ابنِ ولی ابن ولی ابن ولی — بندۂ خیر الوریٰ ہستی فقیر مرتضےٰ

از ازل بودی مرید سید آل رسول — تاجدارِ شہر مارہرہ ولی کبریا

مرحبا اے سید آل رسول قادری — ساختی احمد رضا را آفتابِ پر ضیا

نیز می گوئی اگر پرسد مرا رب جہاں — در قیامت تو چہ آوردی ز دنیا بہر ما

من بگویم بہر تو آوردہ ام اے رب من — حضرت احمد رضا را آں کہ عبد مصطفیٰ

شد وجودش مقتدائے عاشقان در گہت — ہم غلامے از غلامان در آل عبا

خامۂ مسکیں چہ می گوید ثنائے روئے او — شانِ او بالاتر از فکر و خیال بینوا

اے لقائے تو جواب ہر سوال طالباں — ہم مریضانِ محبت را دوائے با شفا

"عالماں را شرحِ جامی عارفاں را مثنوی" — ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

قادریم نعرۂ یا غوثِ اعظم می زنم — از دل و جاں بر جمال روئے تو گشتم فدا

تا قیامت شہرۂ آفاق گردد نامِ تو

ہم بہ ہر لحظہ بود افزائشِ قربِ خدا

اداریہ

بحمد اللہ مجلہ "معارف رضا" کا ساتواں شمارہ ۱۹۸۷ء ہدیۂ قارئین ہے۔

حسبِ سابق اس مرتبہ بھی یہ مجلہ اردو اور انگریزی دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ ہمیں اس کا احساس ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اس قدر ہمہ جہت اور اُن کے کارنامے اور خدمات اس قدر متنوع اور ہمہ گیر ہیں کہ مجلہ کی اشاعت کے لیے قلیل وقت اور اس کے محدود صفحات کے سبب ان کی شخصیت اور ان کے علمی کمالات کے کسی ایک گوشے کا کما حقہ احاطہ کرنا ہمارے لیے ممکن نہ ہو سکا۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور کرم فرماؤں کے تعاون سے اعلیٰ حضرت کے تبحرِ علمی، ان کی فنی تذرف نگاری اور دینی و روحانی خدمات کے بارے میں جس قدر مواد فراہم ہو سکا، اُسے ہم نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔

مضامین اور موضوعات کے انتخاب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ان سے نہ صرف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہو بلکہ قدیم و جدید علوم پر اُن کی دسترس و مہارت

کی جھلک بھی ان سے عیاں ہو تاکہ قارئین، خصوصاً اہلِ علم حضرات کو ان کی قد آور اور نابغۂ روزگار ہستی کا اندازہ ہو سکے۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے برِّصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے، علمی، دینی، فکری اور سیاسی محاذوں پر جس مجتہدانہ بصیرت اور بالغ نظری کا اظہار فرمایا، اس کے تمام گوشوں کا احاطہ تو آنے والے دور کا کوئی غیر جانبدار مؤرخ ہی کر سکے گا تاہم قومی و ملّی زندگی کے ہر محاذ پر آپ کی مجدّدانہ خدمات کے باعث ملّتِ اسلامیہ کا سر ہمیشہ آپ کی جلالتِ فکر کے سامنے جھکا رہے گا۔

اعلیٰ حضرت کئی سائنسی علوم پر حاوی تھے لیکن وہ اسلام کو سائنس کے تابع نہیں سمجھتے تھے بلکہ سائنس کا اسلام کے تابع ہونا ان کا بنیادی نظریہ تھا۔ اسی بنیاد پر وہ انتہائی شدّ ومد سے ایسے تمام سائنسی نظریات کو رد کرتے تھے، جو اسلامی فکر سے متصادم ہوں۔ قرآنی اور دینی علوم میں وہ یکتائے روزگار تھے۔ قرآن کریم کا ترجمہ موسوم بہ کنز الایمان اور فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم جلدیں ان کی قرآن فہمی اور فقیہانہ صلاحیت کے کمال پر دلالت کرتی ہیں۔

زیرِ نظر معارفِ رضا میں ہم نے اہلِ علم بزرگوں، نامور محققین اور کہنہ مشق قلمکاروں کے مقالات و مضامین اردو اور انگریزی زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے فکری اور علمی کارناموں سے اہلِ علم روشناس ہو سکیں اور ان کے علمی اور تحقیقاتی افکار و نظریات کو جدید علوم کے پس منظر میں مزید آگے بڑھا سکیں۔ ہماری اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ آج ہم اس صدی کے عظیم مفکر اور مصلح امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات کے مینارۂ نور سے وہ روشنی حاصل کر سکیں، جس سے قومی اور ملّی سطح پر چھائی ہوئی بے مقصدیت، فکری جمود اور انتشار و افتراق کی ظلمتیں چھٹ سکیں اور اُمّتِ مُسلمہ کا تشخص دوبارہ اُجاگر ہو سکے۔

(ادارہ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پرنسپل ٹھٹھ کالج، سندھ

حیاتِ امام احمد رضا — ایک نظر میں
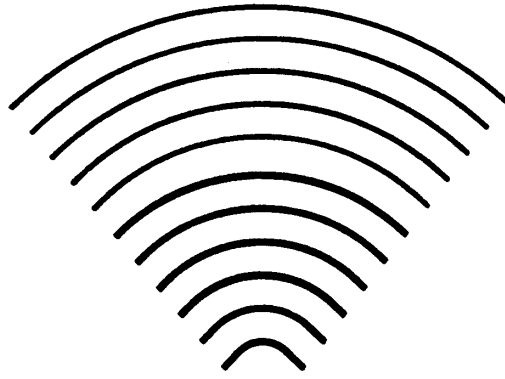
نمبر	واقعہ	تاریخ
۱	ولادت باسعادت	۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ / ۱۴ جون ۱۸۵۶ء
۲	ختم قرآن کریم	۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء
۳	پہلی تقریر	ربیع الاوّل ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء
۴	پہلی عربی تصنیف	۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء
۵	دستارِ فضیلت	شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء (بعمر تیرہ سال، دس ماہ، پانچ دن)
۶	آغاز فتویٰ نویسی	۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
۷	آغاز درس وتدریس	۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
۸	ازدواجی زندگی	۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء
۹	فرزندِ اکبر مولانا محمد حامد رضا خاں کی ولادت	ربیع الاوّل ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
۱۰	فتویٰ نویسی کی مطلق اجازت	۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء
۱۱	بیعت وخلافت	۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء
۱۲	پہلی اردو تصنیف	۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء

۱۳۔ پہلا حج اور زیارت حرمین شریفین	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۴۔ شیخ احمد بن زین بن دحلان مکی سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۵۔ مفتیٔ مکہ شیخ عبد الرحمٰن سراج مکی سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۶۔ شیخ عابد السندی کے تلمیذ رشید امام کعبہ شیخ حسین بن صالح جمل اللیل مکی سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۷۔ احمد رضا کی پیشانی میں شیخ موصوف کا مشاہدۂ انوارِ الٰہیہ	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۸۔ مسجد حنیف (مکہ معظمہ) میں بشارتِ مغفرت	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۹۔ زمانۂ حال کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ	۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء
۲۰۔ تحریکِ ترکِ گاؤکشی کا سدِّ باب	۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء
۲۱۔ پہلی فارسی تصنیف	۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء
۲۲۔ اردو شاعری کا شہکار قصیدۂ معراجیہ کی تصنیف	قبل ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء
۲۳۔ فرزندِ اصغر مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا خان کی ولادت	۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۲۴۔ ندوۃ العلماء کے جلسۂ تاسیس (کانپور) میں شرکت	۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء
۲۵۔ تحریک ندوہ سے علیحدگی	۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
۲۶۔ مقابر پر عورتوں کے جانے کی ممانعت میں فاضلانہ تحقیق	۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء
۲۷۔ قصیدۂ عربیہ امال الابرار والآلام الاشرار	۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء
۲۸۔ ندوۃ العلماء کے خلاف ہفت روزہ اجلاس پٹنہ میں شرکت	رجب ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء
۲۹۔ علماء ہند کی طرف سے خطاب مجدد مائۃ حاضرہ	۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء

تقاطعهامع الافق فی الجانبین علی نقطتی المشرق والمغرب من الافق ثم اذا ارتفع و
انتقل الی مدار جنوبی مثلا ینتقل القوس الشرقی من دائرة الارتفاع وکذا الی جنوب المعدل
والغربی الی شمال وکذا تقاطعها الشرقی الی جنوب نقطة المشرق والغربی الی شمال نقطة المغرب

نقطة المغرب
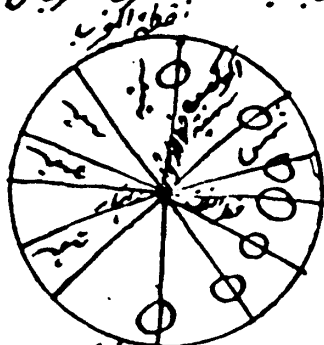
وهکذا ۱۲ [illegible] فی افق مائل

قوله او الشمس [illegible] مدار الی مدار ۱۲

ص ۵۱ قوله ارتفاع [illegible] بل دوائر لا تتناهی ۱۲

قوله ~~للانطباق علیها~~ دائرة نصف النهار

ولذا یقع الظل فی نصف النهار فی سطح دائرة نصف النهار ۱۲

نقطة المشرق

قوله لا انطباق علیها اقول فی الافق المستوی حین وصول مرکز الکوکب علی تقاطع دائرة المعدل ودائرة نصف النهار یصدق حد دائرة الارتفاع علیهما جمیعا فافهم ۱۲

والجواب ان الکوکب اذا کان علی نقطة المشرق کان دائرة الارتفاع شرقیا غربیا وهکذا کلما ارتفع حتی وصل مرکزه الی دائرة نصف النهار وکذلک بعد الزوال الی البلوغ مرة اخری فی منتصف اللیل فعلم ان دائرة الارتفاع فی جمیع الدورة شرقیة غربیة اعنی منطبقة علی معدل النهار فکذلک فی آن وصول الکوکب تقاطع المعدل ودائرة نصف النهار ولا یحسن ان یجعل واحد من الاثنین دائرة الارتفاع جنوبیة شمالیة بحکم الانطباق علی دائرة نصف النهار وان کان ذلک الحکم ممکنا فی نفسه لصدق الحد علی دائرة نصف النهار بل علی دوائر غیر متناهیة فافهم ۱۲

قوله اصلا لان المعدل عظیمة فیمر الکوکب علیها فی جمیع الدورة وان انحرف عنها لم یبق مارا بسمت الراس القدم ۱۲

ص ۵۳ قوله علی اقصر المسافات وکما فی نقطة غیر المرکز فی جوف المحیط یخرج ههنا خطوط الی

۳۰۔ تاسیس دارالعلوم منظرِ اسلام بریلی — ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء

۳۱۔ دوسراحج اور زیارت حرمین شریفین — ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء

۳۲۔ امامِ کعبہ شیخ عبداللہ میرداد اور ان کے استاد شیخ حامد احمد محمد جدّادی مکّی کا مشترکہ استفتاء اور احمد رضا کا فاضلانہ جواب — ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

۳۳۔ علماءِ مکۃ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے نام سنداتِ اجازت و خلافت — ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

۳۴۔ کراچی آمد اور مولانا محمد عبدالکریم درس سندھی سے ملاقات — ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

۳۵۔ احمد رضا کے عربی فتوے کو حافظ کتب الحرم سیّد اسمٰعیل خلیل مکّی کا زبردست خراجِ عقیدت — ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

۳۶۔ شیخ ہدایت اللہ بن محمد بن محمد سعید السندی مہاجر مدنی کا اعترافِ مجدّدیت — ۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

۳۷۔ قرآن کریم کا اردو ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن — ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

۳۸۔ شیخ موسیٰ علی الشامی الازہری کی طرف سے خطاب "امام الائمہ المجدّد لہٰذہ الامۃ" — یکم ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

۳۹۔ حافظ کتب الحرم سیّد اسمٰعیل خلیل مکّی کی طرف سے خطاب "خاتم الفقہاء والمحدثین" — ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

۴۰۔ علم المربعات میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے مطبوعہ سوال کا فاضلانہ جواب — قبل ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

۴۱۔ ملتِ اسلامیہ کے لیئے اصلاحی اور انقلابی پروگرام کا اعلان — ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

۴۲۔ بہاول پور ہائی کورٹ کے جسٹس محمد دین کا استفتاء اور احمد رضا کا فاضلانہ جواب — ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

۴۳۔ مسجد کانپور کے قضیے پر برطانوی حکومت سے معاہدہ کرنے والوں کے خلاف ناقدانہ رسالہ — ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

۴۴۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) مابین سنہ ۱۳۳۲ھ / سنہ ۱۹۱۴ء
کی آمد اور استفادہ علمی اور سنہ ۱۳۳۵ھ / سنہ ۱۹۱۶ء

۴۵۔ انگریزی عدالت میں جانے سے انکار اور حاضری
سے استثناء سنہ ۱۳۳۴ھ / سنہ ۱۹۱۶ء

۴۶۔ صدر الصدور صوبہ جات دکن کے نام
ارشاد نامہ سنہ ۱۳۳۴ھ / سنہ ۱۹۱۶ء

۴۷۔ تاسیس جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی تقریباً سنہ ۱۳۳۶ھ / سنہ ۱۹۱۷ء

۴۸۔ سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر فاضلانہ تحقیق سنہ ۱۳۳۷ھ / سنہ ۱۹۱۸ء

۴۹۔ امریکی ہیأۃ داں پروفیسر البرٹ الیف پورٹا
کو شکستِ فاش سنہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۱۹ء

۵۰۔ آئزک نیوٹن اور آئین اسٹائن کے نظریات
کے خلاف فاضلانہ تحقیق سنہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۲۰ء

۵۱۔ ردِّ حرکت زمین پر ۱۰۵ دلائل اور
فاضلانہ تحقیق سنہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۲۰ء

۵۲۔ فلاسفۂ قدیمہ کا ردِّ بلیغ سنہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۲۰ء

۵۳۔ دو قومی نظریہ پر حرفِ آخر سنہ ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۱ء

۵۴۔ تحریکِ خلافت کا افشائے راز سنہ ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۱ء

۵۵۔ تحریکِ ترکِ موالات کا افشائے راز سنہ ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۱ء

۵۶۔ انگریزوں کی معاونت اور حمایت کے الزام
کے خلاف تاریخی بیان سنہ ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۱ء

۵۷۔ وصال ۲۵ صفر سنہ ۱۳۴۰ھ / ۲۸ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء

۵۸۔ مدیر پیسہ اخبار لاہور کا تعزیتی نوٹ یکم ربیع الاوّل سنہ ۱۳۴۰ھ / ۳ نومبر سنہ ۱۹۲۱ء

۵۹۔ سندھ کے ادیب شہیر سرشار عقیلی تنوی کا

تعزیتی مقالہ — سنہ ۱۳۴۱ھ / ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء

۶۰- بمبئی ہائی کورٹ کے جسٹس ڈی۔ ایف ملّا
کا خراجِ عقیدت — سنہ ۱۳۴۹ھ / سنہ ۱۹۳۰ء

۶۱- شاعرِ مشرق علّامہ ڈاکٹر محمّد اقبال کا
خراجِ عقیدت — سنہ ۱۳۵۱ھ / سنہ ۱۹۳۲ء

شیخ سید اسمٰعیل بن خلیل علیہ الرحمتہ (حافظ کتب الحرام۔ مکہ معظّمہ)

امام احمد رضا کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں

"اور میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے، مناقب و مفاخر والا۔ اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لیئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ یکتائے زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ مولانا احمد رضا خاں احسان والا، پروردگار اسے سلامت رکھے تاکہ وہ (مخالفین) کی بے ثبات حجتوں کا آیاتِ قرآنیہ اور قطعی احادیث سے رد فرماتے رہیں اور وہ ایسا کیوں نہ ہو کہ علماءِ مکہ اس کے لیئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پہ نہ ہوتا تو علمائے مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بے شک حق و صحیح ہے۔"

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیدار الٰہی

(منبہ المنیہ بوصول الحبیب الی العرش والرؤیہ)

الاحادیث المرفوعہ امام احمد اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت ربی عزوجل یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ امام علامہ جلال الدین خصائص کبریٰ اور علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔ یہ حدیث بسند صحیح ہے۔ ابن عساکر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لان اللہ اعطی موسی الکلام واعطانی الرؤیۃ لوجہہ وفضلنی بالمقام المحمود والحوض المورود بیشک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولت کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا۔ مجھ کو شفاعت کبریٰ و حوض کوثر سے فضیلت بخشی۔ وہی محدث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لی ربی الخلت ابراہیم خلتی وکلمت موسیٰ تکلیما واعطیتک یا محمد کفاحا یعنی رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے میرے رب عزوجل نے فرمایا میں نے ابراہیمؑ کو اپنی دوستی دی اور موسیٰ سے کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد مواجہ بخشا کہ بے پردہ وحجاب تم نے میرا جمال پاک دیکھا فی مجمع البحار کفاحا ای مواجہۃ لیس بینہما حجاب ولا رسول ابن مردویہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہو یصف سدرۃ المنتہےٰ (وذکر الحدیث الی ان قالت) فقلت یارسول اللہ ما رأیت عندہا قال رأیت

عند ہا یعنی ربہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کا وصف بیان فرماتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ حضور نے اس کے پاس کیا دیکھا فرمایا مجھے اس کے پاس دیدار ہوا۔

اثار الصحابہ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی انا نحن بنو ہاشم فنقول ان محمدا رای ربہ مرتین۔ ہم بنی ہاشم اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بیشک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔ ابن اسحٰق عبداللہ بن ابی سلمہ سے راوی ان ابن عمر ارسل الی ابن عباس یسألہ ہل رای محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربہ فقال نعم یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کرا بھیجا کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ انھوں نے جواب دیا ہاں جامع ترمذی و معجم طبرانی میں عکرمہ سے مروی واللفظ للطبرانی عن ابن عباس قال نظر محمد الی ربہ قال عکرمہ فقلت لہ نظر محمد الی ربہ قال نعم جعل الکلام الموسیٰ والخلہ الابراہیم والنظر لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (زاد الترمذی) فقد رای ربہ مرتین یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ عکرمہ ان کے شاگرد کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی، کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ فرمایا ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے لئے کلام رکھا اور ابراہیم کے لئے دوستی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیدار اور بیشک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دوبار دیکھا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔ امام نسائی اور امام ابن خزیمہ و حاکم بیہقی کی روایت میں ہے واللفظ للبیہقی اتعجبون ان تکون الخلۃ الابراہیم والکلام لموسیٰ والرؤیۃ لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کیا ابراہیم کے لئے دوستی اور موسیٰ کے لئے کلام اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے دیدار ہونے میں تمہیں کچھ اچنبا ہے۔ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام قسطلانی و زرقانی نے فرمایا اس کی سند جید ہے۔ طبرانی معجم اوسط میں راوی عن عبداللہ بن عباس انہ کان یقول ان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای ربہ مرتین مرۃ ببصرہ و مرۃ بفوادہ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوبار اپنے رب کو دیکھا۔ ایک بار اس آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔ امام سیوطی و امام قسطلانی و علامہ شامی و علامہ زرقانی فرماتے ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام الائمہ ابن خزیمہ و امام بزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای ربہ عزوجل بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ امام احمد قسطلانی و عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں اس کی سند قوی ہے۔ محمد بن اسحٰق کی حدیث میں ہے۔ ان مروان سال ابا ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہل رای محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربہ فقال نعم یعنی مروان نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ کیا محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ فرمایا: ہاں۔ اخبار التابعین مصنف عبد الرزاق میں ہے عن معمر عن الحسن البصری انہ کان یحلف باللہ لقد رای محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قسم کھا کر فرمایا کرتے بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح امام ابن خزیمہ حضرت عروہ بن زبیر سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسہ ہیں راوی کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی ہونا مانتے وانہ کان یشتد علیہ انکارہا اور ان پر اس کا انکار سخت گراں گزرتا (اھ ملتقطا) یوہیں کعب احبار عالم کتب سابقہ و امام ابن شہاب زہری قرشی و امام مجاہد مخزومی مکی و امام عکرمہ بن عبد اللہ مدنی ہاشمی و امام عطا بن رباح قرشی مکی استاد امام ابوحنیفہ و امام مسلم بن صبیح ابو الضحٰے کوفی وغیرہم جمیع تلامذۂ عالم قرآن حبر الامہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔ اخرج ابن خزیمۃ عن عروۃ بن الزبیر اثباتہا و بہ قال سائر اصحاب ابن عباس وجزم بہ کعب الاحبار والزہری الخ۔

اقوال من بعد ہم من ائمۃ الدین امام خلال کتاب السنۃ میں اسحٰق بن مروزی سے راوی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ رویت کو ثابت مانتے اور اس کی دلیل فرماتے قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت ربی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں نے اپنے رب کو دیکھا (اھ مختصرا) نقاش اپنی تفسیر میں اس امام سند الانام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے راوی انہ قال اقول بحدیث ابن عباس بعینہ رای ربہ راٰہ راٰہ حتی انقطع نفسہ یعنی انہوں نے فرمایا میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا معتقد ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے رب کو اسی آنکھ سے دیکھا دیکھا دیکھا۔ یہاں تک فرماتے ہیں کہ سانس ٹوٹ گئی ۔ امام ابن الخطیب مصری مواہب شریف میں فرماتے ہیں ۔ جزم بہ معمر و آخرون وہو قول الاشعری وغالب اتباعہ یعنی امام معمر بن راشد بصری اور ان کے سوا اور علما نے اس پر جزم کیا اور یہی مذہب ہے امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری اور ان کے غالب پیروؤں کا شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی امام عیاض میں فرماتے ہیں الاصح الراجح انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای ربہ بعین راسہ حین اسری بہ کما ذہب الیہ اکثر الصحابہ مذہب اصح اور راجح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب اسرا اپنے رب کو بچشم سر دیکھا جیسا کہ جمہور صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں پھر علامہ محمد بن عبدالباقی شرح مواہب میں فرماتے ہیں۔ الراجح عند اکثر العلماء انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای ربہ بعین راسہ لیلۃ المعراج جمہور علما کے نزدیک راجح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو انہی آنکھوں سے دیکھا ۔ ائمہ متاخرین کے جدا جدا اقوال کی حاجت نہیں کہ وہ حدِ شمار سے خارج ہیں اور لفظ اکثر العلما کہ منہاج میں فرمایا ۔ کافی و مغنی واللہ تعالےٰ اعلم ۔

بیشک علمائے کرام ائمہ دین عدول ثقات معتمدین اپنی تصانیف جلیلہ میں اس کی اور اس سے زائد کی تصریحات جلیلہ فرماتے ہیں اور یہ سب احادیث ہیں۔ اگرچہ احادیث مرسل ایک اصطلاح پر معضل ہیں اور حدیث مرسل و معضل باب فضائل میں بالاجماع مقبول ہے خصوصاً جب ناقلین ثقات عدول ہیں اور یہ امر ایسا نہیں جس میں رائے کو دخل ہو تو ضرور ثبوت سند پر محمول اور مثبت نافی پر مقدم اور عدم اطلاع اطلاع عدم نہیں تو جھوٹ کہنے والا محض جھوٹا مجازف فی الدین ہے ۔ امام اجل سیدی محمد بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں ؎

سریت من حرم لیلا الی حرم	کما سری البدر فی داج من الظلم
و بت ترقی الی ان نلت منزلۃ	من قاب قوسین لم تدرک و لم ترم
خفضت کل مقام بالاضافۃ اذ	نودیت بالرفع مثل المفرد العلم
فحزت کل فخار غیر مشترک	و جزت کل مقام غیر مزدحم

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں حرم مکہ معظمہ سے بیت الاقصیٰ کی طرف تشریف فرما ہوئے جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند چلے اور حضور اس شب میں ترقی فرماتے رہے یہاں تک کہ قاب قوسین کی منزل پہنچے جو نہ کسی نے پائی نہ کسی کو اس کی ہمت ہوئی۔ حضور نے اپنی نسبت سے تمام مقامات کو پست فرما دیا۔ جب حضور رفع کے لئے مفرد علم کی طرح ندا فرمائے گئے۔ حضور نے ہر ایسا فخر جمع فرما لیا جو قابل شرکت نہ تھا اور حضور ہر اس مقام سے گزر گئے جس میں اوروں کا ہجوم نہ تھا یا یہ کہ حضور نے سب فخر بلا شرکت جمع کر لئے اور حضور تمام مقامات سے بے مزاحمت گزر گئے یعنی عالم امکان میں جتنے مقام ہیں حضور سب سے تنہا گزر گئے کہ دوسرے کو یہ امر نصیب نہ ہوا۔ علامہ علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں ای انت دخلت الباب وقطعت الحجاب الی ان لم تترک غایۃ لساع الی السبق من کمال القرب المطلق الی جناب الحق ولا ترکت موضع رقی وصعود وقیام وقعود لطالب رفعۃ فی عالم الوجود بل تجاوزت ذلک الی مقام قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیک ربک ما اوحی یعنی حضور نے یہاں تک حجاب طے فرمائے کہ حضرت عزت کی جناب میں قرب مطلق کامل کے سبب کسی ایسے کے لئے جو سبقت کی طرف دوڑے کوئی نہایت نہ چھوڑی اور تمام عالم وجود میں کسی طالب بلندی کے لئے کوئی جگہ عروج و ترقی یا اٹھنے بیٹھنے کی باقی نہ رکھی بلکہ حضور عالم مکان سے تجاوز فرما کر مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچے تو حضور کے رب نے حضور کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ نیز امام ہمام ابو عبداللہ شرف الدین محمد قدس سرہٗ ام القریٰ میں فرماتے ہیں ؎

وترقی بہ الی قاب قوسین ۔۔۔ وتلک السیادۃ القعساء

رتب تسقط الامانی حسریٰ ۔۔۔ دونہا ما وراہن وراء

حضور کو قاب قوسین تک ترقی ہوئی اور یہ سرداری لازوال ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں کہ آرزوئیں ان سے تھک کر گر جاتی ہیں۔ ان کے اس طرف کوئی مقام ہی نہیں۔ امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی اس کی شرح افضل القریٰ میں فرماتے ہیں۔ قال بعض الائمۃ والمعاریج لیلۃ الاسراء عشرۃ سبعۃ فی السموات والثامن الی سدرۃ المنتہیٰ والتاسع الی المستوی والعاشر الی العرش الخ بعض ائمہ نے فرمایا شب اسرا دس معراجیں تھیں۔

سات ساتوں آسمانوں میں اور آٹھویں سدرۃ المنتہیٰ نویں مستوی دسویں عرش تک سیدی علامہ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقۂ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں اسے نقل فرما کر مقرر رکھا حیث قال قال شہاب المکی فی شرح ہمزیہ الابوصیری عن بعض الائمۃ ان المعاریج عشرۃ الی قولہ والعاشر الی العرش والرویۃ ۔ معراجیں دس ہیں۔ دسویں عرش و دیدار تک نیز شرح ہمزیہ امام مکی میں ہے ۔ لما اعطی سلیمن علیہ الصلوۃ والسلام الریح التی غدو ہا شہر و رواحہا شہر اعطی نبینا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم البراق فحملہ من الفرش الی العرش فی لحظۃ واحدۃ واقل مسافۃ فی ذلک سبعۃ الآف سنۃ وما فوق العرش الی المستوی والرفرف لایعلمہ الا اللہ تعالیٰ جب سلیمن علیہ الصلوۃ والسلام کو ہوا دی گئی کہ صبح و شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی ۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو براق عطا ہوا کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لمحہ میں لے گیا اور اس میں ادنی مسافت (یعنی آسمان ہفتم سے زمین تک) سات ہزار برس کی راہ ہے اور وہ فوق العرش سے مستوی و رفرف تک رہی اسے تو خدا ہی جانے اسی میں ہے لما اعطی موسی علیہ الصلوۃ والسلام الکلام اعطی نبینا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مثلاً لیلۃ الاسراء وزیادۃ الدنو والرویۃ بعین البصر وشتان مابین جبل الطور الذی نوجی بہ موسی علیہ الصلوۃ والسلام وما فوق العرش الذی نوجی بہ نبینا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب کہ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو دولت کلام عطا ہوئی۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ویسی ہی شب اسرا ملی اور زیارت قرب و چشم سر سے دیدار الٰہی ۔ اس کے علاوہ اور بھلا کہاں کوہ طور جس پر موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے مناجات ہوئی اور کہاں ما فوق العرش جہاں ہمارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے کلام ہوا ۔ اسی میں ہے

رقیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ببدنہ یقظۃ لیلۃ الاسراء الی السماء ثم الی سدرۃ المنتہیٰ ثم الی المستوی ثم الی العرش والرفرف والرویہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے جسم پاک کے ساتھ بیداری میں شب اسرا آسمانوں تک ترقی فرمائی پھر سدرۃ المنتہیٰ پھر مقام مستوی پھر عرش و رفرف و دیدار تک علامہ احمد بن صادی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ تعالی تعلیقات فضل القریٰ میں فرماتے ہیں ۔ الاسراء بہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی الیقظۃ بالجسد والروح من المسجد الحرام

الی المسجد الاقصیٰ ثم عرج بہ الی السموات العلی ثم الی سدرۃ المنتہیٰ ثم الی المستوی ثم الی العرش والرفرف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج بیداری میں بدن و روح کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہوئی۔ پھر آسمانوں، پھر سدرہ پھر مستوی پھر عرش و رفرف تک فتوحات احمدیہ شرح ہمزیہ للشیخ سلیمن الجمل میں ہے۔ رقیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء من بیت المقدس الی السموت السبع الی حیث شاء اللہ تعالیٰ لکنہ لم یجاوز العرش علی الراجح حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی شب اسرا بیت المقدس سے ساتوں آسمان اور وہاں سے اس مقام تک ہے جہاں تک اللہ عزوجل نے چاہا مگر راجح یہ ہے کہ عرش سے آگے تجاوز نہ فرمایا۔ اسی میں ہے المعاریج لیلۃ الاسراء عشرۃ سبعۃ فی السموات والثامن الی سدرۃ المنتہیٰ والتاسع الی المستوی والعاشر الی العرش لکن لم یجاوز العرش کما ہو التحقیق عند اہل المعاریج۔ معراجیں شب اسراء دس ہوئیں سات آسمانوں میں اور آٹھویں سدرہ نویں مستوی دسویں عرش تک۔ مگر راویان معراج کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمایا اسی میں ہے بعد ان جاوز السماء السابعۃ رفعت لہ سدرۃ المنتہیٰ ثم جاوزھا الی مستوی ثم زج بہ فی النور فخرق سبعین الف حجاب من نور مسیرۃ کل حجاب خمسمائۃ عام ثم دلی لہ رفرف اخضر فارتقے بہ حتی وصل الی العرش ولم یجاوزہ فکان من ربہ قاب قوسین او ادنیٰ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمان ہفتم سے گزرے سدرہ حضور کے سامنے بلند کی گئی۔ اس سے گزر کر مقام مستوی پر پہنچے پھر حضور عالم نور میں ڈالے گئے وہاں ستر ہزار پردے نور کے طے فرمائے۔ ہر پردے کی مسافت پانچ سو برس کی راہ پھر ایک سبز بچھونا حضور کے لئے لٹکایا گیا۔ حضور اس پر ترقی فرما کر عرش تک پہنچے اور عرش سے ادھر گزر نہ فرمایا وہاں اپنے رب سے قاب قوسین او ادنیٰ پایا اقول۔ شیخ سلیمن نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی اور امام ابن حجر مکی وغیرہ عبارات ماضیہ و آیتہ وغیرہا میں فوق العرش ولامکان کی تصریح ہے۔ لامکان یقیناً فوق العرش ہے اور حقیقتاً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ عرش تک منتہائے مکان ہے۔ اس سے آگے لامکان ہے اور جسم نہ ہوگا مگر مکان میں

تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے اور روح اقدس نے وراء لوریٰ تک ترقی فرمائی جسے ان کا رب جانے جو لے گیا پھر وہ جانیں جو تشریف لے گئے۔ اسی طرف کلام امام شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اشارہ عنقریب آتا ہے کہ ان پاؤں سے سیر کا منتہیٰ عرش ہے تو سیر قدم عرش پر ختم ہوئی۔ اس لئے بھی سیر اقدس میں معاذ اللہ کوئی کمی رہی بلکہ اس لئے کہ تمام اماکن کا احاطہ فرمالیا اوپر کوئی مکان ہی نہیں۔ جسے کیسے کہ قدم مبارک وہاں نہ پہنچا اور سیر قلب انور کی انتہا قاب قوسین اگر وسوسہ گزرے کہ عرش سے ورا کیا ہوگا کہ حضور نے اس سے تجاوز فرمایا تو امام اجل سیدی علی وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سنیے جسے امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں نقل فرمایا کہ فرماتے ہیں لیس الرجل من یقیدہ العرش وما حواہ عن الافلاک والجنۃ والنار وان الرجل من نفذ بصرہ الی خارج ھذا الوجود کلہ وھناک یعرف قدر عظمۃ موجدہ سبحنہ وتعالیٰ۔ مرد وہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطہ میں ہے۔ افلاک وجنت ونار یہی چیزیں محدود ومقید کرلیں مرد وہ ہیں جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے وہاں اسے موجد عالم جل جلالہ کی عظمت کی قدر کھلے گی۔ امام علامہ احمد قسطلانی مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ اور علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں (ومنھا انہ رای اللہ تعالیٰ بعینہ) یقظۃ علی الراجح (وکلمہ اللہ تعالیٰ فی الرفیع الاعلی) علی سائر الامکنۃ وقد روی ابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا لما اسری بی قربنی ربی حتی کان بینی وبینہ قاب قوسین او ادنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ حضور نے عزوجل کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا یہی مذہب راجح ہے اور اللہ عزوجل نے حضور سے اس بلند وبالا مقام میں کلام فرمایا جو تمام امکنہ سے اعلیٰ تھا۔ اور بیشک ابن عساکر نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شب اسرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا۔ اسی میں ہے قد اختلف العلماء فی الاسراء ھل ھو اسراء واحد او اسراء ان مرۃ بروحہ وبدنہ یقظۃ ومرۃ مناما او یقظۃ بروحہ وجسدہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ ثم مناما من المسجد الاقصیٰ الی العرش فالحق انہ اسراء

واحد بروحہ وجسدہ یقظۃ فی القصۃ کلہا والی ہذا ذہب الجمہور من علماء المحدثین والفقہاء والمتکلمین علما کو اختلاف ہوا کہ معراج ایک ہے یا دو۔ ایک بار روح و بدن اقدس کے ساتھ بیداری میں اور ایک بار خواب میں یا بیداری میں روح و بدن مبارک کے ساتھ مسجد الحرام سے مسجد اقصےٰ تک پھر خواب میں وہاں سے عرش تک اور حق یہ ہے کہ وہ ایک ہی اسراء ہے اور سارے قصے میں یعنی مسجد الحرام سے عرش اعلیٰ تک بیداری میں روح و بدن اطہر ہی کے ساتھ ہے۔ جمہور علماء محدثین و فقہاء و متکلمین سب کا یہی مذہب اسی میں ہے۔ المعارج عشرۃ (الی قولہ) العاشر الی العرش معراجیں دس ہوئیں۔ دسویں عرش تک اسی میں ہے۔

قد ورد فی الصحیح عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال عرج بی جبریل الی سدرۃ المنتہیٰ ودنا الجبار رب العزۃ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ مذلیہ علی ما فی حدیث شریک کان فوق العرش صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے ساتھ جبریل نے سدرۃ المنتہیٰ تک عروج کیا اور جبار رب العزۃ جل جلالہ نے دنو و تدلی فرمائی تو فاصلہ دو کمانوں بلکہ ان سے کم کا رہا۔ یہ تدلی بالائے عرش تھی جیساکہ حدیث شریف میں ہے۔ علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض فرماتے ہیں ورد فی المعراج انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما بلغ سدرۃ المنتہیٰ جاءہ بالرفرف جبریل علیہ الصلاۃ والسلام فتناولہ فطاربہ الی العرش حدیث معراج میں وارد ہوا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پہنچے جبریل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم رفرف حاضر لائے وہ حضور کو لے کر عرش تک اڑ گیا اسی میں ہے علیہ یدل صحیح الاحادیث الآحاد الدالۃ علی دخولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الجنۃ و وصولہ الی العرش او طرف العالم کما سیأتی کل ذالک بجسدہ یقظۃ صحیح احاد حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب اسرے جنت میں تشریف لے گئے اور عرش تک پہنچے یا عالم کے اس کنارے تک کہ آگے لامکاں ہے اور یہ سب بیداری میں مع جسم مبارک تھا۔ حضرت سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ شریف باب ۳۱۶ میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما کان خلقہ القرآن وتخلق بالاسماء وکان اللہ

سبحٰنہ وتعالیٰ ذکر فی کتابہ العزیز انہ تعالیٰ استوی علی العرش علی طریق التمدح والثناء علی نفسہ اذکان العرش اعظم الاجسام فجعل لنبیہ علیہ الصلاۃ والسلام من ہذا الاستواء نسبۃ علی طریق التمدح والثناء بہ علیہ حیث کان اعلی مقام منتہی الیہ من اسری بہ من الرسل علیہم الصلاۃ والسلام وذالک یدل علی انہ اسری بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بجسمہ ولو کان الاسراء برؤیا لما کان الاسراء ولا الوصول الی ہذا المقام تمدحا ولا وقع من الاعراب انکار علی ذالک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ اور حضور اسماء الٰہیہ کی خود خصلت رکھتے تھے اور اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی صفات مدح سے عرش پر استوا بیان فرمایا تو اس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس صفت استوا علی العرش کے پرتو سے مدح ومنقبت بخشی کہ عرش وہ اعلیٰ مقام ہے جس تک رسولوں کا اسرا منتہیٰ ہو۔ اور اس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسراء مع جسم مبارک تھا کہ اگر خواب ہوتا تو اسرا اور اس مقام استوا علی العرش تک پہنچنا مدح نہ ہوتا نہ گنوار اس پر انکار کرتے۔ امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت والجواہر میں حضرت موصوف سے ناقل انما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی سبیل التمدح حتی ظہرت المستوی اشارۃ لما قلنا من ان منتہی السیر بالقدم المحسوس العرش نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بطور مدح ارشاد فرمانا کہ یہاں تک کہ میں مستوی پر بلند ہوا اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قدم جسم سے سیر کا منتہیٰ عرش ہے۔ مدارج النبوۃ شریف میں ہے۔ فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پس گسترانیدہ شد برائے من رفرف سبز کہ غالب بود نور او بر نور آفتاب پس درخشید بآں نور بصر من نہادہ شدم من برآں رفرف وبرداشتہ شدم تا رسیدم بعرش اسی میں ہے آوردہ اند کہ چوں رسید آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعرش دست زد عرش بداماں اجلال وے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف میں ہے جز حضرت پیغمبر ما صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالا تر ازاں ہیچ کس نہ رفتہ وآنحضرت بجائے رفت کہ آنجا نیست

برداشت از طبیعت امکاں قدم آں

اسرے بعیدہ است من المسجد الحرام

تا عرصۂ وجوب کہ اقصائے عالم ست

کا نجا نہ جا ست نے جہت و نے نشان نہ نام

نیز اسی کے باب رؤیتہ اللہ تعالیٰ فصل دوم زیر حدیث قد رائ لبہ مرتین ارشاد فرمایا بتحقیق آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پروردگار خود راجل و علا دو بار دیدے چوں نزدیک سدرۃ المنتہیٰ بود دوم چوں بالائے عرش برآمد مکتوبات حضرت شیخ مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب ۲۸۳ میں ہے۔ آں سرور علیہ الصلاۃ والسلام دراں شب از دائرۂ مکان و زماں بیروں جست و از تنگی امکان برآمدہ ازل و ابد را آں واحد یافت و بدایت ونہایت را در یک نقطہ متحد دید نیز مکتوب ۲۷۲ میں ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العلمین ست و بہترین موجودات اولین و آخرین بدولت معراج بدنی مشرف شد واز عرش و کرسی درگزشت و از مکان و زمان بالا رفت امام ابن الصلاح کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں قول المصنفین من الفقہاء وغیرہم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کذا وکذا ونحو ذلک کلمہ من قبیل المعضل وسماہ الخطیب ابوبکر الحافظ مرسلا و ذلک علی مذہب من یسمی کل مالا یتصل مرسلا تلویح وغیرہ میں ہے ان لم یذکر الواسطۃ اصلا فمرسل مسلم الثبوت میں ہے۔ المرسل قول العدل قال علیہ الصلاۃ والسلام۔ فواتح الرحموت میں ہے۔ ایکل داخل فی المرسل عند اہل الاصول انھیں میں ہے المرسل کان من الصحابی یقبل مطلقا اتفاقا وان من غیرہ فالاکثر ومنہم الامام۔ ابوحنیفہ والامام مالک والامام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم قالوا یقبل مطلقا اذا کان الراوی ثقۃ الخ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے لا یضر ذلک فی الاستدلال بہ ھہنا لان المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعا شفای امام قاضی عیاض میں ہے۔ انجبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثقل علی دانہ قسیم النار نسیم الریاض میں فرمایا۔ ظاہر ہذا ان ہذا مما اخبر بہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا انہم قالوا لم یروہ احد من المحدثین الا ان ابن الاثیر قال فی النہایۃ ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انا قسیم النار قلت ابن الاثیر ثقۃ وما ذکرہ علی لایقال من قبیل الرای فہو فی المرفوع اھ ملخصا امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔ عدم النقل لا ینفی الوجود۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

✲✲✲

سید وجاہت رسول قادری، انچارج زکوٰۃ سیل حبیب بنک

اعلیٰحضرت مجدد دین و ملت، واقف اسرار شریعت، امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی شخصیت اس ہیرے کی مانند ہے جو اپنی تابناک شعاعوں سے اکناف عالم کو منور کر رہا ہو۔ آپ کے اب تک کے شائع شدہ علمی کارناموں سے یہ بات اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ آپ کی شخصیت علوم متداولہ، علوم عقلیہ و علوم نقلیہ کی مخزن و محور ہے۔ آپ کی نگاہ تحقیق ہر مسئلہ و ہر علم کی گہرائیوں سے موتی تلاش کر لیتی ہے اور وہ موتی اور گوہر آبدار تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کی طرح آپ کی تقریباً تقریباً ایک ہزار تصانیف میں جابجا پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں جو ہر جوہر شناس طبیعت کو اپنی پہچان کی دعوت فکر دے رہے ہیں۔ آج کی علمی، فنی، سائنسی اور تمدنی اعتبار سے ترقی یافتہ دنیا میں ہر صاحب فکر سلیم اور ہر اہل قلب صمیم، علم کے ان موتیوں اور تصانیف جواہر دار کے ان جواہر پاروں کو چن چن کر اپنے قلب و ذہن کی تزئین و آرائش کر سکتا ہے ع

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے اسی جذبہ کے تحت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی مختلف تصانیف گوہر دار سے علمی نکات کے نایاب موتی چنے اور چھانٹے اور پھر انھیں "اقوال زریں" کی مالائیں پرو کر "معارف رضا" کی ڈالیوں پر سجا کر ہر مسلمان، بلکہ تمام عالم اسلام کو دعوت فکر دی ہے کہ اگر :-

______ اپنی اصلاح و تربیت کے خواہاں ہو،

______ صراطِ مستقیم کے جویا ہو،

______ رشد و ہدایت کے طلب گار ہو،

______ ایمان کے خواستگار ہو

______ اللہ اور اس کے رسولؐ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دعویدار ہو،

تو آؤ اس مالا کو آنکھوں سے لگا لو،

لبوں سے بوسہ دو،

گلے میں پہن لو اور سینہ پر سجا لو تاکہ

اسلام کے لئے مرنا اور جینا سیکھ سکو ؎

ادھر آ ہر قدم پر حسنِ منزل تجھ کو دکھلا دوں فلک کو پاس سے منزل بہ منزل دیکھنے والے

اقوالِ زرّیں

ایمان کامل

۱۔ جس کے دل میں اللہ و رسول جلّ و علا و صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علاقہ تمام علاقوں پر غالب ہو۔ اللہ و رسول کے محبوبوں سے محبت رکھے، اگرچہ اپنے دشمن ہوں، اور اللہ و رسول کے مخالفوں، بدگویوں سے عداوت رکھے۔ اگرچہ اپنے جگر کے ٹکڑے ہوں، جو کچھ دے اللہ کے لئے دے۔ جو کچھ روکے اللہ کے لئے روکے، اس کا ایمان کامل ہے۔ (احکامِ شریعت)

مالک الملک

۲۔ ہمارا اور ہماری جان و مال کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا سچا مالک ہے۔ اس کے احکام میں کسی کو مجالِ زدن کیا معنی۔ کیا کوئی اس کا ہمسر یا اس پر افسر ہے جو اس سے کیوں اور کیا کہے؟ مالک علی الاطلاق ہے۔ بے اشتراک ہے جو چاہا کیا اور جو چاہے کرے

گا۔ (تجلی الصدر الایمان القدر)

احکام الٰہی

۳۔ ہمیشہ یاد رہے کہ احکام الٰہیہ بجالانے میں قلیل مشقت کبھی عذر نہیں ہوسکتی بمشقت شدید عذر ہے۔ (فتویٰ رضویہ جلد اوّل)

۴۔ جب بادشاہ کمالِ عادل اور جمیع کمال صفات میں یکتا وکامل ہے تو تجھے اس کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال کہ نظام مملکت خویش خسرواں دانند۔ افسوس کہ دنیوی مجازی جھوٹے بادشاہوں کی نسبت تو آدمی کو یہ خیال ہو اور مَلِکُ الملوک بادشاہ حقیقی جل جلالہٗ کے احکام میں رائے زنی کرے۔ (تجلی الصدر الایمان القدر)

اخلاص

۵۔ عبادت محض توجہ الی اللہ ہونا چاہیئے۔ کبھی اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو کہ کسی کے عمر بھر کے اعمال حسنہ اس کی کسی ایک نعمت کا جو اس نے اپنی رحمت سے عطا فرمائی بدلہ نہیں ہوسکتے۔ (الملفوظ)

تعظیم رسولؐ

۶۔ جب تک نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادت الٰہی میں گزارے سب بیکار و مردود ہے۔ (القرآن)

۷۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مدار ایمان و مدار نجات و مدار قبول اعمال ہوئی۔ (تمہید الایمان بآیات القرآن)

۸۔ ایمان کے حقیقی واقعی ہونے کو دو باتیں ضروری ہیں

(۱) محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور

(۲) آپ کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم۔

۹۔ عالم کی عزت تو اس بناء پر تھی کہ وہ نبیؐ کا وارث ہے۔ نبی کا وارث وہ جو ہدایت

پر ہو اور جب گمراہی پر ہے تو نبی کا وارث ہے یا شیطان کا۔ اس وقت کی تعظیم نبی کی تعظیم ہوتی ہے۔ اب اس کی تعظیم شیطان کی تعظیم ہو گی۔ (تمہید الایمان بآیات القرآن)

نجاتِ اُخروی

۱۰۔ نجات منحصر ہے اس بات پر کہ ایک ایک عقیدہ اہلسنت و جماعت کا ایسا پختہ ہو کہ آسمان و زمین ٹل جائیں اور وہ نہ ٹلے۔ پھر اس کے ساتھ ہر وقت خوف لگا ہو۔ (الملفوظ)

تقدیر

۱۱۔ تقدیر نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا۔ یہ سمجھنا محض جھوٹ اور ابلیس لعین کا دھوکہ ہے کہ جیسا لکھ دیا ویسا ہی کرنا پڑتا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ لوگ جیسا کرنے والے تھے ویسا ہی ہر ایک کی نسبت لکھ دیا ہے۔ لکھنا علم کے مطابق ہے اور علم معلوم کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ معلوم کو علم کے مطابق ہونا پڑتا ہے۔ (فتاویٰ افریقہ)

دُعا

۱۲۔ دعا میں صرف مدعا پر نظر نہ رکھے بلکہ نفس دعا کو صرف مقصود بالذات جانے کہ وہ خود عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔ مقصد ملنا نہ ملنا درکنار لذت مناجات نقد وقت ہے۔ (ذیل الدعا لاحسن الدعاء)

۱۳۔ دعا سلاحِ ایمان ہے۔ دعا جالب امن و امان ہے۔
دعا نور زمین و آسمان ہے۔ دعا باعث رضائے رحمٰن ہے۔
(ذیل الدعاء لاحسن الدعاء)

بدّعا

۱۴۔ اپنے اور اپنے احباب کے نفس و اہل و مال و اولاد پر بد دعا نہ کرے۔ کیا معلوم کہ وقت

اجابت ہو اور وقوع بلا پر ندامت ہو۔ (ذیل الدعاء لاحسن الدعاء)

قلب

۱۵۔ قلب حقیقتہً اس مضغۂ گوشت (گوشت کے لوتھڑے) کا نام نہیں بلکہ وہ ایک لطیفۂ غیبیہ ہے جس کا مرکز یہ مضغۂ گوشت ہے۔

مردانِ خدا

۱۶۔ مردانِ خدا (اللہ والوں) پر اگر چالیس دن گزریں کہ کوئی علت (مرض) قلت (تنگی) نہ پہنچے تو استغفار وانابت (توجہ) فرماتے ہیں کہ مبادا باگ (لگام) ڈھیلی نہ کر دی گئی ہو۔ (ذیل الدعاء لاحسن الدعاء)

طلب بیعت

۱۷۔ طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے، اور بیعت کے معنی پورے طور سے بکنا
(فتاوٰی افریقہ)

بیعت

۱۸۔ بیعت دو قسم کی ہے۔

(۱) بیعت برکت کہ صرف تبرک کے لئے داخل سلسلہ ہو جانا۔

(۲) بیعت ارادت کہ اپنے ارادہ واختیار سے اپنے کو شیخ مرشد، ہادی برحق، واصل بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کردے۔ (فتاوٰی افریقہ)

شرائط مرشد

۱۹۔ بیعت اس شخص سے کرنی چاہیئے جس میں چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔

—— اولاً سنی صحیح العقیدہ

—— ثانیاً کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ کسی امداد کے اپنی ضرورت کے مسائل

کتاب سے خود نکال سکے۔

____ ثالثاً اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو کہیں منقطع نہ ہو۔

____ رابعاً فاسق معلن نہ ہو۔

(فتاویٰ افریقہ)

مقام شیخ

۲۰۔ شیخ ہادی کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ کا حکم اور اللہ کے حکم میں مجال دم زدن نہیں۔ (فتاویٰ افریقہ)

آداب مریدی

۲۱۔ پیروں پر اعتراض سے بچے کہ یہ مریدوں کے لئے زہر قاتل ہے۔ کم کوئی مرید ہو گا جو اپنے دل میں شیخ پر کوئی اعتراض کرے اور پھر فلاح پائے (فتاویٰ افریقہ)

شریعت و طریقت

۲۲۔ یہ قول کہ شریعت چند احکام فرض واجب و حلال و حرام کا نام ہے محض اندھا پن ہے۔ شریعت تمام احکام جسم و جان و روح و جملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے۔

۲۳۔ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ (خدا تک پہنچنا) ہے اور اس کے بغیر آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دور پڑے گا

۲۴۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے۔ شریعت ہی کی اتباع کا صدقہ ہے۔۔۔۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا۔ بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالیٰ (بلند) ہے۔

۲۵۔ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ پر مرتے

دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت۔

(اعتقاد الاحباب)

صوفی

۲۶۔ صوفی وہ ہے کہ اپنی ہوا (خواہش نفسانی) کو تابع شرع کرے نہ کہ وہ ہوا کی خاطر شرع سے دست بردار ہو۔ شریعت غذا ہے اور طریقت قوت۔ جب غذا ترک کی جائے گی قوت آپ زوال پائے گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ جس قدر قرب زیادہ ہوتا ہے شرع کی باگیں اور سخت ہوجاتی ہیں (اعتقاد الاحباب)

۲۷ اولیائے کرام فرماتے ہیں" صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ (مقالِ عرفاء)

۲۸۔ بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے۔ منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے (مقال عرفاء)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی لکھنے اور سننے کا ادب

۲۹۔ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ "صلعم" لکھنا سخت منع ہے۔ ۔ ۔ ۔ ایک ذرہ سیاہی، ایک انگلی کاغذ یا ایک سیکنڈ وقت بچانے کے لئے کیسی کیسی عظیم برکات سے دور پڑنے اور محرومی و بے یقینی کا ڈانڈا پکڑتے ہیں

۳۰۔ قلم بھی ایک زبان ہے" صلی اللہ علیہ وسلم" کی جگہ مہمل بے معنی "صلعم" لکھنا ایسا ہے کہ نام اقدس کے ساتھ درود شریف کے بدلے یونہی کچھ الم غلم بکنا۔

۳۱۔ اللہ کا یہ حکم یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کہ اے ایمان والو اپنے نبی پر درود اور خوب سلام بھیجو (اللّٰھم صلّ وسلّم وبارک علیه وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ ابدا) وجوباً خواہ استحباباً ہر بار نام اقدس سننے یا زبان سے لینے یا قلم سے لکھنے پر ہے۔ تحریر میں اس کی بجا آوری نام اقدس کے ساتھ "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنے میں تھی۔

(فتاوی افریقہ)

سجدۂ تعظیمی

۳۲۔ مسلمان! اے مسلمان! شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عز جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں۔ اس کے غیر کے لئے سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین وکفر مبین اور سجدہ تحیت حرام وگناہ کبیرہ بالیقین۔
(الزبدۃ الزکیہ)

بدعت

۳۳۔ فلاں کام بدعت حادث (نیا) ہے۔ اگلوں سے ثابت نہیں۔ اس کا ثبوت لاؤ۔ سب کا جواب یہی ہے کہ.... دو باتوں میں سے ایک کا ثبوت دو یا تو یہ کہ فی نفسہٖ اس کام میں شر (برائی) ہے یا یہ کہ شرع مطہرہ نے اسے منع فرمایا ہے۔ جب نہ شرع سے منع نہ کام میں شر تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ قرآن عظیم کے ارشاد سے جائز۔ (فتاوی افریقہ)

علم ذاتی

۳۴۔ علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے۔ اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرّہ سے کمتر سے کمتر، غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر ومشرک ہے۔ (خالص الاعتقاد)

علم عطائی

۳۵۔ اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء، تمام جہان سے اتم واعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے۔

(خالص الاعتقاد)

تدبیر و تقدیر

۳۶۔ تلاشِ حلال و فکرِ معاش و مقاطعی اسباب ہرگز منافی توکل نہیں بلکہ عین مرضی الہٰی ہے کہ آدمی تدبیر کرے اور بھروسہ تقدیر پر رکھے۔ (التجیر بباب التدبیر)

آدابِ مسجد

۳۷۔ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کو ایسا کھاتی ہیں جیسا آگ لکڑی کو۔ مسجد میں ہنسنا قبر میں اندھیری لاتا ہے۔ (الملفوظ)

قول و فعل

۳۸۔ آدمی فقط زبان سے کلمہ پڑھنے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے مسلمان نہیں ہوتا جب کہ اس کا قول و فعل اس کے دعوے کا مُکذِّب ہو۔ (الکوکبۃ الشہابیہ)

والدین پر اولاد کے حقوق

۳۹۔ بچے کو پاک کمائی سے پاک روزی دے کہ ناپاک مال ناپاک ہی عادت لاتا ہے۔ (مشعلۃ الارشاد)

۴۰۔ بچے کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم ڈالے کہ اصل ایمان و عین ایمان ہے۔ (مشعلۃ الارشاد)

سختی و نرمی

۴۱۔ دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ (الملفوظ)

جِن

۴۲۔ جن غیب سے نرے جاہل ہیں۔ ان سے آئندہ کی بات پوچھنی عقلاً حماقت اور شرعاً حرام اور ان کی غیب دانی کا اعتقاد تو کفر ہے۔ (فتاویٰ افریقہ)

آخری بدھ

۴۳۔ آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں ہے (الملفوظ)

نسب

۴۴۔ نسب پر فخر کرنا جائز نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد ۵)

۴۵۔ شرع شریف میں شرافت قوم پر منحصر نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ تم میں زیادہ مرتبے والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ رکھتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۵)

دین فروشی

۴۶۔ کسی سچے عمل دینی کے ذریعہ سے بھی دنیا نہ مانگے کہ معاذ اللہ دین فروشی ہے۔
(احسن الدعا)

پیشہ ور واعظین

۴۷۔ آج کل نہ کم علم بلکہ نرے جاہلوں نے کچھ الٹی سیدھی اردو دیکھ بھال کر حافظہ کی قوت، دماغ کی طاقت و زبان کی طلاقت کو شکار مردم کا جال بنایا ہے . . . .

____ اول تو انہیں وعظ کہنا حرام ہے۔

____ دوسرے ان کا وعظ سننا حرام ہے

____ تیسرے وعظ و پند کو جمع مال یا رجوع خلق کا ذریعہ بنانا گمراہی، مردود و سنت نصاریٰ و یہود ہے۔ (احسن الدعا)

عورت اور زیارت قبور

۴۸۔ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز نہیں، ایسی جگہ جواز و عدم جواز نہیں پوچھتے، یہ پوچھئے کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے:۔

——— جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے۔ اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے۔

——— جب گھر سے باہر نکلتی ہے سب طرف سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں۔

——— جب قبر تک پہنچتی ہے میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے۔

——— جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم)

بناؤ سنگھار

۴۹۔ عورتوں کو اپنے شوہروں کے لئے گہنا پہننا، بناؤ سنگھار کرنا باعث اجر عظیم اور ان کے حق میں نماز نفل سے افضل ہے۔ بلکہ عورت کا باوصفِ قدرت بے زیور رہنا مکروہ ہے کہ مردوں سے تشبیہ ہے۔ (عرفان شریعت)

اجنبی عورت

۵۰۔ اجنبی آزاد عورت کی منہ کی صرف ٹکلی، جس میں کان یا گلے یا بالوں کا کوئی ذرّہ داخل نہیں اور ہتھیلیاں اور تلوے دیکھنا اگرچہ حرام نہیں کہ ترک فرض نہیں، ہاں مکروہ تحریمی ہے کہ ترک واجب ہے مگر اس کے ان مواضع کا بھی چھونا مطلقاً حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد اوّل)

۵۱۔ آزاد عورت کو حرام ہے کہ کسی نامحرم مرد کے بدن کو ہاتھ لگائے اگرچہ ہاتھ یا پاؤں کو اور مرد پر حرام ہے کہ اسے اس کی اجازت دے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اوّل)

۵۲۔ شیخ کو حرام ہے کہ اجنبی عورت کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کرلے۔

بعد وفات اولاد پر والدین کے حقوق

۵۳۔ والدین کے فوت ہو جانے کے بعد اولاد پر والدین کے کئی حقوق رہتے ہیں :۔

(۱) سب سے پہلا حق بعد موت ان کے جنازے کی تجہیز ، غسل و کفن و نماز و دفن ہے ۔ ۔ ۔ ۔

(۲) ان کے لئے دعا و استغفار ہمیشہ کرتے رہنا ۔ اس سے کبھی غفلت نہ کرنا ۔

(۳) صدقہ و خیرات و اعمال صالحات کا ثواب انہیں پہنچاتے رہنا ۔

(۴) ان پر کوئی قرض کسی کا ہو تو اس کے ادا کرنے میں حد درجہ کی جلدی و کوشش کرنا ۔

(۵) ان پر کوئی فرض رہ گیا تو بقدر قدرت اس کے ادا میں سعی بجالانا ۔

(۶) انھوں نے وصیت جائزہ و شرعیہ کی ہو ۔ حتی الامکان اس کے نفاذ میں سعی کرنا اگرچہ شرعی اپنے اوپر لازم نہ ہو ۔

(۷) ان کی قسم بعد مرگ بھی سچی رکھنا جب تک کہ کوئی حرج شرعی مانع نہ ہو اور کچھ قسم ہی پر موقوف نہیں ہر طرح امور جائزہ میں بعد مرگ بھی ان کی مرضی کا پابند رہنا ۔

(۸) ہر جمعہ کو ان کی زیارت قبر کے لئے جانا ۔ ۔ ۔ راہ میں جب بھی انکی قبر آئے بے سلام و فاتحہ نہ گزرنا ۔

(۹) ان کے رشتہ داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کئے جانا ۔

(۱۰) ان کے دوستوں سے دوستی نباہنا ۔ ہمیشہ ان کا اعزاز و اکرام رکھنا ۔

(۱۱) کبھی کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر انھیں برا نہ کہلوانا ۔

(۱۲) سب میں سخت تر و عام تر ، و مدام تر یہ حق ہے کہ کبھی کوئی گناہ کر کے انہیں قبر میں ایذا نہ پہنچانا ۔ (شرع الحقوق الطرح الحقوق و احکام شریعت)

شرح قصیدۂ رضا

مبنی بر علم ہیئت و نجوم

علامہ شمس الحسن شمس بریلوی
(سابق استاذ منظر اسلام بریلی)

وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط

اس ارشاد باری کے مثل سورۃ الاعراف، سورۃ الصّٰفٰت اور دیگر آیات قرآنی میں نجوم کا ذکر آیا ہے اور انسان ان نجوم سے جس طرح رہنمائی اور اندھیری راتوں میں سمتیں معلوم کرنے کے فائدے اٹھاتا ہے اس کو بیان فرمایا گیا ہے لیکن عہد جاہلیت میں ان ستاروں کو جس طرح تقدیر انسانی پر کارفرما سمجھا جاتا تھا اس کی سختی سے تردید بھی فرمائی گئی ہے۔ عہد جاہلیت میں بت پرستی کے ساتھ ساتھ ستارہ پرستی کا بھی خوب شیوع تھا۔ صابئی مذہب اسی ضلالت اور گمراہی کا نام تھا۔

دوسری صدی ہجری میں عباسیوں کے زمانے میں فلسفہ و منطق کی طرح علم نجوم پر بھی جو یونانی کتابیں موجود تھیں وہ ترجمہ کرائی گئیں۔ برامکہ کی سرپرستی میں نجوم و فلکیات کے علوم کو پروان چڑھنے کا خوب موقع ملا۔ ان کی سرپرستی میں صرف یونانی فلکیات پر مشتمل کتابوں کے تراجم نہیں ہوئے بلکہ ہندوستان سے سنسکرت زبان کے زباندانوں کو گرانقدر عطیات سے نوازا گیا اور ان کی بغداد کے بیت الحکمائیں خوب پذیرائی ہوئی۔ سدھانت کا ترجمہ اسی کرم نوازی کا نتیجہ ہے۔ مختصر یہ کہ عباسی سلطنت کے دور میں اس علم کو پروان چڑھنے کا خوب موقع ملا۔ ایران میں بھی نجوم و فلکیات سے بڑا شغف تھا۔ چنانچہ ایرانیوں نے بھی اس علم کی خوب سرپرستی

کی جس کی نشانی عید نوروز کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔

یوپ تو قرنوں سے اس علم میں داد تحقیق دے رہا ہے۔ مسلمانوں نے یورپ کی تحقیقات سے بھی پورا پورا علم کی حد تک فائدہ اٹھایا اور آج تک علم توقیت میں المینک کو بڑا عمل دخل حاصل ہے۔ نجوم کے ساتھ ساتھ علم فلکیات و علم ہیت کو بھی فروغ حاصل ہوتا رہا۔ چنانچہ عصر حاضر نے فلکیات و علم ہیت کے بہت سے قدیم نظریات کو باطل قرار دے دیا۔ فلاسفۂ اسلام جو فلک میں خرق و الیتام کے قائل نہ تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج جسمانی پر اسی نظریہ کی بدولت استحالہ پیش کرتے تھے اور حد یہ کہ معراج جسمانی سے انکار کر دیا کہ فلک میں خرق والیتام محال ہے۔ افسوس کہ یہ منکرین معراج جسمانی اگر آج ہوتے تو فلک کا یہ خرق و الیتام کے پورے نظریہ کی دھجیاں بکھرتے اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور امریکی خلا نورد کو چاند کی سطح پر اترتے دیکھ کر شرم سے اپنا منہ چھپا لیتے، آج امریکہ اور روس نے زہرہ اور مریخ تک اپنے سیاروں کو پہنچایا ہے یہ خرق و الیتام کا دعویٰ کرنے والے اگر آج ہوتے تو اس کا کیا جواب دیتے! افسوس انھوں نے یہ نہیں سمجھا اور نہیں جانا کہ

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

(علامہ اقبال)

واضح ہو کہ علم ہیئت یعنی فلکیات فلسفہ نظری ہی کا ایک شعبہ ہے جو علم جوّیات کی ایک فرع ہے جس نے آج سے قرنوں پہلے ترقی کرتے کرتے ایک مستقل علم یا فن کی شکل اختیار کرلی ہے جوّیات میں اس سے دلچسپی کی بدولت دو علوم خوب پروان چڑھے ایک علم ہیئت اور دوسرا علم نجوم، علم ہیئت میں افلاک، ان کی بناوٹ، ان کی وضع، محل وقوع کونی ان کا دَور اور ان کی گردش سے بحث کی جاتی ہے اور علم نجوم میں سیاروں، ستاروں، بروج منطقۃ البروج، سیاروں کے سعد و نحس، محل سعادت اور محل نحس کے مسائل زیر بحث آتے ہیں، سیاروں کی چال۔ ان کی نظر تدیسی اور تثلیثی پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ساکنان خطہ ارض پر حسب علم نجوم کی رفتار سے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان پر بحث کی جاتی ہے۔ نجوم کی رفتار سے قسمت کا حال بتانا، یہ صرف کم عقلوں کو فریب میں مبتلا کرنے کے داؤں ہیں ورنہ

ستارہ کیا تجھے تقدیر کی خبر دے گا — وہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خوار و زبوں

(علامہ اقبال)

افسوس کہ پریشان حال سادہ لوح مسلمان آج بھی اس فریب کا شکار ہیں۔ وہ تو طوطے کے لفافے سے بھی تقدیر کا حال جان کر اس پر یقین کر لیتے ہیں۔

شاعری کو مختلف علوم و فنون عوام تک پہنچانے میں ایک مؤثر اور فعال ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ شعرائے عصر جاہلیت کے بعد عربی زبان کے دوسرے شعراء کے یہاں ہیئت و نجوم کے مضامین کم ہیں جو اسلامی تعلیمات کا اثر آفرینی کا نتیجہ تھا لیکن فارسی شعراء کے یہاں یہ ذخیرہ بہت وافر ہے۔ فارسی ہی سے تقلیداً یہ مضامین اور موضوعات اردو کو ورثے میں ملے۔ سہیل یمانی سے متعلق مشہور روایت یہ چلی آرہی تھی کہ یہ ستارہ ملک یمن میں طلوع ہوتا ہے۔ جن راتوں میں یہ طلوع ہوتا ہے ان راتوں میں اہالیانِ یمن اونٹ اور بکری کی غیر بدبودار کھالوں کو جنگل میں کھلے آسمان کے نیچے ڈال دیتے ہیں۔ اس ستارے کی تاثیر سے بعض کھالیں خوشبودار ہو جاتی ہیں اور بعض اسی طرح ادھوڑی رہتی ہیں۔ شیخ سعدی جیسے بزرگ شاعر کو بھی اس روایت کا سہارا لینا پڑا اور انھوں نے کہا کہ

برہمہ جائے ہمیں تابد سہیل جائے انباں می کند جائے آدیم

انباں اسی خوشبودار کھال کو کہتے ہیں جس کی بڑی قیمت ملتی تھی۔ فارسی شعراء کی مثنویاں اور قصائد علم نجوم کی مصطلحات سے بھرپور ہیں۔ ان کے ذریعہ فلکیات اور نجوم کی خوب خوب تشہیر ہوئی۔ قصائد میں انوری، سلمان، ساوجی اور ظہیر فاریابی اور خاقانی شروانی اور بدر چاچی متقدمین شعراء نے فلکیات کے مضامین اور انسان پر ان کے اثرات کو بڑے یقینی رنگ میں پیش کیا۔ ان شعراء نے علم ہیئت کی مصطلحات کو اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔

فلکیات اور علم ہیئت میں ہمارے علماء نے جب قلم اٹھایا تو اس موضوع پر بھی انھوں نے دنیائے علم و فن کو حیرت میں ڈال دیا۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ان علوم نے ایران میں بڑا فروغ پایا۔ ایران میں علم ہیئت پر بہت کام ہوا۔ مراغہ کی رصدگاہ، زیچ عمر خیام اور زیچ ملک شاہی آج تک ان کی یادگار ہیں۔ ان رصدگاہوں اور ان ماہرین فن کی مرتب کردہ زیچوں نے دانایانِ فرنگ کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔ صد سالہ زیچ بھی مسلمانوں نے تیار کی۔ علم ہیئت پر انھوں نے اپنی تحقیق کی

جو یادگاریں چھوڑی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ علم ہئیت پر المختصر فی الہیۃ البسیطہ یعنی چغمینی نے دنیا سے خراج تحسین وصول کیا۔ اور اس کی شرح المشہور یہ شرح چغمینی اس موضوع پر بے مثال کتاب قرار پائی۔ مدارس اسلامیہ میں پہلے کبھی اس کتاب کا بھی درس دیا جاتا تھا۔ اب تو لوگ اس کا نام بھی بھول گئے ۔ الغرض مسلمانوں نے اس موضوع پر بھی داد تحقیق دی اور اپنی فکر کے شاہکار یادگار چھوڑ گئے ۔ فارسی شعراء نے ان علمائے ہئیت کی بیان کردہ مصطلحات کو اپنی شاعری میں اپنایا بعض نے کم اور بعض نے زیادہ!

بدر چاچی فارسی کا مشہور شاعر ہے جس نے محمد تغلق کی مدح میں جو قصیدے لکھے ہیں ان میں اس کثرت سے ان مصطلحات کو پیش کیا کہ آج ان قصائد سے چند اشعار بھی زبان زد عوام تو کیا خواص بھی نہیں ہیں ۔ بدر چاچی کی پیش کردہ مصطلحات کو اس وقت سمجھا جا سکتا ہے جب علم ہئیت اور علم الافلاک سے واقفیت ہو۔ اردو کے متقدمین اور متوسطین شعراء نے علم ہئیت کی مصطلحات کو بہت کم رقم کیا ہے البتہ فلک کج رفتار کا شکوہ طرح طرح سے کیا ہے ۔ سودا ۔ غالب ۔ مومن اور ذوق کے یہاں فلکیات کی کچھ اصطلاحیں ضرور بیان ہوئی ہیں۔ لیکن محض تقلیداً اور رسماً۔ مثلاً غالب کہتے ہیں :۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ — دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

ذوق بہادر شاہ ظفر کی مدح کے قصیدے کی تشبیب میں کہتے ہیں

حمل سے حوت تلک جا بجا ہیں تصویریں — بنا ہے عالم بالا بھی عالم تصویر

البتہ مومن خان کے یہاں یہ مصطلحات بطور فن استعمال ہوئی ہیں کہ مومن خان علم نجوم پر کافی دسترس رکھتے تھے !! ان شعراء کی بدولت اور ہندو معاشرے کے اثر سے نجوم پرستی تو نہیں۔ نجوم کے اثرات کو یقین کے درجہ تک مان لیا گیا ۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کو جہاں درس خودی دیا۔ انھوں نے اس ستارہ پرستی پر بھی زجر کی ۔

ستارہ کیا تجھے تقدیر کی خبر دے گا — کہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خوار و زبوں

(اقبال)

اگرچہ اسلامی تعلیمات اور اصلاحی تعلیمات کے نتیجے میں مسلمان عموماً اس "طلسم نیرنجات" سے قدرے الگ تھلگ رہے لیکن عوام اس سے دامن نہ بچا سکے ۔ وہ غالب جیسے بالغ نگاہ کا یہ شعر پڑھتے ہیں ۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان — ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

تو گردش فلک کے نتائج انسانی حالات پر ان کے لئے ایک قابل قبول نظریہ بن جاتا اور انشاء کی طرح وہ بھی یہ کہنے لگتے ۔

بھلا گردشِ فلک کی چین دیتی ہے کسے انشاؔ غنیمت ہے جو ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

میں اس قبیل کے مزید اشعار پیش کر کے کلام کو طول دینا نہیں چاہتا۔ عرض کرنا یہ ہے کہ اصحاب فضل و کمال نے اس علم کو بھی ایک علم ہی کی حیثیت سے اپنایا اور ایک علم ہی کی طرح اپنی افکار کی عقدہ کشائی سے اس علم کے وقائق کو وا انکشاف کیا اور شرح بنایا۔

چودہویں صدی ہجری کے نابغۂ اعظم فقیہ بے عدیل حضرت مولانا احمد رضا خان قدس اللہ سرہٗ کو علم ہیئت، رمل اور جفر پر جو عبور حاصل تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ علم نجوم، علم ہیئت کے مبادیات ہی تو ہیں۔ آپ کو علم ہیئت پر جو کامل دسترس حاصل تھی اس کے باعث علم نجوم خود بخود آپ کی قلمروئے افکار میں داخل تھا۔ علم ہیئت، علم ریاضی پر کمال دسترس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ اس علم کے نکات کی عقدہ کشائی ہو سکتی ہے اور نہ ہی نتائج اخذ ہو سکتے ہیں۔ جب تک علم ریاضی پر عبور حاصل نہ ہو اور ان علوم کی مصطلحات پر پوری پوری دسترس نہ ہو۔ علم ہیئت کی مبادیات کو سمجھنا ہی دشوار ہے۔ اس میں ملکہ اور کمال حاصل کرنا تو دور کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج فارسی اور اردو کے اشعار کا سرسری مطالعہ ہی ذہن اور فکر پر بار ہوتا ہے جن میں یہ اصطلاحات صرف کی گئی ہیں۔ آج تو سوداؔ کا یہ شعر بھی ایک معمہ سے کم نہیں۔

اٹھ گیا بہمن دے کا چمنستاں سے عمل تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

ان علوم مذکورہ سے آج بیگانگی کا یہ عالم ہے کہ سوداؔ، مومنؔ اور ذوقؔ کے ایسے قصیدے جن میں یہ اصطلاحات موجود ہیں ہماری نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رکھتے اور پسندیدگی کا شرف ان کو حاصل نہیں ہوتا۔

انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے وسط تک ان اشعار کا غلغلہ بلند تھا اور ان کو کمال علمی سمجھا جاتا تھا۔ اسکو خود میری نادانی کہیے یا جہل مرکب! ایک نعتیہ غزل میں بیساختہ یہ شعر نوک قلم پر آگیا۔

سفر رسول کی رفعتیں یہ نزاکتیں یہ لطافتیں ہوئی مس نپائے رسول سے یہ کہکشاں بھی تو دھول ہے

ایک ادبی نشست میں یہ شعر پڑھا تو سامعین میرے جہل کے آئینے میں حیرت سے اپنی صورتیں دیکھتے رہے۔ خود مجھے بھی یہ احساس ہوا کہ میں نے کہکشاں کی حقیقت کیوں بیان کر دی کہ عام طور پر کہکشاں کو "جادۂ فلک" انگریزی میں "ملکی وے" کہتے ہیں۔ مصطفیٰ زیدی کا شعر ہے جس پر ان کو خوب داد ملی تھی۔

ان ہی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ ۔۔۔ میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

لوگ اس کہکشاں سے بہت محظوظ ہوتے ہیں جب کہ کہکشاں علم ہئیت میں ضباتہ النجوم، فارسی میں "غبار کوکبی" ہے جس کے معنی ہیں ستاروں کی دھول۔ آج جدید علم فلکیات میں کہکشاں یعنی؛ Milky Way کا جب مشاہدہ کیا گیا تو یہ غبار کوکبی ہے یوں جدید تحقیق کی بنیاد پر ہر ایک سیارہ متعدد کہکشاں پر مشتمل ہے۔

بہر حال عرض یہ کرنا تھا کہ یہ علوم اب زینت طاق نسیاں بن گئے ہیں اور ان علوم پر ہمارے اسلاف کا جو گرانقدر ذخیرہ ہے وہ الماریوں کی زینت ہے۔ ایسے دور میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی کاوش اور فکر کے وہ شعری نمونے جن کو حدائق بخشش حصہ سوم میں شامل اور منضبط کیا گیا ہے عام طور پر قاری ان سے صرف نظر کرتا ہے۔ میں یہاں بطور نمونہ اس نعتیہ قصیدے کے چند اشعار پیش کرتا ہوں جو علم نجوم اور علم ہئیت کی اصطلحات سے معمور ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے امام احمد رضا نے بدر چاچی کے ان قصائد سے متاثر ہو کر یہ قصیدہ لکھا ہے جو اس نے محمد تغلق کی مدح میں لکھے ہیں اور مدت گزری کو مطبع نولکشور سے وہ شائع ہوئے تھے۔ اس ہیچمرز و ہیچدان نے بھی ان کا مطالعہ کیا ہے لیکن نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان مصطلحات کا بیان کرنا کمال ہے جب کہ عام مدح میں ان کو سلیقے سے استعمال کرنا مشکل ہے، یہ تمام اشعار محاسن شعری سے آراستہ پیراستہ ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ان محاسن شعری کو بیان نہیں کروں گا۔ اب آپ اس قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

طرفہ کھلے چار باغ ایک نمونے کے تین ۔۔۔ تینوں میں چار آخشیج، چاروں کی تازہ پھبین

تختۂ نسرین میں ہے گیندے کا صرف ایک پھول ۔۔۔ ایک گل نیلوفر، چار گل نارد ن

نار دن نار دش ناظم بالا حصار ۔۔۔ سرور اقلیم ترک افسر لشکر، شکن

ثور سے عذرا میں جب شمس نے تحویل کی ۔۔۔ دلو سے نکلے نجوم، چاند کا چھوٹا گہن

یہ قصیدۂ نعتیہ در مصطلحات علم ہیئت و نجوم ۱۵۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب ان مصطلحات کے باعث بہت عسیر الفہم ہے۔ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان مصطلحات کو پیش کرنا ایک بہت ہی مشکل مرحلہ ہے لیکن نابغہ دوراں نے یہ التزام ختم قصیدہ تک باقی رکھا ہے لیکن تشبیب اور گریز کے اشعار میں یہ مصطلحات زیادہ ہیں اور اپنے تبحر علمی سے اس میدان میں بھی وہ گویا سبقت لے گئے ہیں۔

معارف رضا ۱۴۰۸ھ کی تالیف و ترتیب کا کام اراکین ادارہ تحقیقات امام احمد رضا پورے انہماک سے سرانجام دے رہے ہیں۔ مجھ سے بھی اس کا اصرار تھا کہ حسب سابق کسی اچھوتے موضوع پر امام احمد رضا کی کاوش فکر کو پیش کروں۔ میں نے بھی سمجھا کہ اس قصیدے کی تشبیب کے اشعار کی تصریح و تشریح آپ کے سامنے پیش کروں تاکہ اس مخصوص فن میں امام احمد رضا نے جو کمال دکھایا ہے اس کا اندازہ آپ کو ہو سکے اور ایک ایسے موضوع سے آپ کو روشناس کراؤں جو آپ کی شاعری کے تحت اب تک نظروں سے اوجھل تھا۔ خود میں نے جب کلام رضا کا تحقیقی جائزہ پیش کیا تو اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا تھا کہ حدائق بخشش حصہ اوّل و دوم میں اس قبیل کے اشعار بہت کم تھے۔ دوسرے یہ امر بھی مانع ہوا کہ جائزہ کی ضخامت بہت بڑھ چکی تھی اور میں اس موضوع پر کچھ نہ لکھ سکا۔ اگرچہ اس قصیدے کی تشبیب کی تشریح اس موضوع پر کافی و دوافی نہیں ہوگی کہ معارف رضا کے صفحات بھی محدود ہیں دوسرے میں کئی ماہ سے علیل ہوں اس لئے ان چند اشعار کی شرح ہی پر اکتفا کرتا ہوں ممکن ہے کہ آئندہ ایسا موقع میسّر آجائے کہ حصہ سوم کے تمام مشکل اشعار کو اپنے ذہن کی رسائی کی حد تک حل کر سکوں اور آپ کے ذوق مطالعہ کے لئے کچھ سامان مہیا ہو جائے۔

جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں۔ یونانیوں نے علم ہیئت پر خاص توجہ دی۔ بلکہ ان کے مذہب پر بھی اس علم کے اثرات مرتب ہوئے۔ یونانی علم الاصنام میں یہ علم بڑا دخیل رہا ہے۔ جب اس موضوع پر یونانی افکار عربی میں ترجموں کی شکل میں مسلمانوں کے سامنے آئے تو انھوں نے ان خیالات و افکار کو بس اسی حد تک قبول کر لیا کہ اسلامی نظریات پر اس سے کوئی ضرب پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ میں قرون اولیٰ کی بات کر رہا ہوں۔ آجکل طوطے کے

لفافوں سے فال اور قسمت کا حال معلوم کرنے کی بابت نہیں کہہ رہا ہوں۔

قرآن حکیم کی سورۂ البروج کی اس آیت وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ اور قسم اس آسمان کی جس میں برج ہیں۔ کنزالایمان کے حضرت محشی اور تعلیقات نگار، صدرالافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی مرحوم و مغفور اس آیت کے حاشیہ میں رقمطراز ہیں کہ جن کی تعداد بارہ ہے اور اس میں عجائب حکمت نمودار ہیں۔ آفتاب اور مہتاب اور کواکب کی متعین اندازے پر سے جس میں اختلاف نہیں ہوتا۔

ذیل میں منطقۃ البروج، بروج کے نام، فلک الافلاک اور دیگر افلاک کے ان ادوار کو پیش کر تا رہا ہوں تاکہ امام احمد رضا کے اشعار کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

سیارہ فلک زہرہ کے لئے فضا میں چھوڑا گیا ہے جو اب تک کروڑوں میل کا فاصلہ طے کر چکا ہے اور اپنے اس سفر میں اس کو کئی اور سال صرف کرنا ہوں گے۔ سیارہ زہرہ فلک زہرہ سے زمین کے اعتبار سے سب سے بعید ترین سیارہ ہے۔

فلک نہم کو اگر پہلا فلک قرار دیکر شمار کریں
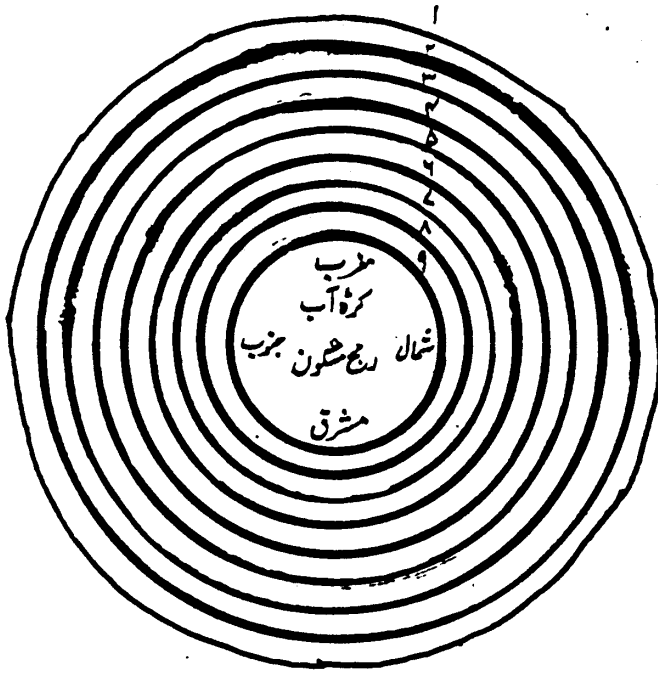
۹ - ۱	۹ - ۱
۸ - ۲	۸ - ۲
۷ - ۳	۷ - ۳
۶ - ۴	۶ - ۴
۵ - ۵	۵ - ۵
۴ - ۶	۴ - ۶
۳ - ۷	۳ - ۷
۲ - ۸	۲ - ۸
۱ - ۹	۱ - ۹

اگر زمین سے اگر شمار کریں
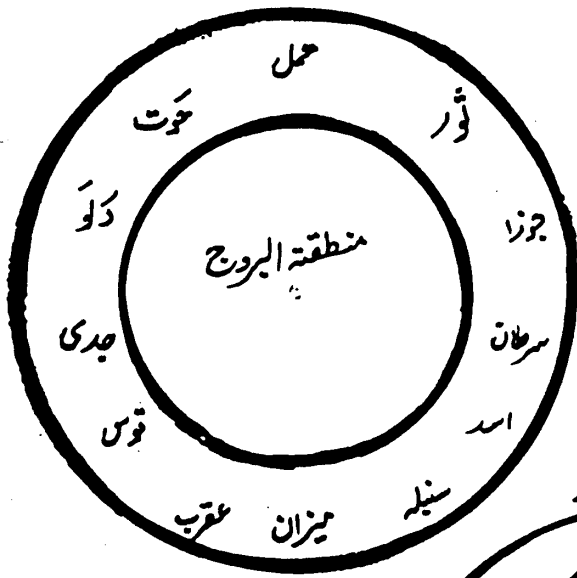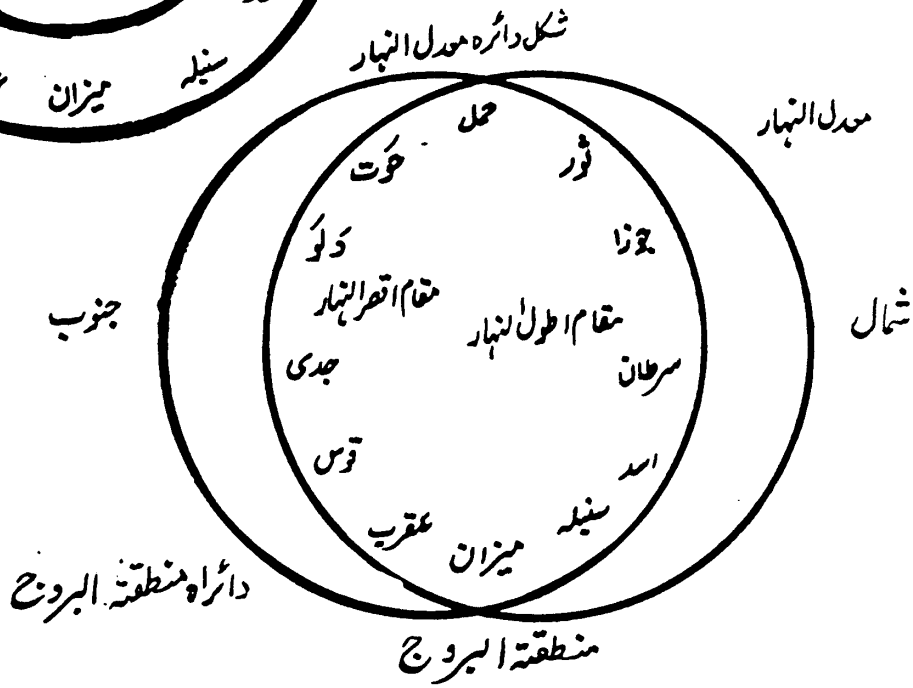
ان بروج کے ناموں کی مناسبت سے علمائے ہیئت و نجوم محض خیال کی بناء پر ایک برج کی ایک شکل قیاس کر لی ہے مثلاً برج ثور کی مناسبت سے اس کی شکل ایک نر گاؤ کی بنا لی ہے۔ میزان کے معنی ترازو کے ہیں۔ لہٰذا برج میزان کو بشکل ترازو، قوس کمان کو کہتے ہیں پس اس برج کی شکل ایک ایسے شخص کی ہے جو ہاتھ میں کمان لئے ہوئے ہے۔ اسی قیاس کی بناء پر باقی بروج کی شکلیں ہیں۔ ان تمام بروج میں سے ہر ایک برج کسی سیارے کے لئے خانہ سعد ہے اور یہی کسی سیارے کے خانہ وبال یا محل نحوست (نحس) ہے۔ یہ دائرہ ایک منطقہ یعنی میان بند یا کمر کے پٹکے کی طرح اور ہفت افلاک کے خول میں واقع ہے۔ منطقۃ البروج کا یہ دائرہ، دائرہ معدل النہار کو قطع کرتا ہے جیسا کہ دائرہ نمبر ۲ میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ پس شمس جب دونوں نقطوں میں سے کسی نقطہ تقاطع پر پہنچتا ہے تو زمین پر رات دان برابر ہوتے ہیں۔

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری میں بروج کا کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

بر میزان میں چھپا ہو تو حمل میں چھ کے
ڈالے ایک بوند شب دے یہ جو باران عرب

علم ہئیت یا علم الافلاک میں آسمان کی تعداد ۹ رہے (نو افلاک) عام طور پر زباں زد عام ہفت افلاک ہیں جیسا کہ غالب کے پیش کردہ شعر میں سات آسمان موجود ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ افلاک نو ہیں۔ مشہور فارسی شاعر ظہیر فاریابی اپنے ممدوح قزل ارسلان کی تعریف میں کہتا ہے۔

نہ کرسئی افلاک ہند اندیشہ زیر پائے
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

ان کی ہئیت وقوع کو سمجھنے کے لئے آپ پیاز کی ایک گانٹھ لے کر اس کی عرضی تراش کیجئے۔ پھر اس نصف حصے کو الٹا کر کے دیکھئے۔ پیاز کے پرت آپ کو تہہ بہ تہہ نظر آئیں گے۔ بالکل یہی صورت ان افلاک کی ہے کہ ایک کی سطح بالائی دوسرے فلک کی سطح اندرونی کی تہہ کے نیچے واقع ہے۔ فلک الافلاک سے مراد فلک نہم ہے جو تمام آسمانوں پر محیط ہے۔ لسان شرع میں اس کو عرش کہتے ہیں۔

فلک ہشتم فلک ثوابت ہے
فلک چہارم فلک شمس ہے

فلک ہفتم فلک زحل ہے
فلک سوم فلک زہرہ ہے

فلک ششم فلک مشتری ہے
فلک دوم فلک عطارد ہے

فلک پنجم فلک مریخ ہے
فلک اوّل فلک قمر ہے

پس یہ دائرہ الافلاک، فلک قمر پر منتہی ہو جاتا ہے۔ فلک قمر تمام کرۂ زمین کو محیط ہے۔ فلک قمر کے جوف میں کرۂ نار ہے اور کرۂ نار کے جوف میں کرۂ باد ہے اور کرۂ باد کے جوف میں کرۂ آب ہے اور اس کرۂ آب میں کرہ خاک ہے۔ کرہ آب تمامی کرہ خاک کو محیط ہے۔

قدیم ماہرین افلاک نے اس دور کی مسافت کو بھی واضح کیا ہے لیکن موجودہ عالم ارضیات میں اور قدیم متعین کردہ ساخت میں بہت فرق ہے۔ فلک ثوابت پر جب عظیم عدسوں والی دوربینوں سے رصدگاہوں میں معائنہ کیا گیا تو ان کے طبعی محل وقوع سے ایسا معلوم ہوا کہ وہ جانوروں، پرندوں اور ان کے اجتماع کی تصویریں ہیں۔ پس برج کے ناموں سے ملتی جلتی تصویروں کے مانند ان کواکب

اور ان کے اجتماع کی تصویریں بھی خیالی اور ذہنی طور پر نسر طائر متعین کر لی گئیں۔ مثلاً نبات النعش

تھیں نبات النعش گردوں دن کے پردے میں نہاں   شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

(غالبؔ)

دب اصغر، دب اکبر، سماک رامح، سماک اعزل، نسر طائر، جادۂ فلک (کہکشاں) یہ ضیاتہ النجوم ہے۔ اہل فارس اس کو غبار کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح سبعہ سیاروں کے مخصوص نام ہیں اہل فارس نے ان کے نام بطور علم بھی استعمال کئے ہیں اور صفات سے متصف کر کے ان کے صفاتی نام بھی رکھ لئے ہیں۔ ذیل میں اس صراحت ملاحظہ کیجئے۔

عربی نام	فارسی نام سبعہ سیارگان	فارسی میں صفاتی
شمس	مہر	رنگریز فلک، طبّاخِ فلک
قمر	ماہ	تمام فلک
مریخ	بہرام	جلاّد فلک
زحل	کیوان	نحس فلک
عطارد	تیر	دبیر فلک
زہرہ	برجیس	رقاصۂ فلک
مشتری	ناہید	قاضی فلک

بحیثیت مجموعی ان سبعہ سیارگان کو آبائے علوی بھی کہا جاتا ہے۔ جب کہ اربعہ عناصر (آخشیجان) امّہات ہیں۔ ابائے علوی کی اثر آفرینی اور امّہات کی اثر پذیری سے دنیا کی یہ رنگا رنگی ہے لیکن ان کی رفتار ان کی اثر آفرینی اور عناصر اربعہ کی اثر پذیری۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ؕ

اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لئے یہ حکم ہے زبردست علم والے کا (سورۂ یٰسین آیت ۳۸)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ○

(آیت ۳۹)

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ٥ (سورہ یٰسین آیت ۴۰)

اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ پھر ہوگیا جیسے کھجور کی پرانی ڈالی۔ سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑلے اور نہ رات دن پر سبقت لیجائے اور ہر ایک گھیرے میں پھر رہا ہے۔

یہ چند مبادیات میں نے اس لئے پیش کر دیئے کہ قارئین کو ان اشعار کے مطالب کے سمجھنے میں آسانی ہو جو مصطلحات علم ہیئت و نجوم سے معمور اس قصیدے میں امام احمد رضا کی فکر رسا اور طبع وقاد نے پیش کی ہیں وہ تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں۔

امام احمد رضا کی تصانیف کی صرف فہرست پیش کر دینے سے وہ حق ادا نہیں ہوتا جو ہمارے ذمے ہے اور نہ وہ ہمارے لئے موجب فخر و مباہات بن سکتا ہے۔ میں اس سلسلے میں ہمیشہ اس امر کا کوشاں رہا ہوں کہ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فضل و کمال کو ان کی تحریروں سے اور فکر کے نتائج سے مزین کروں۔ محض تصانیف کی گنتی گن دینے سے کیا حاصل۔ اسی نصب العین کے تحت گزشتہ سال امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری پر ایک کتاب پیش کر چکا ہوں۔ کوئی میری اس کاوش کو سراہے یا نہ سراہے مجھے اس کی فکر نہیں۔

گزشتہ سال اس نعتیہ قصیدہ کے دس اشعار کی شرح پیش کر چکا ہوں (معارف رضا ۱۹۸۷ء) کیلئے گیارہویں شعر سے ہر شعر کی شرح نگارش پر قلم اٹھایا ہے اور مدح حاضر تک اشعار کے مطالب و مفاہیم کو پیش کیا ہے۔ ابھی ۸۸ اشعار باقی ہیں۔ آیئے اب آپ کے سامنے وہ بلند پایہ اشعار پیش کروں جو نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کہے گئے ہیں اور مصطلحات علم نجوم و علم ہیئت کو کمال چابکدستی اور فکر رسا سے اُن کو ان اشعار میں پیش کیا ہے۔

6 وسط گلستان بہار نہر کے ہر سمت دوب ۔۔۔ دوب میں بوٹے ہزار بوٹوں میں دُرِ عدنی

منطقہ (منطقہ معدل النہار) کے وسط میں ایک نہر جاری ہے۔ یہ نہر وہ خط ہے جو منطقہ کو درمیان سے قطع کرتا ہے۔ اس نہر کے دونوں طرف ستاروں کی دوب (روپہلی گھاس)

اپنی بہار دکھا رہی ہے۔ اس دوب میں (سبز آسمان) ہزاروں بوٹے نمودار ہیں۔ یہ ستارے ہیں اور ہر بوٹے میں دُرِ عدن کی سی آب وتاب ہے

سیر کے قابل بہار کرتے ہیں چہلیں نگار   دخترکِ مہ عذار پسر سیم تن

دخترکِ مہ عذار سیارہ زہرہ ہے جو رقاصہ فلک ہے اور دو پسر سیم تن برج جوزا ہے جس کی شکل دو جڑواں بچوں کی ہے۔

اس وقت فلک کی بہار چونکہ سیر کے قابل ہے اس لئے نگاران فلک (سیارگان) اس باغ فلک میں ناز و انداز کے ساتھ خراماں ہیں اور شوخیِ رفتار دکھا رہے ہیں۔ اس دخترک مہ عذار (سیارہ زہرہ) کو دیکھو کہ دو پسران سیم تن (برج جوزا) کے ساتھ چہلیں کر رہی ہے۔ (زہرہ برج جوزا میں داخل ہوگیا ہے)

سبزہ و گل دلنشیں محوِ تماشا حسین   بانوئے اقلیم چین دلبر بابل وطن

بانوئے اقلیم چین :۔ سیارہ مشتری ہے اور دلبر بابل وطن سیارہ زہرہ ہے۔ اس شعر میں مناسبت لفظی کے ساتھ ہی ساتھ ایک تلمیح بھی ہے جس کی طرف قرآن پاک میں اشارہ ہے۔

وَمَآ اُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط (البقرہ ۱۰۲)

اسرائیلیات میں ان دو فرشتوں کے بارے میں یہ حکایت ہے کہ یہ دونوں فرشتے ایک خوب صورت عورت پر فریفتہ ہو گئے تھے جو زہرہ نامی تھی اس کی پاداش میں ان کو بابل کے ایک کنویں میں محبوس کر دیا گیا جہاں یہ گم کردہ راہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے لیکن قرآن حکیم نے اس کی تصدیق نہیں فرمائی (سورہ بقرہ آیت ۱۰۲ دیکھئے)

مطلب :۔ سبزۂ فلک اور یہ حسین ستارے دید کے قابل ہیں۔ چنانچہ خوبرو اور حسین ہستیاں اس کی سیر میں مصروف ہیں۔ ایک طرف بانوئے اقلیم چین (مشتری) اس چمن کی سیر میں مشغول ہے تو دوسری طرف بابل میں رہنے والی حسینہ زہرہ محو تماشا ہے یعنی تمام سیارے جن میں زہرہ و مشتری بھی شامل ہیں سیر میں مشغول ہیں۔ منطقۃ البروج کی بہار دیدنی اور سیر کے قابل ہے۔

اف رے ستم شیشہ باز قطرہ چھلکتا نہیں   سر پہ لئے شیشیاں رقص میں ہے قطرہ زن

حل لغات :۔ شیشہ باز، نٹ، مداری، شعبدہ باز :۔ شیشیاں :۔ ستارے ہیں

مطلب :۔ غضب تو دیکھو یہ شیشہ باز یعنی شعبدہ گر آسمان رقص میں مصروف ہے اور سر پر بے شمار شیشیاں رکھے ہوئے ہے لیکن کمال یہ ہے کہ ان شیشیوں سے جن میں پانی بھرا ہے ایک بوند نہیں ٹپکتی۔

قارئین! آج بھی سندھ کے دیہات اور شہروں میں سر پر ایک بانس اور اس کی نوک پر ایک، دو، تین مٹکیاں رکھ کر نٹ بازی کرنے والے اس طرح رقص کرتے ہیں کہ ان کی مٹکیاں قائم رہتی ہیں۔ یہ توازن کی خوبی ہے۔ ایسا توازن قائم رکھتے ہیں کہ مٹکیوں یا گھڑوں کو جنبش نہیں ہوتی اور برابر رقص کرتے رہتے ہیں۔

قصر پری تک گیا مشک جواہر نما | حسن پری نے کیا مشک کو کافور دن

حل لغات :۔ قصر پری، فلک زہرہ ہے ۔ مشک جواہر نما، تاریکی شب یا سایہ شب مشک ہے وجہ جامع سیاہی سے۔ مشک کی صفت جواہر نما۔ اس لئے کہ اس تاریکی شب میں ستارے چمک رہے ہیں جو جواہر کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ حسن پری، فلک زہرہ کی تابش دتابا ہے جس نے اس مشک کو یعنی اس سیاہی شب کو کافوردن یعنی مثلِ کافور سفید کر دیا ہے۔

مطلب، رات کی تاریکی جو اپنے ستاروں کی چمک دمک سے جواہر نما مشک معلوم ہو رہی تھی بڑھتے بڑھتے فلک زہرہ تک جا پہنچی لیکن تابش زہرہ نے اس سیاہی کو کافور کی طرح کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ سیاہیٔ شب ختم ہوئی اور صبح جو کافور کی طرح ہے نمودار ہو گئی۔

اہرمن ہفت سر، سایہ پری پر کئے | قاف سے تا قاف سب حوروشیں خندہ زن

حل لغات :۔ اہرمن ہفت سر، یہ سات طبق والا آسمان ہے ۔ فلک زہرہ ہے، تا سے تا قاف، ایک افق سے دوسرے افق تک۔ حوروشیں، جمع حوروش یعنی کوکب۔

یہ فلک الافلاک فلک زہرہ پر سایہ کئے ہوئے ہے اس کو اپنے سایہ میں لے لیا ہے یعنی اپنی میں۔ یہ رنگ اور یہ کیفیت دیکھ کر فلک ستارگاں کے تمام ستارے ایک افق سے دوسرے تک کھلکھلا کر ہنس رہے ہیں یعنی اس سایہ میں جس سے مراد شب کی سیاہی ہے۔ تمام ستا چمک رہے ہیں۔

حل لغات :۔ شیشہ باز، نٹ، مداری، شعبدہ باز :۔ شیشیاں :۔ ستارے ہیں

مطلب :۔ غضب تو دیکھو یہ شیشہ باز یعنی شعبدہ گر آسمان رقص میں مصروف ہے اور سر پر بشمار شیشیاں رکھے ہوئے ہے لیکن کمال یہ ہے کہ ان شیشیوں سے جن میں پانی بھرا ہے ایک بوند نہیں ٹپکتی۔

قارئین ! آج بھی سندھ کے دیہات اور شہروں میں سر پر ایک بانس اور اس کی نوک پر ایک، دو، تین مٹکیاں رکھ کر نٹ بازی کرنے والے اس طرح رقص کرتے ہیں کہ ان کی مٹکیاں قائم رہتی ہیں۔ یہ توازن کی خوبی ہے۔ ایسا توازن قائم رکھتے ہیں کہ مٹکیوں یا گھڑوں کو جنبش نہیں ہوتی اور برابر رقص کرتے رہتے ہیں۔

قصر پری تک گیا مشک جواہر نما　　　　حسن پری نے کیا مشک کو کافور دَن

حل لغات :۔ قصر پری، فلک زہرہ ہے ۔ مشک جواہر نما، تاریکی شب یا سایہ شب مشک ہے وجہ جامع سیاہی ہے۔ مشک کی صفت جواہر نما۔ اس لئے کہ اس تاریکئ شب میں ستارے چمک رہے ہیں جو جواہر کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ حسن پری، فلک زہرہ کی تابش و تابانی ہے جس نے اس مشک کو یعنی اس سیاہی شب کو کافور دَن یعنی مثلِ کافور سفید کر دیا ہے۔

مطلب، رات کی تاریکی جو اپنے ستاروں کی چمک دمک سے جواہر نما مشک معلوم ہو رہی تھی بڑھتے بڑھتے فلک زہرہ تک جا پہنچی لیکن تابش زہرہ نے اس سیاہی کو کافور کی طرح سفید کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ سیاہئ شب ختم ہوئی اور صبح جو کافور کی طرح ہے نمودار ہو گئی۔

۶　اہرمن ہفت سر، سایہ پری پر کئے　　　　قاف سے تا قاف سب حور وشیں خندہ زن

حل لغات :۔ اہرمن ہفت سر، یہ سات طبق والا آسمان ہے　فلک زہرہ ہے، قاف سے تا قاف، ایک افق سے دوسرے افق تک۔ حور وشیں، جمع حور وش یعنی کوکب۔

یہ فلک الافلاک فلک زہرہ پر سایہ کئے ہوئے ہے اس کو اپنے سایہ میں لے لیا ہے یعنی اپنی پناہ میں۔ یہ رنگ اور یہ کیفیت دیکھ کر فلک ستارگاں کے تمام ستارے ایک افق سے دوسرے افق تک کھکھلا کر ہنس رہے ہیں یعنی اس سایہ میں جس سے مراد شب کی سیاہی ہے۔ تمام ستارے چمک رہے ہیں۔

• جب سے شہ بلخ نے زک شہ ایراں کو دی سکۂ زر کے عوض کوڑیوں کا ہے چلن

حل لغات :۔ شہ بلخ ہیئت میں قمر ہے اور شہ ایراں خورشید۔ سکۂ زر دھوپ ہے کہ اس میں ذرے مثل سکہ زر چمکتے ہیں۔ کوڑیاں، کواکب ہیں۔

مطلب :۔ جب سے چرخ پر شاہ بلخ یعنی قمر نے شہ ایراں یعنی خورشید کو زک دی ہے بازی میں اس پر غالب آگیا ہے۔ خورشید چھپ گیا اور چاند نکل آیا۔ اس وقت سے ملک جہاں میں ابتری کا یہ عالم ہے کہ بجائے سکۂ زر کے (اشرفیوں کے) کوڑیاں چل رہی ہیں۔ کوڑیوں سے لین دین ہو رہا ہے یعنی سورج چھپ گیا اور چاند نکل آیا اور کچھ کچھ ستارے چمک رہے ہیں۔

• بے قفس و دام ہے مرغ طلا ہائے بند کتنی جگر گیر ہے خاک دیارِ کہن

حل لغات :۔ مرغ طلا۔ خورشید۔ جگر گیر، دل نشیں۔ دیار کہن منطقہ البروج مراد برج اسد ہے۔

مطلب :۔ طرفہ تماشا ہے کہ مرغ طلا خورشید بغیر قفس اور دام کے گرفتار ہے۔ سورج چھپ گیا ہے یعنی رات ہو گئی ہے اور سورج چھپا ہے کہ وہ اپنے دیار کہن یعنی قدیم گھر یعنی وطن کی خاک ایسی دستگیر ہے کہ اپنے منطقہ سے قدم باہر نہیں نکالتا۔

• فصل گل آئے کہیں نقش ہو کرسی نشیں ذرے دمکتے نگیں حلقہ سیمیں سے من

حل لغات :۔ فصل گل بہار مراد ہے۔ نقش سورج کی کرنیں۔ کرسی نشیں، نمودار اور قائم۔ ذرے دمکتے نگیں۔ ذرّہ ہائے ریگ۔ من دانہ ہائے شبنم۔ حلقہ سیمیں، چاند کی بالی۔

مطلب :۔ خدا کرے فصل گل جلد آئے۔ رات ختم ہو اور دن نمودار ہو اور سورج کی کرنیں ہر طرف پھیل جائیں (کرسی نشین ہو جائیں) تاکہ ذرے کے نگینہ دمکنے لگیں (ذرات چمک اٹھیں) اور شبنم کے قطرات اسی روشنی میں حلقہ سیمیں بن جائیں۔

• اہرمن ہفت سر سایہ ہری کئے ہوئے قاف سے تا قاف سے حور وشیں خندہ زن

حل لغات :۔ اہرمن ہفت سر، فلک الافلاک ہے جس کے سات طبق ہیں۔ پری استفادہ ہے سیارہ زہرہ سے قاف سے قاف۔ مراد ہے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۔ حور وش، ستارہ

مطلب:۔ جب سے دیو ہفت سر سے یعنی فلک الافلاک سے پری یعنی ستارہ زہرہ کو مسخر کیا ہے یا دیو نے قبضہ کیا ہے جس طرح انسان پر جن یا پری کا سایہ ہوتا ہے تو وہ اس کا مسخر ہو جاتا ہے۔ وہ اسی کے مطابق کام کرتا ہے۔ یہی کچھ حال پری یعنی سیارہ زہرہ کا ہے کہ فلک الافلاک کی گردش نے اس کو مسخر کر لیا ہے۔ عجب عالم ہے کہ فلک سیارگان کے تمام ستارے جو حوروں کی طرح حسین ہیں پری پر ہنس رہے ہیں کہ سب کو مسخر کرنے والا آج خود اہرمن کی مسخر ہو گئی۔

مے گل بیجادہ گوں ملتزم جادہ یوں ترچھی ہوا پر ہے کیوں شاخ گل نسترن

حل لغات:۔ بیجادہ کہربا کو کہتے ہیں۔ بیجادہ گوں کہربا کی طرح۔ گل بے جادہ گوں۔ وہ پھول جو کہربا کی طرح۔ سے مراد آفتاب سے ہے۔ جادہ راہ، اصطلاح ہیئت میں منطقہ ہے۔

مطلب:۔ گل بیجادہ گوں (خورشید) نے منطقہ کے خط پر چلنا اس لئے لازم کر لیا ہے کہ اس کو یہ کہ شاخِ گلِ نسترن یعنی قمر کا فلک مائل اس طرح مغرور ہو (ہوا پر ترچھا ہونا) یعنی فلک مائل کو اس کی رفتار قائم رکھنے کے لئے اپنے منطقہ کی سیر کر رہا ہے۔

لفظی معنی یہ ہے کہ شاخ گل نسترن ہوا پر ترچھی کیوں ہے (اپنے وجود پر اس طرح مغرور کیوں ہے۔ گل نسترن قمر کو کہتے ہیں۔ شاخ گل نسترن قمر کا فلک مائل ہے۔

آج پر آئی جفا سان پر خنجر چڑھا راکب ضیغم ہوا شاہد گل پیرہن

حل لغات:۔ ضیغم بمعنی شیر ببر کے مترادف اسد ہے راکب ضیغم ہونے سے مراد یہ ہے کہ برج اسد میں داخل ہونا۔ شاہد گل پیرہن مریخ ہے۔ مریخ کو جلاد فلک کہتے ہیں اور زمین پر فتنہ و فساد، خونریزی اور قتل و غارت گری کو اسی کی تاثیر (علم ہیئت و نجوم میں بتایا جاتا ہے۔ خونریزی اور سفاکی کی بناء پر اسکو سرخ پیرہن بتایا ہے۔ یعنی شاہد گل پیرہن مریخ ہے شعر میں اسی کی مناسبات بیان کئے گئے ہیں۔

مطلب:۔ ظلم و استبداد اپنے عروج پر ہے۔ خنجر ستم کو سان پر چڑھایا گیا ہے یعنی اس کی دھار تیز کی گئی ہے تاکہ خونریزی میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ اس عام خونریزی اور جفا کاری کا موجب یہ ہے کہ شاہد گل پیرہن یعنی مریخ اب اپنے خانہ شرف یعنی برج اسد میں داخل ہو گیا۔

دخت فلک ہاتھ میں کانوں کا گہنا لئے　　اس بت دوشیزہ کا دیکھو تو یہ بالا پن

حل لغات:۔ دخت فلک۔ یا دختر فلک عذرا یا سیارہ زہرہ ہے۔ کانوں کا گہنا بالیاں جو کانوں میں پہنی جاتی ہیں۔ بڑی بالی کو بالا کہتے ہیں۔ بالا پن لڑکپن۔ طفلانہ حرکتیں۔

سیارہ زہرہ نے بالیاں، بجائے پہننے کے اپنے ہاتھوں میں لے لی ہیں۔ بہت سے ستارے زہرہ کے قریب دائرے کی شکل میں اس طرح آ گئے ہیں کہ بالیاں نظر آتے ہیں۔ زہرہ کا یہ لڑکپن اور طفلانہ شوخی تو دیکھو کہ بالیوں کو پہننے کے بجائے اس نے ان کو ہاتھوں میں لے لیا ہے۔

بالا، کانوں کا زیور یعنی بالیاں۔ دختر فلک یہ سب مناسبات ہیں۔ شعر میں صنعت مراعاۃ النظیر ہے۔

جب شرف تاج زر ٹھہرے سر شمس پر　　کیوں نہ دل شیر نر غیظ سے ہو شعلہ زن

حل لغات:۔ سیارہ شمس کا خانہ شرف برج حمل ہے جس کو شاعر نے سر شمس کہا ہے جو دہ بروج میں ہے۔ برج حمل کی شکل ایک بیل کی ہے۔ تاج زر شمس ہے جس کا خانہ شرف برج حمل ہے۔ شیر نر برج اسد ہے جو شمس کے لئے خانہ وبال ہے۔

مطلب:۔ برج اسد کا دل غیظ و غضب سے اس لئے شعلہ زن ہو رہا ہے کہ اسد (شیر) ہوتے ہوئے اس کو یہ شرف ملا کہ شمس کے لئے وہ برج شرف بنتا بلکہ یہ شرف میش کو ملا ہے جس کی شیر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

دیکھ کے بز کا وقار سرخ ہوئی چشم گاؤ　　غیظ سے کٹ کٹ گیا رہ گیا آدھا بدن

حل لغات:۔ بز میش یعنی برج حمل۔ گاؤ برج ثور جس کی شکل بیل کی ہے اور سر اور آدھا دھڑ تصویر میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسی کو شاعر نے بطور حسن تعلیل "غیظ سے کٹ گیا اور آدھا بدن رہ گیا" سے تعبیر کیا ہے۔

ناگوار، مطلب:۔ بز کا یہ وقار اور یہ شرف دیکھ کر کہ وہ تاج زر یعنی خورشید کے لئے خانہ شرف ہے جس طرح اسد غیظ و غضب کا شکار ہوا تھا اسی طرح گاؤ یعنی ثور کی آنکھیں بھی سرخ ہیں اور حسد کے باعث اس طرح کٹ کے آدھا بدن رہ گیا۔ مراعاۃ النظیر اور حسن تعلیل سے کام لیا ہے۔

دھار کی دو مچھلیاں یوں رہیں پیاسی تپاں　　　　آب سبو بہہ کے جائے تا لبِ نونِ دکن

حل لغات :۔ عربی زبان میں مچھلی کو حوت و نون اور سمک کہتے ہیں ۔ سمکتین ، دو مچھلیاں ۔ چند ستارے بصورت ماہی سمط الراس پر ہیں ۔ نون دکن یعنی حوت جنوبی سمط الراس کے انتہائی جنوب اور انتہائے شمال پر دو شکلیں ہیں ۔ شمالی شکل کو حوت شمالی اور جنوب کو حوت جنوبی یا نون دکن کہتے ہیں ۔ شعر میں حوت شمالی اور جنوبی سے شاعر نے حوت کے لئے لفظ نون اختیار کیا ہے ۔

مطلب :۔ سمط الراس جس کو دریائے فلک کی دھار کہنا چاہیئے اس پر سمکتین موجود ہیں لیکن حیرت ہے کہ دھار پر رہتے ہوئے یہ پیاسی تڑپ رہی ہیں ۔ حالانکہ فرغ دلو سے پانی اسقدر بہا ہے کہ وہ نون جنوبی یا نون دکن تک پہنچ گیا لیکن یہ سمکتین بغیر پانی کے تڑپ رہی ہیں ۔

ہجر میں لیلیٰ شام روئی اگر تا سحر　　　　وصل میں گریاں ہیں کیوں اسکی یمانی بہن

حل لغات :۔ شعریٰ نام کے دو ستارے ہیں ۔ ایک کو شعریٰ شامی کہتے ہیں کہ وہ شام کی طرف (عرب کی نسبت سے) طلوع ہوتا ہے اور دوسرا شعریٰ یمانی جنوب سے یمن جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں واقع ہے اور یہ یمن کی طرف طلوع ہوتا ہے اس لئے اس کو شعریٰ یمانی یا شعریٰ جنوبی کہتے ہیں ۔ شعریٰ یمانی کو سہیل یمانی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ سہیل یمانی کی خاصیت ہے کہ بعض کمائی ہوئی بھیڑ بکری کی کھالوں میں سے بعض کھالیں اس کی تاثیر سے معطر و معنبر بن جاتی ہیں ۔ ایسی کھالوں کو انباں کہتے ۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں :۔

جائے انباں می کند جائے ادیم

لیلیٰ شام شعریٰ شمالی ہے ۔ یمانی بہن شعریٰ جنوبی یا شعریٰ یمانی ہے ۔

مطلب :۔ شعریٰ شمالی اگر زہرہ کی جدائی میں رات بھر روتی رہی تو اس کا سبب ظاہر ہے کہ ہجر کی رات میں تا سحر روتی رہی لیکن تعجب تو یہ ہے کہ زہرہ جب شعریٰ جنوبی کے قریب ہے اور اس کو اس کا وصل حاصل ہے تو یہ وصل میں بھی کیوں گریاں ہے ۔ شعریٰ یمانی اور شعریٰ شمالی کی تابش کو گریہ سے تعبیر کیا ہے ۔

۵ اتنے سڑک سے جدا کیوں ہیں دو توام پسر شام ہے اس راہ پڑتے ہیں دو خرسِ کہن

حل لغات :۔ سڑک، جادہ سمت الراس دو توام پسر، برج جوزا ہے جس کی شکل دو جڑواں بچوں ایسی ہے۔ شام راس شمالی۔ دو خرسِ کہن (خرص کہیں غلط چھپا ہے) راس شمالی پر ستاروں سے جو شکلیں بنتی ہیں جو ریچھ سے مشابہہ ہوتی ہیں۔ ان میں ایک شکل بڑی ہوتی ہے وہ دب اکبر ہے یعنی بڑا ریچھ اور دوسری قدرے چھوٹی ہے اسے دب اصغر کہتے ہیں۔ جادہ توام پسر سفر شام سفر کرنا اور ریچھوں کا سامنا ہونا یہ سب مناسبات ہیں۔

مطلب :۔ یہ سمت الراس سے اسقدر تنہا؟ جوزا کیوں سفر کر رہا ہے۔ وہ راس شمالی پر راستہ طے کر رہے ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ شام کا وقت ہے اور جس راہ پر چل رہے ہیں اس راستہ پر دو پرانے کھوسٹ ریچھ قبضہ کئے ہوئے ہیں۔

۶ سارے سوارانِ آب ہو گئے کعب الغزال یہ بت شیریں ادا جب سے ہے پرتو فگن

حل لغات :۔ سواران آب، حباب ہیں کہ دریا کی سطح پر تیر رہے ہیں۔ کعب الغزل ہرن کے ٹخنہ کی ہڈی۔ بتاشے کو کہتے ہیں۔ بتاشہ ایک قسم کی سہ آتشہ قوام کردہ مٹھاس ہے جو بلبلے اور ہرن کی ہڈی سے مشابہہ ہوتی ہے۔ اسی مناسبت کی بناء پر اس کو کعب الغزال کہتے ہیں۔ دیہات میں بتاشے شوق سے آج بھی بناتے ہیں اور استعمال کئے جاتے ہیں۔ کعب الغزل بتاشے کو اسی طرح کہتے ہیں جس طرح نخبازی کو نان کُلاغ کہا جاتا ہے۔

مطلب :۔ یہ بت شیریں ادا یعنی زہرہ (عذرا) جب سے پرتو فگن ہوئی ہے اس کے فیض پرتو سے تمام حباب (بلبلے) کعب الغزال یعنی بتاشے بن گئے ہیں۔

طرفہ کہ ٹھہرے وہی روز بہار نشاط جبکہ سر بزہ پہ ہو تاجِ عقیق یمن

حل لغات :۔ طرفہ، عجیب، انوکھی ۔ سر بز برج حمل کہ اس کی شکل بُز یعنی بھیڑ جیسی ہے۔ تاج عقیق یمن، خورشید یا سیارہ شمس۔ یمن اپنے عقیق کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہے۔ سورج کی روشنی ہی اس کو سرخی و تابانی دل سنگ میں عطا کرتی ہے۔ برج حمل خورشید کے لئے خانۂ سعد ہے۔

مطلب :۔ عجیب ماجرا ہے کہ جس دن برج حمل میں شمس تحویل کرتا ہے کہ وہ دن بہار و نشاط کے آغاز کا ہوتا ہے اسی دن کو نوروز کہتے ہیں۔ ایران میں فرقہ شیعہ میں یہ دن عید کا ہوتا ہے۔

وہ سورج کی تحویل کے وقت انگوٹھی پر نقش کندہ کرتے ہیں۔

- چشمۂ بے آب میں عرض سر مو نہیں ڈوبنے جائے کہاں شرم کے مارے کرن

حل لغات:۔ عرض، چوڑان۔ چشمہ بے آب، خورشید

خورشید کی آب وتاب سے کرنیں اسقدر شرمندہ ہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ پانی میں ڈوب مریں لیکن یہ ڈوبیں کہاں۔ چشمۂ خورشید میں پانی کا نام تک نہیں ہے اور نہ اس میں کہیں عرض نہیں ہے۔

- جب سر خرچنگ پر افسر یاقوت ہو کیوں نہ ہو انقلاب جس سے چلیں جان و تن

حل لغات:۔ خرچنگ سرطان یا کیکڑے کو کہتے ہیں اور بروج فلکی میں ایک برج ہے۔ برج سرطان، جب شمس منطقۃ البروج پر گردش کرتا ہوا برج سرطان پر پہنچتا ہے تو بہت سخت گرمی پڑنے لگتی ہے۔ اس کی کرنیں سیدھی زمین پر پڑتی ہیں جس سے تمازت بڑھ جاتی۔ افسر یعنی تاج۔ افسر یاقوت، یاقوت سے بنا ہوا تاج یعنی خورشید۔

مطلب جب سورج منطقۃ البروج میں ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہوتا ہوا برج سرطان (خرچنگ) پر پہنچتا ہے تو اس غضب کی گرمی پڑتی کہ جان و تن جلنے لگتے ہیں۔

- تاجور ملک روم کیوں ہے جہود انہ پوش کب سے ہے اسلام بول، روم نصاریٰ وطن

حل لغات:۔ تاجور ملک روم، مملکت روم کا بادشاہ (عطارد ہے) تاجور ملک روم، جو گردش کرتا ہوا اس خط پر پہنچ گیا ہے جو ارس روم سے گزرتی ہے اور ارض روم اقلیم چہارم میں واقع ہے ارض روم پر مدت مدید تک عیسائیوں کا قبضہ رہا۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں مکمل طور پر یہ ملک فتح ہوا۔ قسطنطنیہ (قسطنین اعظم) کے نام سے موسوم اس کا دار السلطنت رہا جو اب استنبول ہے اسلام بول اور استنبول میں اشتراک حرفی ہے۔ جہود انہ پوش۔ سیاہ لباس، یہودیوں کے ربیؓ کا لباس سیاہ ہوتا ہے یا کم ازکم سیاہ ٹوپی اس کے سر پر ضرور ہوگی۔ اور سیاہ لباس عموماً علامت ماتم کی ہے۔ علم ہئیت میں افلاک شمالیہ کو کہتے ہیں۔

مطلب:۔ امام رضا فرماتے ہیں کہ مملکت روم کا بادشاہ جو عطارد ہے کس غم میں سیاہ لباس جو یہودی ربی کا لباس ہے پہنے ہوئے ہے۔ اس غم میں کہ روم جو نصاریٰ کا وطن تھا جو اب اسلام

بول ہے وہاں اسلام کا بول بالا ہے اور اسلام کا نام لیا جاتا ہے۔ تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ روم تو قرنیں گزر گئیں کہ اسلامی مقبوضات میں شامل ہو گیا ہے اور اسلام بول یعنی استنبول بن گیا ہے۔

شعر میں تمام تر مناسبات لفظی ہیں۔

چلتی ہے باد صبا اڑتے ہیں پریوں کے تخت
پھیلی ہے آنچل کی جوت پھولے ہیں بیلے کے بن

حل لغات:۔ بیلے کے بن کواکب ہیں، آنچل کی جوت: ستاروں کا نور ہے اور آنچل یعنی دوپٹے کنارہ ان پریوں کا ہے جو تخت پر سوار ہیں۔ فلک پر ہر طرف ستارے نمودار ہیں۔

مطلب:۔ بہار کا موسم ہے۔ باد صبا چل رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پریوں کے تخت اڑ رہے ہیں اور ان کے حسین اور چمکدار دوپٹوں کے آنچل کی چمک سے ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ اور ہر طرف بیلے کے بن ہیں اور ان میں بیلے کے پھول کھلے ہیں جن کی روشنی سے فلک پر اور ہر طرف نور ہی نور ہے۔

• حوری اردی بہشت بیگم آزرِ دے نہر
یعنی ثریا پری دیس میں ہے، ہے نغمہ زن

حل لغات:۔ حورا واحد ہے اور اس کی جمع حور ہے۔ اردی بہشت فارسی سال کا مہینہ ہے۔ اس مہینے سے ایرانی شمسی سال شروع ہوتا ہے

ماہ اول	دوم	سوم	چہارم	پنجم	ششم	ہفتم
فروردین	اردی بہشت	خرداد	تیر	مرداد	شہریور	مہر
ہشتم	نہم	دہم	یازدہم	دوازدہم		
آبان	آذر	دے	بہمن	اسفندیار		

اس سال شمسی کو یزدجردی بھی کہا جاتا ہے۔

فارسی شعراء کے یہاں ان مہینوں کے نام بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی تقلید میں خصوصاً استاد ذوق نے اپنے مدحیہ قصائد میں ان مہینوں کے نام کثرت سے استعمال کئے ہیں۔

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستان سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

حوریٔ اردی بہشت بہار ہے۔ آزرِ دے نہر۔ ماوراالنہر یعنی توران۔ ثریا پری سیارہ زہرہ ہے۔

دیس ہندی راگ کا نام اور دیس یعنی مقام و منزل ۔ زہرہ کا برج شرف برج ثور ہے ۔مطلب اردی بہشت کی حور یعنی بہار جو ماوراالنہر کی ملکہ ہے شاعر کی مراد اس ملکہ سے ہے ۔ ثریا پری یعنی زہرہ ہے ۔ آج اپنے دیس یعنی برج ثور میں تحویل ہو کر نغمہ زن ہے ۔ بہار کا دور دورہ ہے اور زہرہ برج ثور میں پہنچ کر اپنے خانہ شرف میں ہے ۔

● کرسئ اقبال پر شاہد طناز شام مہندی رچی ہاتھ میں جنس دعا کا ثمن

حل لغات :۔ شاہد طناز شام ۔ شام کے وقت کا طرح دار و شوخ محبوب' اپنے اقبال کی کرسی پر جلوہ گر ہے ۔ مہندی رچی ہاتھ میں ۔ یہ ستارہ کف الخضیب :۔ کف الخضیب کے معنی ہیں خضاب آلودہ ہاتھ یا مہندی سے رچا ہاتھ ۔ ستارہ ذات الکرسی اور کف الخضیب شام ہوتے ہی نظر آنے لگتے ہیں ۔ ایک خاص بات قارئین اور پیش نظر رکھیں کہ کف الخضیب بہت ہی سرخ رنگ کا ستارہ ہے اور جب یہ نصف النہار کے دائرہ پر پہنچتا ہے تو دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے ۔ کف الخضیب میں ال تعریف کا ہے ۔ کف خضیب ہر مہندی رچے ہاتھ کو کہا جاتا ہے ۔

مطلب :۔ شاہد طناز شام کرسئ اقبال پر جلوہ گر ہے ۔ ستارہ ذات الکرسی اس کے قریب چمک رہا ہے اور اس کے قریب ستارہ کف الخضیب ہے ۔ ان دونوں ستاروں کو شاہد شام کے قریب دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہد شام نے ہاتھوں میں مہندی رچائی ہے اور کرسئ اقبال پر جلوہ گر ہے ۔ قبولیت دعا کا وقت آپہنچا ہے کہ کف الخضیب ، نصف النہار کے دائرے پر پہنچ گیا ہے ۔ شعر میں مراعاۃ النظیر ہے ۔

● سحر ہے تسخیر حسن ۔ یوں کفل شیر پر تاروں کی قمچی لگائے دختر نازک بدن

حل لغات :۔ شیر برج اسد ہے ۔ کفل شیر ، شیر کے سرین پر ۔ دختر نازک بدن' عذرا یعنی سیارہ زہرہ ہے ۔

مطلب :۔ زہرہ جس نے چاہ بابل میں ہاروت و ماروت سے سحر سیکھ لیا تھا ۔ اب اس طرح اس کے حسن نے دوسروں کو مسخر کیا ہے کہ یہ نازک بدن دوشیزہ (زہرہ) کفل شیر پہ تاروں کا کوڑا مار رہی ہے لیکن مجال ہے کہ شیر (برج اسد) کوڑا کھا کر غضب میں آئے کہ عذرا کے حسن نے اس کو مسخر کر لیا ہے ۔ کہنا صرف یہ ہے کہ سیارہ زہرہ برج اسد پر پہنچ گیا ہے ۔

● حافظ سی پارہ ثور کر بقرہ پڑھ کے دم پھیلی ہے چیچک نہ ہو توام اسیر لحن

حل لغات :۔ برج ثور (جو بشکل گاؤ ہے) تیس درجہ پر منطقۃ البروج کے واقع ہے۔ اسی مناسبت سے اس کو حافظ سی پارہ کہا ہے۔ ستارے ہر طرف کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو شاعر کی قوت متخلیہ نے چیچک سمجھا۔ بچوں پر چیچک کا اثر جلد ہوتا ہے۔ توام پسر اس کے قریب ہی موجود ہیں۔ یہ برج جوزا ہے۔ یہ توام بچوں کی شکل ہے۔ بقرہ اور ثور دونوں ایک ہی ہیں۔ جب چیچک کی وبا پھیلتی ہے تو سورۂ بقرہ پڑھ کر بچوں پر تحفظ کے لئے دم کرتے ہیں۔

مطلب :۔ اے حافظ سی پارہ یعنی ثور! تیرے قریب ہی دو توام بچے موجود ہیں اور آسمان کی فضا میں چیچک پھیلی ہوئی ہے۔ بس تو ان بچوں پر سورہ بقرہ پڑھ کر دم کر تاکہ یہ چیچک کی وبا سے محفوظ رہیں۔

● بچوں کو بہرام گور بانٹ چکے گنج گاؤ   گھر سے ملا یہ وبال رکھتے ہیں اہل من

حل لغات :۔ 'بچوں' سے مراد برج جوزا ہے۔ بہرام گور، قدیم بادشاہ عراق کا نام ہے جو بہت سخی تھا۔ گور خر کا بکثرت شکار کرنے کے باعث اس کو بہرام گور کہا جانے لگا۔ علم ہیئت میں بہرام ستارہ مریخ ہے جو فلک پنجم پر ہے۔ گنج خسرو پرویز، شاہ ایران کے آٹھ خزانے تھے۔ ہر ایک کا جداگانہ نام تھا۔ اول گنج عروس۔ دوم گنج بادآور۔ سوم گنج دیبا خسروی۔ چہارم گنج افراسیاب۔ پنجم گنج سوختہ۔ ششم گنج خضرا۔ ہفتم گنج شادآور۔ ہشتم گنج بار۔ اس شعر میں گنج گاؤ سے مراد برج ثور کا خزانہ ہے اور گنج گاؤ جمشید بادشاہ کے خزانے کا نام تھا۔ یہ خزانہ بہرام گور کے زمانے میں ایک دیہاتی کی قلبہ رانی سے برآمد ہوا تھا۔

مطلب :۔ بہرام گور نے جمشید کے خزانے گنج گاؤ کو فلک کے بچوں یعنی (برج جوزا) کو بانٹ دیا ہے۔ اس کو یہ خزانہ اپنے گھر یعنی برج حمل سے ملا ہے۔ لہٰذا اس نے بتدریج یہ خزانہ تقسیم کر دیا کہ وہ صاحب احسان اور سخی ہے اور جو سخی ہے وہ تمام دولت تقسیم کر دیتا ہے۔ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا۔ کہتا ہے کہ سیارہ مریخ برج حمل میں پہنچ گیا ہے جو مریخ کے لئے خانہ وبال ہے جس کو شاعر نے گھر سے ملا یہ وبال کہہ کر ظاہر کیا ہے۔

● چاندنی کے کھیت میں سرد ہ کئی قاش کا   سرے کی ہر شاخ میں کتنے ہی دُرِّ عدن

حل لغات :۔ چاندنی کا کھیت، فلک الافلاک ہے جس کے متوازی منطقۃ البروج ہے کئی قاش کا سردہ منطقۃ البروج ہے۔ ہر برج ایک قاش ہے۔

مطلب :۔ چاندنی کے کھیت کو دیکھو کہ اس میں بہت سی قاشیوں والا سردہ منطقۃ البروج ہے اور اس سردے کی ہر قاش میں بہت سے دُرِّعدن (کواکب) اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ اصل میں ستارے فلکِ کواکب پر ہوتے ہیں۔ فلک الافلاک سے اس کا بہت بُعد ہے ۔ یہ مناسبت لفظی کے اعتبار سے کہا ہے۔

۶ درِ عدن کے لئے آئینہ مُشک خطا مُشک بنا پردۂ روئے غزال ختن

حل لغات :۔ درِ عدن کواکب مشک خطا شب ہے ۔ غزل ختن آفتاب ہے اور رعایت لفظی یہ ہے کہ غزال ختن ہی سے مُشک پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ناقہ میں خون منجمد ہو جاتا ہے۔ جس ہرن کے نافہ میں مشک پیدا ہوتا ہے یہ گھٹنوں کے بل بیٹھ نہیں سکتا۔ کسی درخت یا کسی دیوار یا ٹٹّی سے ٹیک لگا کر کھڑے کھڑے سو جاتا ہے ۔ شکاری ایسے جنگل میں ٹٹّیاں کھڑی کر دیتے ہیں ۔ ٹیک لگاتے ہی ٹٹی گر پڑتی ہے اور ہرن گر جاتا ہے ۔ اس وقت شکاری اس کی ناف کو باندھ کر کاٹ لیتے ہیں۔ اور پھر ناف سی کر اس کو کھڑا کر کے چھوڑ دیتے ہیں ۔ اس کو محاورے میں دھوکے کی ٹٹی کہتے ہیں۔

مطلب :۔ کواکب کے لئے کالی رات (مشک خطا) آئینہ بن گیا ہے رسیاہی شب میں ستارے چمکتے نظر آتے ہیں ۔ جب کہ سورج کی روشنی میں ان کی تابانی اسقدر ماند پڑجاتی ہے کہ نظر نہیں آتے تو ان ستاروں کے لئے تو مشک خطا (سیاہی شب) آئینہ بن گئی ہے ۔ لیکن یہی سیاہی شب غزال ختن خورشید کے لئے پردہ بنی ہوئی ہے کہ خورشید شب کے پردے میں نہاں ہو جاتا ہے ۔

۶ روئے غزال ختن پردے میں برقع ہے اور طرفہ کے برقع سے ہے جلوہ میں کالا ہرن

حل لغات :۔ غزال ختن خورشید ہے ۔ برقع فلک اوّل ہے ۔ طرفہ عجیب بات ہے ۔ کالا ہرن سیارہ زحل ہے۔

مطلب :۔ غزال ختن یعنی فلک اول سے دور رہ کر بھی پردے دل میں چھپا ہے لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ کالا ہرن یعنی سیارہ زحل اس برقع میں (یعنی فلک اول میں) رہ کر بھی اپنا جلوہ دکھا رہا ہے۔

۶ منطق بالا کی فصل دشمن جنس نبات شکل سوم منتج سلب لباس چمن

حل لغات :۔ منطق بالا کی فصل، فصل خزاں ہے ۔ جب سورج برج میزان میں منتقل ہوتا ہے تو

فصل بہار رخصت ہوجاتی ہے اور فصل خزاں کا دور دورہ شروع ہوتا ہے۔ شکل سوم مثلث سوم ہے۔ چند ستاروں سے یہ شکل بنتی ہے اور جب سورج برج میزان میں ہوتا ہے تو یہ شکل فلک پر نمایاں ہوتی ہے۔ منتج، نتیجہ بخش، سلب لباس۔ کپڑے اتارنا۔

مطلب :۔ برج میزان میں خورشید کا تحویل ہونا خزاں کا پیغام لاتا ہے اور خزاں جنس نباتات کی دشمن ہے۔ اکثر و بیشتر نباتات پر پژمردگی چھا جاتی ہے۔ بہار کی رنگینی اور طراوت رخصت ہوجاتی ہے۔ یہ مثلث کی شکل جو آفتاب کے برج میزان میں منتقل ہونے پر فلک پر نمایاں ہوتی ہے حقیقت میں چمن کا رنگین لباس اتار لینے پر منتج ہوتی ہے۔ خزاں زدہ درختوں اور پودوں کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی نے ان کے کپڑے اتار لئے ہیں۔ ایک امر اور پیش نظر ہے کہ آفتاب برج میزان میں تحویل کرتا ہے تو موسم اعتدال شروع ہوجاتا ہے۔ پت جھڑ شروع ہوجاتا ہے۔ اس کو موسم گرما پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمارے یہاں مارچ کے مہینے میں یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس شعر میں تمام منطق کی اصطلاح سے قضیہ موجبہ اپنی شکل سوم میں سالبہ کلیہ کا نتیجہ دیتا ہے۔ گویا یہ شکل سوم سلب کلیہ کا نتیجہ دیتی ہے۔ اور سلب لباس چمن سے اس طرف اشارہ ہے کہ تمام درختوں کا لباس اتر جاتا ہے۔ پتے جھڑ جاتے ہیں اور نئی کونپلیں پھوٹ آتی ہیں۔

آپ اس سے قبل مطالعہ کرچکے ہیں کہ اشکال ستارگان سے دو شکلیں بنی ہیں ایک دب اصغر اور دوسری دبِ اکبر (اعلٰحضرت نے ایک شعر میں ان کو عُرس کہن کہا ہے اس قصیدہ میں)

مطلب :۔ دب اکبر کا خار بہت ہی ستم ڈھانے والا ہے۔ اسی طرح دب اکبر کا تیر بڑا خطرناک ہے۔ اس قصہ میں اوسط جو برج عقرب ہے کا ڈنک زہر میں بجھا ہے۔ اس سے مہوشوں کے دل لوٹ جاتے ہیں۔ قمر جب برج عقرب میں پہنچتا ہے تو اس کا ط ہوتا ہے برج عقرب قمر کے لئے برج وبال ہے۔

6 واہ ترازوئے عدل خوب کیا اعتدال ٹھنڈی ہوئیں گرمیاں مٹ گئی دل کی جلن

حل لغات :۔ ترازوئے عدل۔ برج میزان جس کو ہندی میں "تلا" کہتے ہیں۔

مطلب :۔ اے برج میزان تو نے موسم میں خوب اعتدال پیدا کیا ہے کہ اب تک گرمی کی شدت سے دل بری طرح جل رہے تھے۔ اب ان دلوں کی جلن دور ہوگئی اور گرمی کی سختیاں اور اس کا زور شور ٹھنڈا پڑ گیا۔

جب شہ خاور تلا طرفہ یہ صدقہ بٹا   گنج طلا کو کہا جا سوئے گنج سمن

حل لغات :۔ شہ خاور، خورشید، تلا برج میزان گنج طلا خورشید گنج سمن۔ چنبیلی کی جھاڑی چنبیلی کا پھول قدرے زرد رنگ ہوتا ہے اور اس کو اشرفی سے تشبیہہ دی ہے

مطلب :۔ جب شہ خاور نے برج میزان میں تحویل کی تو جس طرح شاندار خدمات پر پہلے زمانے میں لوگوں کو سونے میں تولا جاتا تھا۔ اسی طرح خورشید کو بھی تولا گیا اور تول میں جو اشرفیاں رکھی گئی تھیں وہ بطور صدقہ تقسیم کی گئیں۔ لیکن یہ عجب صدقہ تھا کہ گنج زر کو یعنی خورشید کو کہا گیا کہ یہ صدقہ چنبیلی کی جھاڑیوں پر جاکر تقسیم کر چنبیلی کے پھول اپنی زرد رنگت کی وجہ سے اشرفیاں معلوم ہوتے ہیں۔ گویا یہ چنبیلی کے پھول نہیں ہیں بلکہ صدقہ کی اشرفیاں ہیں۔

صدقے کہ باغی بھی تھے زر کی ہوا میں نہاں   زر تو وہاں در کنار الٹے چھنے پیرہن

حل لغات :۔ باغی، باغ کے پودے اور درخت جب چنبیلی کے کھلنے کا وقت آتا ہے تو درختوں کا پت جھڑ شروع ہو جاتا ہے۔ زر کی ہوا، سونا لوٹنے کی خواہش۔

مطلب :۔ سونا حاصل کرنے کی اس امید میں باغ کے دوسرے درخت (باغی) بھی شامل ہو گئے تھے لیکن سونا تو کیا ہاتھ لگتا خود ان کے کپڑے بھی آتا لٹے گئے۔ ان درختوں کا پت جھڑ شروع ہو گیا۔

بانوئے یغما ترا کون کرے سامنا   اے بت ہمپایہ سوز اے صنم خود نگن

حل لغات :۔ بانو۔ خاتون، ملکہ۔ یغما۔ زمانہ قدیم میں چینی ترکستان کا ایک شہر اس نام سے موسوم تھا۔ اس شہر کے باشندے نہایت درجہ حسین ہوتے تھے۔ سامنا کرنا۔ مقابلہ میں آنا یا یہ فارسی عربی میں درجہ کے معنی میں ہے اور اصطلاح علم ہیئت میں جب کوئی ستارہ درجہ شمس میں ہوتا ہے اس وقت اس کو محترق یعنی جلا ہوا کہتے ہیں۔

مطلب :۔ اے بانوئے یغما، یا اے خاتون یغما جو خورشید ہے۔ تیرے حسن کے مقابلہ میں کون آسکتا ہے کہ جو کوئی تیرے درجہ پر قدم رکھتا ہے وہ ستارہ محترق بن جاتا ہے۔ اے ہمپایہ اے درجہ (خط) پر داخل ہونے والے کو جلا دینے والے تیرا کون سامنا کر سکتا ہے تو اس وقت خود نگن ہے اور ہمپایہ سوز بھی ہے۔ خود نگن اس اعتبار سے کہ اپنے درجہ پر پہنچ گیا ہے اور ہمپایہ سوز اس اعتبار سے کہ جو کوئی تیرے درجہ پر پہنچتا ہے محترق کہلاتا ہے۔

آئینہ سیم میں ہے تیرے آنچل کی جوت   لائی روپہلی بنت تری سنہری کرنے

حل لغات :۔ آئینہ سیم تن، قمر یا ماہ ۔ آنچل دوپٹہ کا کنارہ ۔ جوت ، چمک دمک ، روپہلی بنت (سفید رنگ کی بنت) (گوٹا کناری) میں ایک قسم کے پلکے کو بنت کہتے ہیں) کرن ، ریشہ دار گوٹا خواتین کرن لچکا وغیرہ اپنے کپڑوں خصوصاً دوپٹوں میں استعمال کرتی ہیں۔

مطلب :۔ چاند کی اس سفید روشنی میں تیرے ہی آنچل کی جوت اور چمک دمک ہے معلوم ہے کہ قمر میں جو کچھ روشنی ہے وہ خورشید سے ہے۔ اس کی روشنی کے انعکاس سے اس میں چمک دمک ہے۔ تیری سنہری کرنوں ہی نے چاند کی روشنی کو سفید بنت بنا دیا ہے۔ چاند کی یہ روشنی تیری ہی روشنی کا صدقہ ہے۔

6 سردئی کلیوں میں ہو کیا ہی پٹاخے کی گوٹ ابرِ تُنک پہ جو تو جھک کے ہو پرتو فگن

حل لغات :۔ سب سے پہلے آپ ایک امر کو ذہن نشین کر لیجئے۔ موسم برشگال میں دوپہر کے بعد جب سورج مغرب کی طرف قدرے جھک جاتا ہے اور آسمان پر ہلکے بادل سورج کے مطلع پر چھائے ہوئے ہوں تو دوسری طرح اس ہلکے ابر (ابرِ تُنک مایہ) سے جب سورج کی کرنیں چھنتی ہیں تو سطح فلک پر دوسری سمت ہم کو قوس قزح (دھنک) نظر آتی ہے۔ سائنس کے طلبہ کو معمل خانہ (لیبارٹری) میں اس کا تجربہ کرایا جاتا ہے۔ اس کو طیف کہتے ہیں۔ یہ مسلمہ ہے کہ روشنی سات رنگوں کا مجموعہ ہے۔ اسے جب طیف سے گزارتے ہیں تو اس کے تمام رنگ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سورج کی روشنی جب ہلکے اور غیر دبیز بادل سے گزرتی ہے تو سطح افلاک پر دوسری سمت قوس قزح (دھنک) کمان کی شکل میں نظر آتی ہے۔ ابر تنک پر جو تو جھک کے ہو پرتو فگن کا یہی مفہوم ہے۔

خواتین عموماً اپنے غراروں پر پٹاخے کی گوٹ لگاتی ہیں۔ پٹاخے کی گوٹ چند رنگین چمکیلے کپڑے کے ٹکڑوں کو ترچھا کاٹ کر بنائی جاتی ہیں۔

پٹاخے کی گوٹ

سرخ	نیلا	ہرا	اودا	پیلا	سرخ	نیلا	ہرا	پیلا	اودا	سرخ	اودا	نیلا	ہرا	پیلا

حل لغات :۔ سردئی کلیاں سرے کی قاشیں مراد ہیں بروج فلک ۔ ابر تنک ، ہلکا بادل۔ پرتو فگن ، سایہ فگن ، تجلی فگن ، نور افشاں۔

مطلب :۔ اے بانوئے بیضا (شمس کو بانو اس اعتبار سے کہا ہے کہ شمس عربی میں مؤنث سماعی

ہے) اگر تو ابر تنک مایہ پرقلاے جھک کر اپنا سایہ ڈالے تو عجب بہار آجائے یعنی توس قزح نظر آنے لگے اور ایسا محسوس ہو کہ سرد ئی کلیوں (غزالے میں کلیاں ہوتی ہیں) پرکسی نے پٹاخے کی گوٹ لگائی ہے۔ع مدح غائب ہوئی شوق کی آتش فروز گل کی حضوری میں ہو بلبل جاں نغمہ زن

اے فکر رضا بلبل جاں) اب تک تونے مدحت کرکے شوق کی آگ کو بھڑکا دیا ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ مدحت غائب سے ہٹ کر مدح حاضر میں اپنی بلند آواز کی دکھا۔ اے بلبل جاں آب دگل (استعارہ ہے ذات سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور نغمہ زن یا نغمہ سرا ہوں۔

اس شعر کے بعد حضرت رضاؒ نے مدحت حاضر یعنی نعت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں ۸۸ اشعار اور کہے ہیں اور علم ہئیت کی اصطلاح کے بیان کا جو التزام مطلع میں رکھا ہے وہ آخر تک کہیں ترک نہیں فرمایا۔ نعت میں اس التزام کے ساتھ قصیدہ پیش کرنا حقیقت میں فکر رضا کا کمال ہے کہ ہر قدم پر قدغن ہے۔ شریعت کی حدود سے سرمو تجاوز نہیں کیا جاسکتا اس لئے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ بدر چاچی کے مدحیہ قصیدہ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصیدے کے سامنے ہیچ ہے۔ بدر چاچی کے قصیدوں میں صرف تشبیب تک علم ہئیت کا التزام ہے۔ مدح حاضر میں وہ اس کو ترک کر دیتا ہے۔ جب کہ حضرت رضاؒ نے آخیر تک اس التزام کو قائم رکھا ہے۔

افسوس کہ کثرت کار اور اس پر سوءمزاج نے مجھے اس قصیدہ کو تمام کرنے کا موقع نہیں دیا۔ یہ چند اشعار بھی ۲۵، ۳۰ صفحات پر محیط ہوں گے۔ تمام قصیدے کے مطالب بیان کرنے کے لئے تو معارف رضا کا پورا مجلہ درکار ہوتا۔ انشاء اللہ بشرط زندگی آئندہ شمارہ میں باقی ۸۸ اشعار کی شرح پیش کروں گا۔ میرے عزیز گرامی قدر۔ فعال و سرگرم معتمد عمومی ادارہ تحقیقات امام رضا یعنی پروفیسر مجید اللہ قادری کے پاس خاطر سے طویل علالت کے باوجود یہ چند اشعار کی شرح پیش کردی ہے

بریلی میں مسند نشینان حضرت امام رضا قدس سرہ صرف ہماری فکری کاوشوں کے مرقع ملاحظہ فرماتے رہتے ہیں اور خود اس راہ میں کبھی قدم نہیں اٹھاتے۔ مرکز بریلی سے جو کام ہونا چاہیئے تھا وہ کراچی میں ادارہ تحقیقات امام رضا قدس سرہٗ انجام دے رہا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ حضرت ہماری مساعی کو سراہنے تک کی زحمت گوارا نہیں فرماتے۔

میں خانوادہ رضوی کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ قصیدے کے باقی ۸۸ اشعار کی شرح ان حضرات میں سے کسی کے قلم سے ہونا چاہیئے تاکہ اعلیٰحضرت کی جانشینی کا کچھ تو حق ادا ہو سکے۔

فتاویٰ رضویہ اور ڈاکٹر بلیان

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(پرنسپل ٹھٹھہ کالج ، سندھ)

پروفیسر ڈاکٹر جے ۔ ایم ۔ ایس بلیان، لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے شعبۂ علوم اسلامیہ کے ایک سن رسیدہ اور جہاں دیدہ پروفیسر ہیں ۔ علوم اسلامیہ پر اُن کی گہری نظر ہے ۔ گزشتہ تیس سال سے راقم کی اُن سے مراسلت ہے ۔ جب راقم نے ایک خط میں امام احمد رضا کا ذکر کیا تو ڈاکٹر بلیان حیران رہ گئے اور لکھا کہ میں نے تو احمد رضا کا نام تک نہیں سنا ، ساتھ ہی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ پروفیسر مجیب نے اپنی کتاب " انڈین مسلمز " میں احمد رضا کا ذکر تک نہ کیا ۔ ایک اور خط میں لکھا کہ " ڈبلیو ۔ سی ۔ اسمتھ نے بھی اپنی کتاب " ماڈرن اسلام ان انڈیا " میں ذکر نہیں کیا " بہر حال ، ڈاکٹر بلیان نے امام احمد رضا کا نام سُن کر حیرت اور ندامت کا اظہار کیا ۔ حیرت اس لیے کہ پاک و ہند پر لکھنے والے محققین نے اتنی بڑی حقیقت کو چھپایا اور ندامت اس لیے کہ برسوں علوم اسلامیہ پر تحقیق کی اور امام احمد رضا جیسے عظیم فاضل سے وہ ناواقف رہے ۔ بہر کیف ڈاکٹر بلیان کو راقم کے خط نے متجسس کر دیا پھر جب اُنھوں نے امام احمد رضا پر راقم کا انگریزی مقالہ مطالعہ کیا ، جو مستشرقین کے لیے لکھا گیا تھا تو مزید جستجو پیدا ہوئی چنانچہ ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر بلیان نے فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کی خواہش ظاہر کی ، جو مجلس رضا ، لاہور نے مہیا کر دیا ۔ اس طرح ڈاکٹر بلیان نے فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کا آغاز کیا اور اپنے ایک مقالہ میں جو ہائڈل برگ (مغربی جرمنی) میں جنوبی ایشیا کانفرنس (منعقدہ ۸ تا ۱۲ ، جولائی ۱۹۸۶ء) میں پیش کیا تھا ۔ فتاویٰ رضویہ کے متعدد حوالے دیئے ہیں ۔ ڈاکٹر بلیان ، فتاویٰ رضویہ سے بے حد متاثر ہوئے چنانچہ راقم کے نام ایک خط میں امام احمد رضا اور فتاویٰ رضویہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"حقیقت میں وہ ایک عظیم محقق اور فاضل تھے۔ میں نے اُن کے فتاویٰ پڑھے تو میں اُن کی وسعتِ مطالعہ سے بے حد متاثر ہوا۔ اس کا اظہار وہ دلائل پیش کرتے وقت کرتے ہیں۔ مزید برآں اُن کے نظریات میری توقع سے زیادہ متوازن ہیں۔ آپ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، کہ احمد رضا کو مغرب میں جانا پہچانا جانا چاہیئے اور ان کی پذیرائی ہونی چاہیئے۔

(ترجمہ انگریزی مکتوب مورخہ ۲۱، نومبر ۱۹۸۶ء از لیڈن)

ڈاکٹر بلیان کے تاثرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کے بارے میں کسی نے اُن کو غلط تاثر دیا تھا، جب ہی تو اُنھوں نے لکھا کہ احمد رضا کے نظریات میری توقع سے زیادہ متوازن ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی علمی اور انقلابی شخصیت کا انسان اگر خود مطالعہ نہ کرے تو وہ غلط فہمی میں مُبتلا ہو سکتا ہے۔ آج سے تقریباً دس سال پہلے جب راقم نے ڈاکٹر بلیان کو امام احمد رضا کی طرف متوجہ کیا تو ایک خط میں لکھا تھا کہ امام احمد رضا کی شخصیت معمولی شخصیت نہیں ہے۔ عالمی سطح پر بالخصوص مغرب میں اُن پر کام ہونا چاہیئے اور علمی حلقوں میں اُن کو متعارف کرانا چاہیے۔ غالباً ابتداء میں ڈاکٹر بلیان کو راقم کی بات مبالغہ معلوم ہوئی، اس لیے اُنھوں نے کوئی اظہارِ خیال نہیں کیا لیکن جب اُنھوں نے خود فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کیا تو دس برس کے بعد برملا راقم کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس کی پُرزور تائید کی۔

ڈاکٹر بلیان نے ایک اور فاضل کے نام اپنے مکتوب میں فتاویٰ رضویہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ چنانچہ ایک قرآن، ایک ترجمہ کے مصنف آزاد سُلطان المجاہد طاہری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"احمد رضا کی تصانیف کا جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہوں اتنا ہی زیادہ اُن کے کثرتِ دلائل وشواہد سے متاثر ہوتا جاتا ہوں۔ وہ اپنے موضوعات پر کامل عبور رکھتے ہیں اور ایک بہترین ماہرِ تعلیم کی مانند وہ اپنے عوام کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ خاص طور پر وہ اُن کی ضروریات سے باخبر ہیں اور مشروط طور پر بہت سے ایسے امور کی اجازت دیتے ہیں جو "عرف" کے ذیل میں آتے ہیں

اُن کی واضح شرط یہ ہے کہ کرنے والے کی نیت صالح ہونی چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ علوم اسلامیہ پر کام کرنے والے مغربی فضلاء نے احمد رضا کو صحیح طور پر جانچا نہیں۔"

(ترجمہ انگریزی مکتوب مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۸۶ء از لیڈن)

مندرجہ بالا تاثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر بلیان نے احمد رضا کے فتووں کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اُنھوں نے بعض ایسے نکات بیان کر دیئے ہیں، جن کی طرف عام قاری کی نظر نہیں جاتی۔ اُنھوں نے امام احمد رضا کے فتووں کا عادلانہ تجزیہ کیا ہے، جس سے خود ڈاکٹر بلیان کی دقتِ نظر اور نقد و نظر کی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔

ڈاکٹر بلیان نے راقم کے نام ایک اور خط میں فتاویٰ رضویہ پر مزید روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"جہاں تک احمد رضا کا تعلق ہے علم فقہ میں بالخصوص اُن کی وسعتِ علمی سے نہایت ہی متاثر ہوا ہوں، اُن کے نظریات بالعموم بہت ہی متوازن ہیں، حتیٰ کہ ایک غیر متعلق قاری کے لیے بھی معقول ہیں۔"

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ

پروفیسر کلیۃ الشریعۃ
(محمد بن سعود یونیورسٹی (ریاض) سعودی عرب)

"میرے ایک دوست کہیں سفر پر جا رہے تھے، ان کے پاس فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد موجود تھی۔ میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتوے کا مطالعہ کیا، عبارت کی روانی اور کتاب و سنت و اقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور اس ایک ہی فتوے کے مطالعے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔" (ترجمہ عربی)

(امام احمد رضا، ارباب علم و دانش کی نظر میں، ص ۱۹۴)

(ترجمہ انگریزی مکتوب مورخہ ۱۱ جون ۱۹۸۶ء از لیڈن)

مکتوبات کے مندرجہ بالا اقتباسات میں ڈاکٹر بلیان نے امام احمد رضا کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کو سراہا ہے۔

۱۔ امام احمد رضا کا مطالعہ نہایت وسیع ہے۔ بالخصوص علم فقہ میں۔

۲۔ امام احمد رضا کے نظریات و افکار نہایت متوازن اور معقول ہیں۔

۳۔ امام احمد رضا اپنے مؤقف کے ثبوت میں دلائل و شواہد کثرت سے دیتے ہیں۔

۴۔ امام احمد رضا ایک ماہرِ تعلیم کی طرح اپنے عوام سے باخبر ہیں، ان کی ضروریات سے واقف ہیں، وہ فیصلہ صادر کرتے وقت ان حقائق کو سامنے رکھتے ہیں۔

یہ اُس فاضل کے تاثرات و خیالات ہیں جو سالہا سال سے علوم اسلامیہ کی تحقیق و تدریس میں مصروف ہے، جو پچیس سال شاہ ولی اللہ پر تحقیق و مطالعہ میں گزار چکا ہے اور شاہ صاحب پر جس کی محققانہ تصنیف منظرِ عام پر آچکی ہے۔ حقیقت یہ ہے، امام احمد رضا کو جو پڑھتا ہے، حیران رہ جاتا ہے، ہاں جو نہیں پڑھتا یا کسی کے کہے میں آکر بد گمان ہو جاتا ہے وہ نہیں سمجھ سکتا، وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مثلاً وزارتِ حج و اوقاف (سعودی عرب) کے وزیر عبدالوہاب بن احمد عبدالواسع نے ایک حکم نامہ (۱۴۰۳ھ) کے ذریعے امام احمد رضا کے شہرۂ آفاق اردو ترجمۂ قرآن کنزالایمان اور فاضل جلیل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کے تفسیری حواشی نور العرفان پر دوسرے حضرات کے لکھنے پر پابندی لگائی حالانکہ یہ ترجمہ اور تفسیری حواشی برسوں سے چھپ رہے ہیں اور ممالک اسلامیہ میں پھیل رہے ہیں، علماء و عوام میں یکساں طور پر مقبول ہیں۔ اس قسم کی پابندیاں اہلِ علم کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں اور ایسے وقت تو ایسی باتیں مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں جب امام احمد رضا پر عالمی سطح پر تحقیق شروع ہو چکی ہو۔

الزام تراشیوں سے قطع نظر اس وقت امام احمد رضا اور اُن کے محققین پر مختلف عالمی جامعات میں جزوی اور مکمل کام ہو چکا ہے اور کچھ ہو رہا ہے۔ مندرجہ ذیل محققین نے کام کیا اور کر رہے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر باربرا ڈی مٹکاف (برکلے یونیورسٹی، امریکہ)

العطایا النبویۃ
فی
الفتاوی الرضویۃ
جلد یازدہم
مجدد مائۃ حاضرہ اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خانصاحب بریلوی رضی اللہ عنہ
ناشر
مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی

۲۔ اوشا سانیال (کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ)

۳۔ ڈیوڈ گل مارٹن (کیلیفورنیا یونیورسٹی، امریکہ)

۴۔ ڈاکٹر محمد حنیف اختر فاطمی (لندن یونیورسٹی لندن)

۵۔ پروفیسر سید ایچ حق ندوی (ویسٹ ویل یونیورسٹی، ڈربن، افریقہ)

پاک وہند کی یونیورسٹیوں میں تو پہلے ہی کچھ کام ہو چکا ہے اور کچھ ہو رہا ہے۔ ایم۔ اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے کچھ مقالات لکھے جا چکے ہیں اور کچھ لکھے جا رہے ہیں بعض مقالات پر ایم۔ اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں بھی مل چکی ہیں۔ یہ کام بڑھتا ہی جا رہا ہے تحقیقی مقالات کے علاوہ امام احمد رضا کی نگارشات کی روشنی میں نظریات بھی پیش کیے جا رہے ہیں معقولات پر امام احمد رضا کی عربی، فارسی اور اردو تصانیف، حواشی اور تعلیقات کے سرسری مطالعہ کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اگر ماہرین علوم جدیدہ امام احمد رضا کی نگارشات کا مطالعہ کریں تو وہ اپنے دَور سے آگے دیکھ سکیں گے اور نئے نظریات پیش کر سکیں گے۔ الحمد للہ یہ خیال صحیح ثابت ہُوا۔ حال ہی میں پاکستان کے پروفیسر سید اے۔ ایس پیرزادہ نے عالمی سطح پر "نظریۂ میزان کائنات" پیش کیا ہے، جس کی مغربی سائنسدانوں نے توثیق بھی کر دی ہے، اس نظریہ کے ماٰخذ میں پروفیسر موصوف نے امام احمد رضا کے افکار و نظریات کا بطور ماٰخذ ذکر کیا ہے۔

المختصر معقولات ہوں یا منقولات امام احمد رضا اپنے زمانہ پر چھائے ہوئے بلکہ اپنے زمانہ سے بہت آگے نظر آتے ہیں۔ اپنا ہو یا بیگانہ اُن کی تحقیقات علمیہ کے مطالعہ کے بعد اُن کی بصیرت، وسعت علمی اور دُور اندیشی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

علامہ اقبال

"وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔"

(عبد النبی کوکب: مقالات یوم رضا، حصہ سوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۱۰)

نعتیہ شاعری

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
(جامعۂ پنجاب - لاہور)

مولانا احمد رضا خان ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو روہیل کھنڈ کے مشہور شہر بریلی کے محلہ جسولی میں پیدا ہوئے۔ نسباً پٹھان تھے۔ اور قندھار کے ایک قبیلہ بھڑیچ سے نسبی تعلق تھا۔ ان کے ساتویں پشت میں ان کے جد سعید اللہ خان قندھار سے مغلوں کے زمانے میں لاہور آئے، پھر وہاں سے دہلی اور آخر میں روہیل کھنڈ پہنچے[1]۔ مولانا کے دادا محمد رضا علی خان (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) اور والد محمد نقی علی خان (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) اپنے دور کے فاضل علماء میں سے تھے، جن کی دینی حلقوں میں شہرت تھی، یہ بزرگ متعدد کتب کے مصنف تھے، اور ان کا ایک حلقہ اثر تھا۔ مولانا احمد رضا خان نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ذہین اور صاحب ذوق تھے، اس لئے چودہ سال کی عمر تک تمام مروجہ علوم سے فارغ ہو گئے اور فتویٰ نویسی کی اجازت ملی[2]۔ مولانا کے دیگر اساتذہ میں شاہ ابوالحسین احمد نوری (م ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) مرزا غلام قادر بیگ (م ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) اور مولانا عبدالعلی رام پوری (م ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء) شامل ہیں[3]۔ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ شاہ آل احمد مارہروی (م ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء) سے بیعت ہوئے۔ ویسے مولانا نے خود ۱۳ سے زائد سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت کا ذکر کیا ہے[5]۔ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں مولانا پہلی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین کے لئے حاضر ہوئے، ان کے والد مولانا نقی علی خان ساتھ تھے، اس مبارک سفر میں شیخ احمد بن زین دحلان مکی (م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) مفتی شافعیہ، شیخ عبدالرحمٰن سراج مکی (م ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) مفتی حنفیہ اور شیخ حسین بن صالح (م ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) سے سند حدیث اور سند فقہ، اصول و تفسیر حاصل کی[6]۔ واپسی پر ترویج علوم اور تبلیغ و اشاعتِ دین میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو دوبارہ حاضری

(۱) حیات اعلیٰ حضرت مولانا ظفر الدین بہاری حصہ اول ص نمبر ۱ (۲) تاریخ ادبیات پاکستان و ہند جلد ۵ فارسی ادب ص ۵۹۵، ۵۹۶ (۳) العطایا النبویۃ فی الفتاوی رضویۃ جلد اول ص ۴ (۴) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی ص ۹۴ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۹۵ (۶) حوالہ مذکورہ ص ۹۴

حرمین نصیب ہوئی۔ اس دوران بعض مسائل پر عربی زبان میں علماء حرمین کے سامنے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔

علامہ حسنی کہتے ہیں۔

وأجاب عن بعض المسائل عرضت علیٰ علماء الحرمین وأعجبوا بغزارة علمه وسعته اطلاعه علی المتون الفقهیة والمسائل الخلافیة وسرعة تحریره وذکائه ۷

امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح نے تو برملا اعتراف کیا اور کہا۔

انی لاجد نور اللّٰہ من هذه الجبین ۸

مولانا علم کا ایک بحر زخار تھے، کہ جس جانب بھی ابل پڑتا، سیراب کر دیتا۔ ان کی دلچسپیاں متنوع اور مطالعہ ہمہ گیر تھا۔ حافظہ بلا کا تھا، کہ پڑھا ہوا لفظ بمشکل ہی حافظے سے اوجھل ہوتا تھا۔ اردو، عربی، فارسی، ہندی، پر دسترس حاصل تھی، ذہن رسا تھا۔ اس لئے مسائل کی تہہ تک اتر جانا ان کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے تبحر اور وسعت علمی کا اعتراف ہونے لگا تھا، اور وقت گزرنے کے ساتھ جبکہ ان کی تالیفات زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین تک پہنچ رہی ہیں، ان کی علمی سطوت کا اثر گھمبیر ہوتا جا رہا ہے، مولانا کی بعض مسائل کے بارے میں اپنے ہم عصروں سے علمی مناقشت رہی، بعض عقائد میں فریقین کی جانب سے شدت آمیز لہجہ بھی اپنایا گیا، بات مناقشت سے معاندت تک دراز ہوئی مگر بایں ہمہ مولانا کی علمی وجاہت اور دینی بصیرت کا سب کو اعتراف رہا، علامہ حسنی کو بعض امور میں اختلاف ہے، مگر انہیں اعتراف ہے، کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی

”وکان عالماً متبحراً کثیر المطالعة واسع الاطلاع له قلم سیال وفکر جائل فی التالیف“

اور ایک رسالہ ”الزبدة الزکیة لتحریم سجود التحیة“ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وهی رسالة جامعة تدل علی غزارة علمه وقوة استدلاله“ ۹

مولانا کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان کی نگارشات کے موضوعات متعدد ہیں، ان میں تفسیر، حدیث، عقاید وکلام، فقہ، تجوید، تصوف، تعبیر، تاریخ، سیر، مناقبت، ادب، نحو، لغت، عروض، علم زیجات، جعفر، تکسیر، جبر و مقابلہ، علم مثلث ارثماطیقی، لوگارثم، توقیت، نجوم، حساب، ہیئت

---

(۷) نزھۃ الخواطر بغرائب النواظر ص ۳۹ (۸) تذکرہ علمائے ہند ص ۹۹ (۹) نزھۃ الخواطر بغرائب النواظر ص ۴۰

ہندسہ، ریاضی، فلسفہ، اور منطق شامل ہیں[1]۔

حیرت ہوتی ہے کہ ایک وجود میں یہ بظاہر مختلف النوع علوم کیسے مجتمع ہو گئے ہیں ان کے بعض رسائل جدید علوم کے طلبہ کے لئے خصوصیت سے باعث کشش ہیں ان کی تصنیفات کی تعداد ابھی تک حتمی طور پر واضح نہیں کہ بے شمار رسائل ابھی تک طباعت کے مرحلے سے نہیں گزرے بعض نے پانچ سو تعداد بتائی ہے[2] مگر حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم (قلمی) کے حوالے سے ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے لکھا ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے[3] ان میں بعض رسائل ہیں مگر اکثر ضخیم کتب کی شکل میں ہیں مثلاً۔

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ ۱۲ ضخیم جلدوں میں ہے۔

مولانا کی اس وسعت علمی کا ہر کسی نے اعتراف کیا ہے۔ اور عقیدت مندوں کی جانب سے اس بارے میں آراء اور تبصروں پر مشتمل متعدد رسائل وکتب مرتب کئے جا چکے ہیں۔ اور کثیر ادارے اس مشن میں سمہ وقت شریک ہیں۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، رضا میموریل کونسل کراچی، رضا اکیڈمی کراچی، رضا پبلی کیشنز لاہور، بزم رضا لاہور کے علاوہ بیسیوں نام گنے جا سکتے ہیں اسی طرح علمی دنیا میں مولانا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ حال ہی میں مولانا محمد حسن رضا خان نے مولانا بریلوی کے فقہی مقام پر پٹنہ یونیورسٹی میں ایک تحقیقی مقالہ پیش کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے[4]

مولانا کو عربی زبان میں اک گونہ شغف تھا ان کی متعدد تصانیف عربی میں ہے۔ نثر عربی میں ان کا قلم بڑی سہولت سے مافی الضمیر کو منتقل کر دیتا ہے۔ اور کہیں عجز بیان کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ اردو فارسی میں تو انہیں ادبی مقام اور لغوی سند حاصل ہے۔ ایسا برمحل اور مجمل جملہ لاتے ہیں کہ معانی کی وضاحت کے ساتھ لفظی حسن بھی دیدنی ہوتا ہے۔ ان کے ان علمی کارناموں کی وجہ سے ان کے معتقدین انہیں اعلحضرت فاضل بریلوی اور مجدد مائۃ حاضرہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ (۵)

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد ۵ فارسی ادب ص ۵۹۷ (۲) نزھۃ الخواطر الجز الثامن ص ۴۰ (۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر ۱ ص ۲۸۲ ، من ھو احمد رضا بریلوی الھندی ص ۲۵ (۴) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی ص ۲۳۳ (۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۲۷۹

مولانا اپنی بے شمار دیگر خوبیوں کے علاوہ ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ ان کے اردو فارسی کلام کو تو اس قدر شہرت حاصل ہے۔ کہ اس کے سوائے اکثر شعری نگارشات اور دواوین میں پائے جاتے ہیں۔ نعتیہ شاعری میں انہیں نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں ایک جذب اور کشش ہے۔ بحریں مترنم اور الفاظ فصیح ہیں۔ مولانا کی اردو شاعری کو اکثر آئمہ فن نے سراہا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان کہتے ہیں۔ "یہ غالباً واحد عالم دین ہیں، جنہوں نے نظم و نثر دونوں میں بے شمار محاورات استعمال کئے ہیں۔ اور اپنی علمیت سے اردو شاعری میں چار چاند لگائے ہیں" (٦)

فاضل بریلوی کو عربی شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ اور چونکہ نعت ان کی شاعری کا محور ہے۔ اس لئے عربی میں نعتیہ اشعار ان کے اکثر مجموعوں میں مل جاتے ہیں۔ ڈاکٹر حامد علی خان نے ہندوستان میں عربی شاعری کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر جامع علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کا بیان ہے۔ کہ انہوں نے اپنے طور پر مختلف ماخذ سے عربی اشعار کو یکجا کیا ہے جو مجموعی طور پر ٣٩٠ ہیں[٧] جبکہ محمود احمد قادری کا کہنا ہے۔ کہ ان کے پاس فاضل بریلوی کے ١١٤٥ اشعار موجود ہیں[٨] مگر ١٩٦٠ء سے اب تک یہ صرف اعلان ہے۔ کہ اکثر علماء کی کوشش کے باوجود ابھی تک یہ تمام اشعار کسی مجموعے کی شکل میں زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی کا عربی میں نعتیہ کلام منتشر اوراق اور مخطوطات میں غیر مرتب ہے۔ اور اس سلسلے میں ابھی تک کوئی خاص پیشرفت سامنے نہیں آئی۔ کہ اسے مجموعے کی شکل دی جائے۔ دستیاب اور موجود نعتیہ شاعری سے ان کی ادبی صلاحیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور مضامین نعت کے انتخاب میں ان کا ذاتی جھکاؤ اور دلچسپی بھی معلوم ہو سکتی ہے۔

مولانا کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نقطہ توسل و استغاثہ ہے۔ ان کے ہاں شعری حکایت کا تصور نہیں ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے اپنے دل کی آواز اور روح کی پکار بناتے ہیں۔ ان کا رجحان طبعی خود سپردگی اور جاں دادگی کا غماز ہے۔ کیف آمیز وجدانی احساسات نے ان کی شاعری کو والہانہ پن عطا کیا ہے۔ وہ جس زبان میں بھی اظہار کرتے ہیں یہی طرز ادا اپناتے ہیں۔ بے ساختہ پکار ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔ دربار

---

(٦) ماہنامہ نکر و نظر جنوری ١٩٧٦ء ص ٥٦٨ بحوالہ اردو شاعری اور تصوف غلام مصطفٰے خان ص ٥٦٨

(٧) ماہنامہ المیزان بمبئی امام احمد رضا نمبر ص ٤٤٧ (٨) امام احمد رضا بریلوی کے گیارہ عربی شعر محمود احمد قادری ص ٣۔

رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ طلبی کے لئے پکارتے ہوئے کہتے ہیں۔

رسول اللہ أنت بعثت فینا کریما رحمۃ حفنا حصینا

تخوننی العدی کیدا مُتینا اجیرنی یا أمان الخائفینا [1]

انہیں پناہ گاہ عالم کی ذات ستودہ صفات پر کامل بھروسہ ہے، اسی لئے با اعتماد لہجے میں کہتے ہیں۔

رسول اللہ انت المستجار فلا اخشی الاعادی کیف جاروا

بفضلك ارتجی ان عن قریب تمزق کیدھم والقوم بار وا [2]

جوارك لا یُضام ولا یوا ھد ورکن لا یھد ولا یھید

رسول اللہ انت لنا الرجاء وفضلك واسع وجداك وجود [3]

اللہ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب وہ پناہ گاہ ہے، کہ کسی دکھ یا کرب کا وہاں سے گزر تک نہیں ہے۔

حبیب اللہ من تقرب بہ حفظاً فکل کریھۃ عنہ بعید [4]

اس لئے لاچاروں، بے کسوں کو اسی دربار کی پناہ گاہ تلاش کرنا چاہیئے۔

ولذ برسولہ قلبا نا والحق وعاھدہ من اللہ العھود [5]

اور فی الواقع ایسا ہی ہو رہا ہے۔

بك استغاثۃ الانام فی البلا تکشف عنھم کل ما بہ بلوا [6]

اور اگر قسمت کے مارے نے یہ در چھوڑ دیا تو ہمیشہ کے لئے بے توفیق رہا۔

ما نال خیراً من سواہ نائل کلا ولا یرجی لغیر نائل [7]

اس لئے مولانا کا وظیفہ حیات ہی یہی ہے۔ دین و دنیا کی تمام برکات انہیں کے در اور انہیں کے حوالے سے میسر آتی ہیں۔ دعائیں ان کا وسیلہ قبولیت کا ذریعہ اور کامرانیوں کا واسطہ ہے۔

---

(۱) حدائق بخشش حصہ سوم ص ۸۱، العطایا النبویۃ الفتاوی رضویۃ جلد اول ص ۱۷۱ (۲) حوالہ جات مذکورہ (۳) آمال الابرار ص ۲۱ (۴) حوالہ مذکورہ ص ۲۲ (۵) حوالہ مذکورہ ص ۱۲ (۶) مولانا احمد بخش کا قصیدہ قلمی نسخہ ص ۳ (۷) حدائق بخشش حصہ سوم ص ۸۱ العطایا النبویۃ فی الفتاوی رضویۃ جلد اول ص ۵۲۵

هنئ الرعاهنئ العطاهنئ المدد | فی الدین و الدنیا و الاخری للابد
اللّٰھی الیک بالحبیب توسلی | بہ فاغفر اللّٰھم ذنبی و زلتی
فالی العظیم توسلی | بکتابہ و باحمد
و بمن اُتی بکلامہ | و بمن ھدی و بمن ھُدی
و بطیبۃ و بمن ثوت | و بمنبر و مسجد [1]

انہیں محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم سے امید ہے کہ آپ نے سرشت حیا کے صدقے ان کی لاج رکھ لیں گے۔ اس لئے طلب عفو میں کفایت کرے گی۔

أ اذکر حاجتی ام قد کفانی | حیاؤک ان شیمتک الحیاء [2]
کریماً لا تغیرہ ذنوب | عن الخلق الکریم و لا جفاء
فان اکرمتنا دینا و اخری | ولیس بجودک تنقصہ دلاء [3]

مولانا اس وارفتگی میں اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے ترانے گاتے، اور خصائص عالیہ شمار کرتے جاتے ہیں لیکن فضائل و شمائل کا تذکرہ تمہید ہوتا ہے ان کی اپنی روداد غم کے تذکرے کی، اس لئے صرف مدح ان کے ہاں نہیں ملتی، انہوں نے ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے مشاہدہ نہیں کیا، نہ ظاہر میں نہ تصور میں۔ بلکہ وہ انہیں اپنے قلب و جگر میں جاگزیں پاتے ہیں۔ اس لئے عرضداشت کا رنگ سرگوشی کا سا ہے۔ اور جہاں پکار ہے، تو وہ سرفرازی قسمت کا بے ساختہ اظہار ہے۔ ہمہ وقت قرب پانے کے تصور سے مدام اسلام کا خیال ابھرتا ہے۔ اس لئے مولانا کبھی ان کے کرم کی بھیک مانگتے ہیں، تو کبھی ہدیے نذر کرتے ہیں۔ درود و سلام بھی ان کی شاعری کا معتد بہ حصہ ہے۔ مگر حوالہ ذات اس حصہ کلام میں بھی موجود ہے۔ مثلاً

و افضل الصلوات الزاکیات علی | خیر البریۃ منجی الناس من سقر [4]

ایسا درود جو ہمہ وقت ہو، ایسا سلام جو دائمی ہو۔

صلاۃ لا تُحدُّ و لا تُعدُّ | و لا تُفنی و ان فَنیتْ اُبودٌ

---

(۱) حدائق بخشش حصہ سوم ص ۱۰۱ (۲) العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ جلد اول ص ۳۱ (۳) قلمی نسخہ روایت مولانا ضیاء الدین مدنی (۴) قلمی نسخہ روایت مولانا ضیاء الدین مدنی، حدائق بخشش حصہ سوم ص ۹۶

نمونہ کلام عربی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُتَوَحِّدِ بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ

وَصَلَاتُهُ دَوَامًا عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ هُمْ مَاوٰی عِنْدَ شَدَائِدِیْ

فَاِلَی الْعَظِیْمِ تَوَسُّلِیْ بِکِتَابِهٖ وَ بِاَحْمَدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْمَوْتُ حَقٌّ مَا لَهُ مِنْ مَجَاءٍ — مُتَیَقِّنٌ وَالنَّاسُ فِیْ إِنْسَاءٍ

أَنْسَاهُمُ إِلَّا نِسَاءٌ فِیْ آجَالِهِمْ — مَعَ مَا یَرَوْنَ مِنْ آیِهِ بِوَلَاءٍ

اَلنَّقْصُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَثِمَارِهِمْ — وَالْأَخْذُ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ

تُحِبُّوا لِفَانِیَةٍ غَدَتْ مَحْفُوفَةً — وَبَدَتْ مِنَ الْخَضْرَاءِ وَالْغَبْرَاءِ

اَلطِّفْلُ شَبَّ وَشَابَ وَهُوَ کَمَا بَدَا — یَلْهُوْ وَیَلْعَبُ نَاسِیًا لِلْقَضَاءِ

عَبْدَ الْغَنِیِّ مَضَیْتَ حِیْنَ تَقَضَّیْتَ — اَلْحُبُکُ مِنْ أُلْکَایَةِ فُلْتَةِ الْخُبَثَاءِ

بِنِدَاءِ رَسُوْلِ اللهِ ثُمَّ بِشَفَاعَةٍ — وَجَزَاءُ رَبِّ الْعَرْشِ خَیْرُ جَزَاءٍ

یَا مَالِکَ النَّاسِ النَّبِیَّ الْمُصْطَفٰی — اِشْفَعْ لِعَبْدِکَ دَائِمًا لِبَلَاءٍ

رَقَمَ الرَّحْمٰنُ تَارِیْخَهُ مُتَفَائِلًا

عَبْدُ الْغَنِیِّ بِجَنَّةٍ عَلْیَاءِ ھ

سلامٌ لا یمنُّ ولا یمانی ولا یبلی متی بلیت عُھُوْدُ ۵

وصلاتہ دوما علی خیر الانام محمد

وآدم صلاتک والسلام علی الحبیب الاجود

ما غردت ورقا علی جانٍ کغیر مغرد ۶

فاضل بریلوی کی شاعری کا محور جذبۂ عشق ہے۔ ایسا عشق جو اپنے اظہار میں مودب ہے مگر کبھی کبھی جب محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں کچھ خلاف مزاج بات پاتے ہیں تو ان کی کاٹ شدید ہوتی ہے۔ عربی شاعری اور خاص طور پر نعتیہ شاعری میں یہ لمحات کم آتے ہیں۔ اس لئے مولانا کی مدحیہ شاعری پر عموماً عقیدت مندانہ جوش اور موہنانہ جمال طاری ہے۔

مولانا کو نقد شعر میں بھی ماہرانہ ملکہ حاصل تھا۔ مولانا احمد بخش نے ۱۱۴ شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ برائے اصلاح روانہ کیا۔ مولانا ان دنوں بیمار تھے پھر بھی اصلاح فرمائی۔ ۱۱۴ میں سے ۱۰۱ شعروں میں ترمیم و تبدیلی کی۔ اور ۲۶ شعر ہی بدل کر نئے شعروں کا اضافہ کر دیا۔ اصلاح میں نحوی، لغوی اور عروضی تمام پہلوؤں کا خیال رکھا گیا۔ اور مضامین شعر کی حیثیت کو بھی پیش نظر رکھا۔ مثلاً شعر یہ تھا۔

یا من شمال للیتامیٰ والمسا کین ومن عیلی والارامل

ترمیم:- یا خیر کھف .... لاذ بہ المعیل

وجہ ترمیم یہ لکھی:- حذف مبتدا اور عیلی بمعنی معیل میرے خیال میں نہیں۔ اور یہاں مفعول نامطبوع اور تاسیس بھی (۱)

یا مثلاً یہ شعر تھا۔ لکننی ابنی شغفت بہ حبا ولکن قد تیا ھلٖ

ترمیم:- مولای لی ابن قد شغفت بہ حبا ولکن اراہ یعمل

وجہ ترمیم:- ابنی میں ہمزہ وصل ہے۔ اور یہاں فاعلن نامطبوع اور تساہل غالباً متعدی بنفسہ نہیں ہوتا۔ اور تاسیس تھی۔ اور پہلا لکن بے محل سا تھا (۲)

اسی طرح پورے قصیدے میں اپنے تنقیدی شعور اور اصلاحی صلاحیت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔

۵۔ امال الابرار ص ۲۲ ۶۔ حدائق بخشش حصہ سوم ص ۷ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ جلد اول ص ۳۷

(۱) قصیدہ مولانا احمد بخش مع ترمیم قلمی نسخہ ص ۳ (۲) حوالہ مذکورہ

نظریۂ مدوجزر

پروفیسر محمد ابرار حسین گورنمنٹ کالج راولپنڈی

امام احمد رضا خان کو اپنے ہم عصر علمائے کرام میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ آپ کئی علوم عقلیہ میں بھی کمال کی مہارت رکھتے تھے۔ اس کا بیّن ثبوت آپ کی مایۂ ناز تصنیف "فوزِ مبین" ہے جس کا مقدمہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کے پرمغز تعارف کے ساتھ "معارفِ رضا" (شمارہ ۱۹۸۳ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ اس تصنیف کے نفسِ مضمون سے متعلق راقم الحروف کا ایک مقالہ "معارفِ رضا" (شمارہ ۱۹۸۵ء) میں چھپ چکا ہے۔ "فوزِ مبین" میں امام احمد رضا خان نے حرکتِ زمین کے نظریے کو عقلی دلائل سے رد کیا ہے۔ مروجہ نظریے کا سرچشمہ نیوٹن کا نظریہ جاذبیت اور کشش ثقل ہے اس تصنیف میں ان نظریات کا انتہائی موثر انداز میں اعلان کیا گیا ہے۔

ہم لوگ بھی جو علوم عقلیہ انگریزی زبان میں پڑھ چکے ہیں نیوٹن کی شہرۂ آفاق کتب کے انگریزی تراجم کو آسانی سے نہیں سمجھ پاتے۔ کئی اصطلاحات تبدیل ہو چکی ہیں۔ پرانے ریاضیاتی عوامل طویل ہیں۔ طرزِ استدلال واضح نہیں۔ حیرانی کی بات ہے کہ امام احمد رضا خان جن کی لاطینی یا انگریزی دانی کا کوئی ثبوت نہیں کس طرح نیوٹن پر عبور حاصل کر سکے ان کا نیوٹن کی تصانیف کا مطالعہ بہت عمیق تھا جیسا کہ فوزِ مبین کے حواشی سے ظاہر ہے جہاں آپ نے نیوٹن کی تصانیف کے حوالہ جات درج کئے ہیں۔ علاوہ ازیں نیوٹن کی تصانیف میں تضادات اور ابہامات کی کئی جگہ نشاندہی کی ہے۔

نیوٹن نے اپنے نظریات کی تائید میں جن شواہد کو پیش کیا ہے ان میں مدوجزر کافی اہم ہے مدوجزر میں کافی خصوصیات ایسی ہیں جن سے نیوٹن کے نظریات کو تقویت پہنچتی ہے اس لئے اس نے ان کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ "فوزِ مبین" میں بڑے انداز سے نیوٹن کے استدلال کو رد کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں اسی ابطال کا ایک خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مدوجزر اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ بحری تجارت، بندرگاہوں کا نظام، دلدل زمین کی بازیابی ساحل پر موجوں کا اترنا۔ ان سب میں مدوجزر کا کردار بڑا اہم ہے۔

مقدمۂ "فوزِ مبین" کے نکتہ ۱۶ میں نیوٹن کے حوالہ سے مدوجزر کی اہم خوبیاں یہ دی گئی ہیں۔

"ہر شبانہ روز میں (دراصل ۲۴ گھنٹہ ۵۰ منٹ کے وقفہ کے) دوران) دوبار سمندر میں مدوجزر ہوتا ہے.....
جس وقت زمین کے اس طرف اٹھتا ہے ساتھ ہی دوسری طرف بھی یعنی قطر زمین کے دونوں کناروں پر ایک ساتھ
مد ہوتا (اور ایک ساتھ جزر) یہ جذب قمر کا اثر ہے۔ لہٰذا جب قمر نصف النہار پر آتا ہے اس کے چند ساعت بعد
حادث ہوتا ہے۔ آفتاب کو بھی اس میں دخل ہے لہٰذا اجتماع و مقابلہ نیرین کے ڈیڑھ دن بعد سب سے بڑا
مد ہوتا ہے (اسی طرح سب سے چھوٹا جزر) مگر اثر شمس بہت کم ہے ..... جاڑوں میں صبح کا مد شام کے مد سے
زیادہ بلند ہوتا ہے اور گرمیوں میں بالعکس چھوٹے سمندروں، بڑے دریاؤں اور ان پانیوں میں جن کو خشکی محیط ہے
نہیں ہوتا۔

زمانہ قدیم سے قمر کو مدوجزر کا سبب مانا جاتا رہا ہے۔ قمر اور مدوجزر کی کئی خصوصیات میں مطابقت
پائی جاتی ہے۔ ۲۴ گھنٹہ ۵۰ منٹ وہ وقفہ ہے جس کے دوران زمین ایک بار چاند کے حوالہ سے گھوم جاتی
ہے۔ دو متواتر مدوں کی بلندی میں عدم مساوات پائی جاتی ہے لیکن یکے بعد دیگرے مدوں کی بلندی تقریباً
برابر ہو جاتی ہے یہ بھی قمر کے خط جدی، خط استوا یا خط سرطان پر قمری یوم کے دوران واقع ہونے کے
مطابق ہے۔ مہینہ کے دوران دو سب سے بڑے مد ہوتے ہیں (ہر ۱۴ ½ دن بعد) جن کی بلندی عام مد
سے تقریباً ۲۰ فیصد زیادہ ہوتی ہے یہ ماہ نصف اور ماہ کامل سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اسی طرح دو سب سے
چھوٹے جزر اس وقت ہوتے ہیں جب قمر اور آفتاب زمین کے لحاظ سے ۹۰ پر ہوں قمری ماہ میں چاند ایک
بار زمین کے نزدیک ترین ہوگا اور اس دن سب سے بڑا مد ہوگا اور اسی طرح ایک دن دور ترین ہوگا جس پر
سب سے چھوٹا جزر ہوگا۔

نیوٹن نے مدوجزر کا ہونا جذب قمر کو قرار دیا ہے۔ اس کی رد میں اعلیٰ حضرت نے جو دلائل دیئے ہیں ان
میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) چاند زمین کے ایک طرف واقع ہے قطر کے زمین کے دوسرے کنارے پر مد کس طرح واقع ہو گیا
یہ جذب نہ ہوا رفع ہوا۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ دوسری جانب زمین میں پانی سے زیادہ جذب ہوا اور وہ
قریب تر ہو گئی جس سے پانی اڑ گیا، آجکل اس حقیقت کو TRACTIVEFORCE کی کارکردگی قرار دیتے ہیں
یہ قوت زمین کے متوازی ہوتی ہے۔

(۲) کرہ زمین کو آب و خاک کا مجموعہ قرار دیا گیا ہے اور جذب صرف آب پر ہوتا ہے جو گزشتہ بیان کی

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

رسالۂ عجیبہ

در

رَدِّ فلسفۂ قدیمہ

موسوم بہ

اَلْکَلِمَۃُ الْمُلْہَمَۃ

از افادات مجدد مائۃ حاضرہ امام علوم عقلیہ و نقلیہ
اعلحضرت عظیم البرکۃ الحاج مولٰنا شاہ احمد رضا خان
صاحب بریلوی قدس سرہ القوی

رسالہ جبر و مقابلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

نفی ہے۔

(۳) اگر تمام اجزا جدا جدا حرکت کر رہے ہیں تو ہوا کو جو کہ اقرب بھی اور الطف بھی حرکت کرنا چاہیے تھا اور "اس طرح "نہ سطح زمین پہ پانی ہوتا اور نہ سطح آب پر ہوا۔ ہر دو کے بیچ میں خلا ہوتا"

(۴) کشش قمر سے مد ہوتا تو اس وقت ہوتا جب قمر عین نصف النہار پر تھا لیکن یہ ہوتا اس وقت ہے جب نصف النہار سے گزرے قمر کو گھنٹے ہو چکتے ہیں۔ نیویارک میں یہ تفاوت تقریباً پونے آٹھ گھنٹے ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پانی کا سکون اسے فوراً اثر جذب قبول نہیں کرنے دیتا۔ اعلیٰ حضرت نے اس سے کچھ نتائج اخذ کئے ہیں۔

(ا) انجماد سبب اشتداد سبب سے زیادہ مؤثر ہے۔

(ب) جب پانی مقاومت کرتا ہے تو زمین اس سے زیادہ مزاحم ہوگی۔ دوسری جانب کا مد زمین کے اثر پذیر ہونے سے تھادہ دیر میں اثر قبول کرے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں مد ایک ساتھ نہ ہوں۔

(ج) دو کی بجائے چار مد ہونے چاہیں دو پانی کے متاثر ہونے سے اور دو زمین کے متاثر ہونے سے یہ بھی ہو سکتا ہے جانب مواجہ قمر میں چار ہوں اور طرف مقابل میں دو کہ بائیا ع زمین ہیں۔

(۵) جذب کے اثر میں دیر کی وجہ قعر دریا اور کناروں میں پانی کی حرکت بھی بتائی گئیں۔ اس کا بھی ابطلان کیا گیا ہے کہ نہ قعر میں ہوا اور نہ اوپر کی ہوا کا قعر پر اثر ہوتا ہے۔ کناروں کی حرکت ہوا سے ہے۔

(۶) چھوٹے پانیوں میں مد کیوں نہیں ہوتا۔ دریاؤں کے دہانوں میں جہاں وہ سمندر میں گرتے ہیں مد واقع ہوتا ہے لیکن وہ دریائی مد نہیں ہے سمندری مد ہے۔ اس کے مختلف جواز دیئے گئے ہیں۔ پانی چھوٹے ہوتے ہیں قمر جب سمت الراس پہ آتا ہے سارے پانی کو ایک ساتھ کھینچتا ہے اس صورت میں اس کا گھٹنا بڑھنا ضرور محسوس ہونا چاہیئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قمر سمت الراس سے جلد گزر جاتا ہے اور پانی چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس پر اثر نہیں ہونے پاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو بڑے سمندر میں بھی اثر نہیں ہوتا۔

(۷) سوائے وقت اجتماع و مقابلہ پانی پر نیرین کا گمر ہر روز جدا جدا ہوتا ہے کیا آفتاب پانی کو جذب نہیں کرتا۔ اگر یہ نسبت قمر بعید تر ہے تو دونوں کے مادوں کو نسبت کا بھی خیال رکھا جائے۔ اس لحاظ سے جذب شمس زاید ہونا تھا اور چار مد ہوتے دو قمر سے اور دو شمس سے لیکن ہوتے دو ہی ہیں۔ اس لئے جذب شمس نہیں تو جذب قمر بالاولیٰ نہیں۔

(۸) مجذوب کو موقع جاذب کا اتباع لازم ہے۔ قمر اپنی سیر خاص سے جس میں رو بمشرق ہے دو گھنٹے میں کما بیش ایک درجہ چلتا ہے اور اتنی ہی دیر میں نیوٹن کے نظریہ کے مطابق زمین ۳۰ درجے مشرق کو چلتی ہے تو قمر ہر گھنٹے پر ساڑھے چودہ درجے مغرب کو پیچھے رہ جاتا ہے تو مد کو لازم ہے کہ مشرق سے مغرب کو جائے لیکن اس کے خلاف ہوتا ہے۔

(۹) مد کی چال تجدد امتثال سے ہے۔ اوقیانوس شمالی میں جہاں قمر پانی سے جنوب کو ہے ضرور ہے کہ پانی کا جنوبی حصہ پہلے اٹھے پھر جو اس سے شمالی ہے کہ اقرب فالاقرب۔ مد کی چال جنوب سے شمال کو اور اسی دلیل سے اوقیانوس جنوبی میں شمال سے جنوب کو حالانکہ ہوتا بالعکس ہے

(۱۰) مد کی چال مختلف مقامات پر مختلف ہے کہیں ۷۰۰ میل ہے تو کہیں ۳۰ ہی میل۔ جذب قمر میں یہ اختلاف کیوں؟ بالجملہ جذب قمر راست نہیں آتا رہا۔

ان تمام کا ماحصل یہ ہے "دوران یعنی وجود و عدم میں دو شے کی معیت ایک کے لئے دوسرے کی علیت پر دلیل نہیں نہ کہ بعد بہت ہاں ان شناعات سے آنا خیال جائے گا کہ علت کو ان اوقات سے کچھ خصوصیت ہے۔ اگر کہیئے علت کیا ہے۔....... ہمارے نزدیک ہر حادثہ کی علت محض ارادۂ اللہ جل وعلا ہے

ڈاکٹر وحید اشرف

(ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

بڑودہ یونیورسٹی (بھارت)

" دنیائے اسلام میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں جنھوں نے اپنے علم وعقل اور بصیرت سے ساری دنیا کو مستفیض ومتحیر کیا ہے۔ ابن سینا، عمر خیام، امام رازی، امام غزالی، البیرونی، فارابی، ابن رشد وغیرہ وہ شخصیتیں ہیں جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائے گا۔ ان میں کوئی فلسفہ وحکمت کا امام ہے، کوئی ریاضی وہیئت کا، کوئی فلسفۂ اخلاق کا اور فلسفۂ یونان کا۔ لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت سرزمین ہندوستان میں پیدا ہوئی اور موجودہ صدی ہی میں اس نے دنیا کو الوداع کہا۔ مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت ایسی پہلو دار اور جامع علوم ہے کہ آپ کے کسی پہلو پر سیر حاصل بحث کے لیے اس فن کا ماہر ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ "

(انوارِ رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۵۴۷)

مسببات کو جو اسباب سے مربوط فرمایا ہے سب کا جان لینا ہمیں کیا ضرور بلکہ قطعاً نامقدور۔"

مدوجزر کے کئی نظریات ہیں۔ ان کے جائزہ لینا یہاں ممکن نہیں دو نظریات کا ذکر برمحل ہے۔ ایک نظریہ جس کو PROGRESSIVE WAVE THEORY کہتے ہیں اس حقیقت پر مبنی ہے کہ جنوبی نصف کرہ میں ۴۰ اور ۶۵ جنوب عرض البلد کے درمیان سمندر کا ایک نہ ٹوٹنے والا سلسلہ کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے اور اس سمندر میں مغربی ہوائیں آزادانہ تیزی سے چلتی ہیں اس طرح وہ مدوجزر کی لہریں پیدا ہوتیں جو مغرب کی جانب زمین کے گرد اگرد رواں ہیں۔ اسی طرح کی مدوجزر کی لہریں شمال کی جانب بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل میں نکل جاتی ہیں۔ یہ نظریہ کافی سادہ تھا لیکن مدوجزر کی کچھ خصوصیات کی توجیہ دینے سے قاصر تھا۔

دوسرا نظریہ OSCILLATION اس اصول پر مبنی ہے کہ پانی کے ایک جسم کو مدوجزر پیدا کرنے والی قوتوں کے ذریعہ باقاعدہ نشیب و فراز کی حرکت میں دیا جا سکتا ہے۔ اس نظریہ میں کافی خوبیاں ہیں اس نکتے کے آخر میں اعلیحضرت نے ہمارے سائنسدانوں کو ایک اور نظریہ کی دعوت فکر دی ہے۔

"ہمارے یہاں تو ثابت ہی تھا کہ سمندر کے نیچے آگ ہے۔ قرآن عظیم نے فرمایا۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝

حدیث میں ہے

اِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا۔ ہیئات جدیدہ بھی مانتی ہے ۱۵۰۶ء میں بحر الکاہل سے دھواں نکلنا شروع ہوا مادہ آتشی کہ قعر دریا سے نکلا تھا مجتمع و منجمد ہو کر سطح آب پر بشکل جزیرہ ہو گیا اس میں سوراخ تھے جن سے ایسے شعلے نکلتے کہ دس میل تک روشن کرتے۔ طوفان آب کے اسباب سے ایک سبب دریا کے اندر بخار و دخان کا پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی بخارات اندر سے آتے اور پانی کو اٹھاتے ہوں، یہ مد ہوا جیسے جوش کرتے ہیں پانی اونچا ہوتا ہے ان کے منتشر ہونے پر پانی بیٹھتا ہے یہ جزر ہوا۔ جاڑوں میں صبح کا مد زیادہ ہونا بھی اس کا مؤید ہے سرما میں صبح کو تالابوں سے بکثرت بخارات نکلتے ہیں کنوئیں کا پانی گرم ہوتا ہے۔ سطح ارض پر استیلائے برد کے سبب حرارت باطن کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور رات بڑی اس طویل عمل حرارت سے اور بخارات زیادہ اٹھے اور پانی میں زیادہ بلند ہونے کی استعداد آگئی۔ واللہ بکل خلق علیم۔"

امام احمد رضا اور فنِ تاریخ گوئی

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بیسوی صدی کے عالم اسلام میں امام احمد رضا خان کی شخصیت منفرد اور نمایاں ہے۔ کچھ ہی نابغۂ روزگار شخصیتیں ان کی صف میں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ اگر کسی کو کسی فن میں ان کے ساتھ مماثلت ہے تو کئی وجوہ سے وہ شخصیتیں ان کمالات سے عاری ہوتی ہیں جن میں انھیں تفوق حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاید معتقدین کے علاوہ مخالفین نے بھی ان کی صلاحیت، علم دوستی، علمی تبحر اور دینی تصلب کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کی زندگی کا ہر لمحہ خدمتِ دین میں گزرا ہو اس کی راست بازی، دیانت داری اور دینی حمیت کا کیا کہنا۔ کیوں کر ایسے شخص کو فراموش کیا جا سکتا ہے۔ یہ الگ سی بات ہے کہ تعصب میں مؤرخین کچھ سے کچھ لکھ دیں اور حقائق سے انحراف کرتے ہوئے شایانِ شان ان کی عظمت و جلالتِ قدر کا اظہار نہ کریں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میدان تاریخ کے وہ شہ سوار جو کچھ امور میں ان سے اختلاف رکھتے تھے جب کاغذ قلم سنبھالا تو نہ جانے کیسے کیا لکھ ڈالا جس کی وجہ سے اہل علم تک ان کی شخصیت مشتبہ ہو کر پہنچی۔ اس قول کی تائید اور اس دعویٰ کی دلیل میں مولانا عبدالحئی رائے بریلوی کی نزهة الخواطر پیش کی جا سکتی ہے (۱) اس کتاب میں ان کا تذکرہ کم تنقید زیادہ ہے۔

یہ مسلّم ہے کہ جو جتنا بڑا ہوتا ہے اس کے مخالفین بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ امام احمد رضا خان کتنے بڑے تھے اور ان کے کتنے مخالفین تھے اس کا اندازہ مشکل ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ ان کی عظمت سمجھنے کے لئے معاصرین کی آراء اور ان کے افکار و خیالات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ سر دست صرف میں اتنا عرض کروں گا کہ اس سے بڑھ کر ان کی عبقریت کی اور کیا دلیل ہو

سکتی ہے کہ ۵۵ علوم میں انھیں مہارت حاصل تھی اور پھر ان فنون میں چھوٹی بڑی ایک ہزار کتابوں کے مصنف تھے۔ (۲) ان میں بعض بعض کتابیں ایک ہزار سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ فقہ میں تو انھیں یدطولیٰ حاصل تھا۔ ڈاکٹر اقبال، مفتی کفایت اللہ اور مولانا عبدالحیٔ رائے بریلوی ان کے فقاہت کے دل سے معترف تھے (۳) عالم اسلام میں علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کے بعد شاید ہی کوئی ایسا ہو جو اسقدر علوم و فنون میں دسترس رکھتا ہو۔ (۴) یہ اسی علمی تبحر کا نتیجہ تھا کہ وہ عرب جو اپنے عجمیوں کو گونگا سمجھتے ہیں انھوں نے مولانا احمد رضا خان کی علمی جلالت کا اعتراف کیا۔ مدح سرائی کی اور اجازات سے نوازا۔ ایسے لوگوں میں امام شافعیہ، شیخ حسین بن صالح (متوفی ۱۳۰۲ھ) شیخ محمد مختار بن عطارد الجادی مسجد حرام مفتی مکہ مکرمہ، شیخ موسیٰ علی شامی ازھری مدنی، شیخ عطیہ محمود مدرس مسجد حرام، شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد خطیب مسجد حرام کو شمار کرایا جاسکتا ہے۔ ان میں سے تو بعض حضرات نے ان کو امام الامۃ اور "مجدد امت" جیسے گراں قدر الفاظ سے سراہا ہے۔

۵۔ امام احمد رضا خان نے کس نہج سے تعلیم حاصل کی کہ ان کی شہرت بساطِ ارض پر پھیل گئی اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان (متوفی ۱۲۹۷ھ) اور عالی جناب مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی۔ انھیں خداداد ذہانت اور بلا کا حافظہ حاصل تھا کہ علوم متداولہ میں دسترس حاصل کرنے کے علاوہ ان فنون میں بھی یگانہ روزگار ہوگئے جس کی اور لوگوں کو ہوا بھی نہیں لگتی۔ شاید اسی وجہ سے انھیں کچھ امور میں امام ابوحنیفہ امام غزالی جیسے مشاہیر کی صف میں کھڑا کیا گیا ہے۔ تہذیب الاخلاق (علی گڑھ) میں تحریر ہے۔

> "ایسے بیشتر افراد ملیں گے جنھیں دینی علوم کے علاوہ ہر قسم کے دنیوی علوم میں بھی دستگاہ حاصل تھی اس دور کے نظام تعلیم نے بڑے بڑے فقیہہ، متکلم سائنسدان ماہر ریاضیات، ادیب اور سیاستداں پیدا کئے۔ انھی میں سے امام ابوحنیفہ، امام غزالی، ابن سینا، البیرونی، ابن خلدون، خیام، امیر خسرو، ابوالفضل فیضی اور فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان جیسے مشاہیر بھی ہیں۔ (۶)

ظاہر ہے کہ ایسے لوگ صدیوں میں جنم لیتے ہیں اور اپنے کردار و عمل سے اس صدی کی عزت و آبرو

الحمد للہ

امام اہلسنت تابع سنت ناصر ملت مجدد مأتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ
جناب مولانا مولوی مفتی احمد رضا خاں صاحب نے جو مکہ معظمہ میں
چار رسالے تصنیف فرمائے ان کا ایک رسالہ مسمی بنام تاریخی

کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم
۱۳ ۲۴

مع ترجمہ مسمی بنام تاریخی

نوٹ کے متعلق مسائل
۱۳ ۲۹

اس رسالہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے سود چھوٹ جائے۔ اس میں وہ شرعی صورتیں
بتائی ہیں کہ نفع خاطر خواہ لے وقت لو۔ اور سود نہ ہو۔ بڑا بدنصیب ہوگا وہ جو اس کے
بعد بھی سود لینے کا نام لے۔ آخر میں رسالہ مسمی بنام تاریخی

کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم
۱۳ ۲۹

کا ترجمہ مسمی بنام تاریخی
جس میں مولوی گنگوہی صاحب جناب مولوی لکھنوی صاحب الذیل المنوط لرسالۃ النوط کے فتووں کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔

شبیر برادرز ۰ اردو بازار لاہور ۲

قربانے ہیں اور اس صدی کا انتساب بھی انہی کی طرف ہونے لگتا ہے جس طرح "عصر المامون" "عصر الجاحظ" (۷) اور فرانس کی اٹھارہویں صدی عیسوی کا زمانہ "فولتیر" کے کارناموں سے منسوب ہو کر مشہور ہو گیا تھا۔ اعلیٰحضرت نصف صدی سے زائد ہمارے درمیان رہے اور گوشۂ تنہائی میں ہوتے ہوئے عالم اسلام پر چھائے رہے۔ ۱۹۲۱ء سے بظاہر ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر عالم اسلام کے ہر حق پرست سینوں میں انمٹ نقوش کی طرح ثبت ہیں۔ علوم و فنون کا کونسا ایسا شعبہ ہے جس میں ان کی سربراہی مسلم نہ رہی ہو۔ قرآن و احادیث کی مشکل عبارتوں کی توضیح کے ساتھ تجرباتی علوم یعنی موجودہ سائنس کی پیچیدہ گتھیوں کو بھی سلجھایا کرتے تھے۔ زیادہ وقت تو درس و تدریس اور از کار و اشغال میں گزر جاتا مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی انھوں نے سب کچھ کر دکھایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا احمد رضا خان شعر و سخن کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے اور اس میں طرح طرح کی جدت پیدا کرتے۔ نئی نئی تلمیحات میں بڑی خوش اسلوبی سے دل کی بات کہہ جاتے۔ یہی حال فن تاریخ گوئی اور دوسرے فنون کے ساتھ بھی تھا۔ قربان جائیے ان کی گوناں گوں خوبیوں اور علمی بصیرتوں پر۔ ایک طرف تو عالم ربانی کہ مسند افتاء سنبھال کر العطایا النبوتہ فی الفتاوی الرضویہ کی ایک ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ۱۲ ضخیم جلدیں قوم کو دیں تو دوسری طرف سائنس اور عقلی علوم کے ان باطل نظریات کی تردید کی جو قرآن و حدیث سے دست و گریباں نظر آتے تھے۔ ان کے یہاں شخصیت کا معیار علمی بصیرت پر تھا۔ بڑے بڑے مفکروں کی غلط بیانی یا خلاف واقعہ کوئی بات کہنے پر بلا چون و چرا تردید کرتے اور پھر کلام ربانی سے بے باکانہ طور پر اپنے کلام کی تائید کرتے۔ شعر و سخن میں انھوں نے جو نادر خیالات اور اچھوتے اشارات پیش کئے ہیں۔ اردو کے ان شعراء کے یہاں بھی وہ نہیں پائے جاتے جنھیں اردو ادب کا معمار تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی لئے ایک انصاف پسند مورخ نے لکھا ہے:

"مولانا احمد رضا خان کو اردو ادب میں مقام نہ دینا ان کے ساتھ اور اردو کے ساتھ ناانصافی ہے۔ کیا کیجئے! تعصب و تنگ نظری کے شکار صرف مولانا احمد رضا خان ہی نہیں بلکہ وہ لوگ بھی ہیں جو ان سے کسی طرح وابستہ ہے۔ میرا اپنا تو خیال یہ ہے کہ اردو ادب ہی کیا کس فن میں ان کو ان کا جائز مقام ملا؟ ان کے فتاویٰ نویسی کی کوئی مثال ہے؟ تجرباتی علوم میں ان کی کوئی نظیر ہے؟ عربی ادب میں ان کا کوئی جواب ہے؟ معقولات میں ان کی کوئی مثال ہے؟ ہندوستان میں کونسا ایسا شخص ہے جس کی ایک ہزار سے زائد تصنیفات ہیں؟ کیا کہا جائے؟ کس سے کہا جائے؟ کس کا اظہار کیا جائے؟ کس کس کا مداوا ڈھونڈا جائے؟

ایک دل ہی نہیں جسم ہے سارا چھلنی　　　　درد بے چین ہے بے چارہ کہاں سے اٹھے

فاضل بریلوی ان تمام خوبیوں کے باوجود دیگر سماجی مسائل میں بھی ہمیشہ چاق و چوبند نظر آتے تھے۔ علماء و سادات کا احترام، مردم شناسی، بچوں سے پیار و محبت، عام لوگوں کے ساتھ مخلصانہ برتاؤ کبھی کسی معاملے میں کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح دھیان دیتے کہ بس! فرائض تو فرائض نوافل و مستحبات پر بھی عمل ضروری سمجھتے۔ آج کل قوم و ملت کے سربراہان جن چھوٹی

باتوں سے غفلت برتتے رہتے ہیں۔ اس پر عمل ان کے یہاں معمول میں داخل تھا۔ لفظ "محمد" سنتے تو صلی اللہ علیہ وسلم ضرور پڑھتے۔ سوتے وقت جسم کو لفظ محمد کی شکل بنا لیتے۔ نہ تو کبھی قبلہ کی طرف پاؤں کرتے اور نہ کبھی اس کی طرف رخ کرکے تھوکتے۔ جماہی لیتے وقت دانتوں میں انگلی دبا لیتے۔ آواز نہ پیدا ہونے دیتے۔ بلند آواز (قہقہہ) سے نہ ہنستے۔ کیا کیا بیان کیا جائے سراداقابل جان فدا، ہر عمل قابل عمل یہ جو کہا کچھ بھی نہ تھا ان کی شخصیت جو کچھ کہا اس سے سوا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے۔

"جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود"

تاریخ گوئی

تاریخ گوئی ایک بہت ہی مشکل فن ہے۔ اس فن کا ریاضی سے بڑا گہرا ربط ہے۔ اس میں کمال حاصل کرنے کے لئے ریاضی سے گہری وابستگی بے حد ضروری ہے۔ اس فن کے ماہرین کی فہرست طویل تو نہیں مگر مختصر ضرور مل جاتی ہے۔ شعراء و ادباء کے یہاں یہ فن خصوصی اہتمام کے ساتھ پایا جاتا ہے اس فن کا تعلق صرف کسی ایک زبان سے نہیں بلکہ عربی، اردو، فارسی، ہندی اور سنسکرت سے بھی ہے۔ انگریزی زبان میں بھی تاریخ گوئی کا ثبوت ملتا ہے۔ زیر نظر مقالے میں ہر زبان میں تاریخ گوئی کا جائزہ مقصود نہیں صرف اور صرف امام احمد رضا خان کی اردو، عربی اور فارسی زبان میں تاریخ گوئی کی معجز نما صلاحیت کا اظہار مقصود ہے۔

جن لوگوں کو فن تاریخ گوئی میں درک حاصل تھا ان کے بارے میں کتب تاریخ کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اسی فن کے آدمی تھے۔ شبانہ روز اپنی صلاحیتیں صرف اسی فن میں صرف کرتے تھے جس کے سبب انھیں اس فن کا سرخیل تسلیم کیا گیا۔ وہ لوگ جنھوں نے اس فن میں کمال حاصل کیا اور اپنی یادگاریں چھوڑیں ان میں صاحب میزان التاریخ مرزا اوج لکھنوی، صاحب "انا دتہ تاریخ" جلال لکھنوی، منشی انوار حسین اور غرائب الجمل کے مصنف عزیز جنگ ولا کا نام خاص طور سے لیا جاسکتا ہے۔

اردو شعراء کو اس فن سے کافی دلچسپی رہی ہے۔ اکثر بڑے شعراء کے یہاں اس فن سے شغف اور تعلق خاطر کا ثبوت ملتا ہے۔ ناسخ، مومن اور انشاء تو ایسے تاریخ گو گزرے ہیں جن کی مثال تاریخ

کی کتابوں میں ڈھونڈنے سے ہی ملتی ہے۔ ناسخ کے دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آٹھوں پہر اسی فن میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے۔ بات بات میں تاریخ کہنا ناسخ کا کمال سمجھا جاتا تھا۔ مومن بھی اس فن میں کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ یہی حال محمد ابراہیم ذوق کا بھی تھا۔

تاریخ گوئی کا فن دقت طلب ہونے کے ساتھ ساتھ وقت طلب بھی ہے۔ بعض ناموں کی تاریخ نکالنے کے لئے گھنٹوں درکار ہوتے ہیں۔ یہ تو فاضل بریلوی ہی کی ذات ستودہ صفات تھی کہ عربی، اردو فارسی، کوئی زبان ہو سب میں منٹوں میں اپنی عالمانہ بصیرت کے ساتھ بامعنی اور موقع و محل کی مناسبت سے تاریخ نکال دیتے تھے۔ بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوا ہے کہ اشعار کہہ گئے یا کوئی جملہ فرما دیا۔ جب اس کے اعداد نکالے گئے تو واقعہ کے عین مطابق نکلے اور سن مطلوب حاصل ہو گیا۔ یہ ممکن ہے کہ بعض قارئین نوک قلم پر نکلے ہوئے چند جملے صاحب تذکرہ کے بارے میں عقیدت پر محمول کریں اور حد درجہ عقیدت مندی کا سبب بتائیں مگر در اصل ایسا نہیں۔ اس مختصر مقالے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں سر مو حقیقت سے انحراف نہیں ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے سچ کہا گیا ہے۔ سچ کے علاوہ کچھ نہیں کہا گیا ہے۔

فن تاریخ گوئی میں کسی کا کمال پرکھنے کے لئے کم از کم اس فن کی مبادیات پر نظر رہنی ضروری ہے۔ کسی فن میں مہارت کا اندازہ اس فن میں کچھ معلومات اور وابستگی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس اصول کے پیش نظر ذیل میں فن تاریخ گوئی کی مختصر تعریف اور اس کے مبادیات پر کچھ روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

فن تاریخ گوئی کی تعریف

اصحاب لغت نے فن تاریخ گوئی کی مختلف تعریفیں کی ہیں لیکن کما حقہ اس فن کی ایسی تعریف نہ ہو سکی جس سے اس فن کے تمام محاسن ابھر کر سامنے آجائیں۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید انھیں اس فن پر کامل عبور نہ تھا (۹) صاحب سبحۃ المرجان لکھتے ہیں۔

"تاریخ ایسے فن کا نام ہے جس سے متکلم سال ہجری کسی حادثے کے وقوع کا فن جمل کے قاعدے سے بیان کرے۔ یہ فن ادیبوں کی نظر میں ایک دستاویز اور ظریفوں کی نگاہ میں ایک بازیچہ ہے۔ عرب مؤلفین کے یہاں اس فن کی طرف سے بے اعتنائی پائی جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس کا شمار فن بدیع میں نہیں ہوا۔ اور فن بدیع کے ماہرین

میں کسی نے اس فن کو ہاتھ نہیں لگایا حالانکہ یہ صنعت ذکر کرنے کے قابل تھی۔ اس کے برخلاف فارس کے ادیبوں نے اس فن کی طرف بھرپور توجہ کی ہے اور اس کا مکمل حق ادا کر دکھایا ہے۔" (۱۰)

اس طرح ارباب فکر و نظر نے متعدد تعریفیں کی ہیں لیکن وہ تعریف جو مجھے زیادہ پسند آئی وہ یہ ہے۔

"تاریخ اس حرف یا لفظ یا الفاظ کا نام ہے جس کے اعداد حروف سے سنہ مطلوب حاصل ہو یا محض ان الفاظ سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوں۔

۱۔ سنہ مطلوب ـــــ یا

۲۔ سنہ مطلوب مع تاریخ و ماہ ـــــ یا

۳۔ سنہ مطلوب مع تاریخ و ماہ و روز ـــــ یا

۴۔ سنہ مطلوب مع تاریخ و ماہ و روز و وقت۔

فن تاریخ گوئی کی اس تعریف کی روشنی میں دیکھا جائے کہ کیا اس فن کا شمار صنائع و بدائع میں ہے یا نہیں تو صاحب سبحۃ المرجان کے قول کی روشنی میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شمار صنائع و بدائع میں نہیں ہے۔ اس پر انھوں نے اظہار تعجب بھی کیا ہے مگر درحقیقت یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لئے کہ جب واضع جمل نے ہر ایک حرف کا عدد مقرر کر دیا ہے تو ان حروف کے مجموعہ سے کسی سنہ کا علم حاصل کرنا کونسی ندرت ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اہل عرب نے اس فن کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔

جُمَلْ

مذکورہ بالا سطور میں جمل کا لفظ آیا ہے۔ یہ بھی درحقیقت ایک فن ہے جس سے فن تاریخ گوئی کا تعلق ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی حروف تہجی کو اعداد کے مقابلے میں قائم کرنے کے ہیں جیسے "الف" مساوی ہے ایک اور "ب" برابر ہے دو کے۔

یہ فن دور جدید کی پیداوار نہیں بلکہ صدیوں پرانا ہے اور ارباب ذوق و شوق کے لئے تختہ

مشق رہا ہے۔ معدن الجواہر کے مصنف کے قول کے مطابق یہ فن عربوں میں قبل اسلام موجود تھا۔ کتب سیر و احادیث میں اس فن کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ قاضی بیضاوی نیز دوسرے مصنفین نے سورہ بقر کے حروف مقطعات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ علمائے یہود نے سوال کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعداد سنین کو حروف مقطعات کے اعداد کے مطابق فرما کر جواب دیا۔ (١١)

شیخ شہاب الدین احمد خفاجی (متوفی ۱۰۶۹ھ) حاشیۂ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں:۔

"وقیل انه معروف فی اللغات القدیمة کالعبرانیة وهو کثیر فی التوراة کما فی رسالة فضائح الیهود للغزالی"

حساب جمل کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ قدیم زبانوں کا مشہور فن ہے اور توریت میں کثرت سے مستعمل ہے جیسا کہ امام غزالی نے اپنی کتاب فضائح الیہود میں ذکر کیا ہے۔

ابن خلدون (متوفی ۸۰۶ھ) نے اس فن کی قدامت کا اعتراف کیا ہے۔ فرماتے ہیں

"دلالة هٰذه الحروف علی تلك الاعداد لیست طبعیة ولا عقلیة وانما هی بالتواضع والاصطلاح الذی یسمونه حساب الجمل نعم انه قدیم مشهور" (١٢)

حروف کی دلالت اعداد پر نہ طبعی ہے نہ عقلی بلکہ یہ دلالت وضعی اور اصطلاحی ہے جس کا اصطلاحی نام حساب جمل ہے۔ بے شک یہ قدیم اور مشہور اصطلاح ہے۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) نے اس فن کو اتنا قدیم سمجھا کہ اس کے واضعین کے بارے میں انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ما وقفت علی من وضع قاعدة الجمل وقرر حروف الهجاء بازاء الاعداد"

"مجھے اس کا علم نہیں کہ قاعدہ جمل کا واضع کون ہے اور کس نے حروف تہجی کے مقابلے میں اعداد کو قائم کیا ہے۔" (١٣)

علامہ شیخ احمد بن علی البونی (متوفی ۶۲۲ھ) شمس المعارف میں بحر الوقوف کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

"اول کتاب انزل علی آدم علیہ السلام حروف المعجم" (۱۴)

پہلی کتاب جو آدم علیہ السلام پر نازل ہوئی وہ حروف المعجم ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حروف معجم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: اب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ہ لا ء ی"

واضع جمل نے ابجد نوحی کی ترتیب سے ۲۸ حروف تہجی، پر ایک حرف کے لئے ایک خاص عدد مقرر کیا ہے۔ اعداد کی ترتیب میں پہلا درجہ احاد یعنی اکائیوں اور دوسرا درجہ عشرات یعنی دہائیوں اور تیسرا درجہ مأت یعنی سیکڑوں اور چوتھا درجہ الف یعنی ہزار کا ہے۔ ہزار کے لئے صرف ایک ہی حرف ہے۔ اس لئے کہ مجموعی تعداد میں حروف کی گنجائش اسی قدر تھی۔

جمل کے ماہرین نے ۲۸ حروف تہجی میں سے ۹ کو احاد کے لئے ۹ حروف کو عشرات کے لئے اور ۹ کو مأت کے لئے۔ ایک حرف کو الف کے لئے خاص کیا ہے۔ ذیل میں اس کا نقشہ دیا جا رہا ہے۔

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص
۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰
ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ
۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰
غ								
۱۰۰۰								

صاحب معدن الجواہر دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جمل کی غرض سے حروف تہجی کی ترتیب کے لئے چند الفاظ موضوع اور مقرر ہیں۔ بعض نے ان الفاظ کو ابجد یہ کہا ہے اور بعض اس فن ابوجاد اور ابا جاد کہتے ہیں۔ ابجد دو طرح کے ہیں۔ ایک ابجد نوحی اور دوسرا ابجد آدم۔ جو

ابجد رائج ہے وہ ابجد نوحی ہے۔ ابجد آدم اس سے قدرے مختلف اور غیر مستعمل ہے۔ ابجد نوحی کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کے الفاظ سریانی ہیں۔ یہ ۲۸ حروف مقطعات ہیں۔ حروف تہجی سے اس کے آٹھ مختصر کلمے وضع کئے گئے ہیں جو بعض اہل لغت کے نزدیک ذومعنی ہیں۔

ابجد ۔ ہوّز ۔ حطّی ۔ کلمن ۔ سعفص ۔ قرشت ۔ ثخّذ ۔ ضظغ

صاحب غیاث اللغات نے ان حروف کی اس طرح توضیح کی ہے۔

۱۔	ابجد	ابی وجد فی المعصیه	آدم سے گناہ سرزد ہوا
۲۔	ہوّز	اتبع ھواہ	آدم نے ہوائے نفسانی کی پیروی کی
۳۔	حُطّی	حط ذنبه بالتوبه والاستغفار	استغفار کی وجہ سے ان کا گناہ محو ہو گیا
۴۔	کَلِمَنُ	تکلم بکلمة فتاب علیه بالقبول والرحمة	کلام کیا تو ان کی توبہ پروردگار کی رحمت سے قبول ہوئی۔
۵۔	سعفص	ضاق علیه الدنیا فافیض علیه	دنیا ان پر تنگ ہوئی تو ان پر بہائی گئی یعنی بہت دی گئی۔
۶۔	قرشت	اقربند نبه فشرف بالکرامة	لغزش کے اعتراف کی وجہ سے مشرف بکرامت ہوئے۔
۷۔	ثخذ	اخذ من الله قوة	اللہ سے قوت حاصل کی
۸۔	ضظغ	سد عنه نزع الشیطان بالعزیمة	حق کلام کی وجہ سے شیطان کا دباؤ ختم ہوا۔

آگے چل کر یہی بزرگ پھر فرماتے ہیں کہ بقول بعض اباجاد نام کا ایک بادشاہ گزرا ہے۔ ابجد اسی کا مخفف ہے اور باقی جو سات کلمے ہیں وہ اس کے فرزندوں کے نام ہیں۔ ایک قول کے مطابق مرامر نامی ایک شخص تھا جس نے خط لکھنے کی ایجاد کی اور یہ آٹھوں کلمے اس کے آٹھ فرزندوں کے نام ہیں۔ (۱۵)

مذکورہ خیالات کے بارے میں میرا اپنا کوئی نقطۂ نظر نہیں۔ ان کی واقعیت خدا جانے کہاں

تک ہے چونکہ ماہرین لغت و ادب کا قول ہے اس لئے تسکین قلب کی خاطر موقع و محل کی مناسبت سے یہاں درج کر دیا گیا ہے۔

فارسی اور اردو زبان و ادب میں تاریخ گوئی کثرت سے کی جاتی رہی ہے۔ عربی شعراء کے یہاں اس کا اہتمام کم ملتا ہے۔ امام احمد رضا خاںؒ نے تینوں زبانوں میں کثرت سے تاریخیں نکالی ہیں۔ جن ادیبوں نے اس فن میں کمال پیدا کیا ہے۔ ان میں ناسخؔ، انشاءؔ، مومنؔ اور ذوقؔ کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے۔

ناسخ

ناسخ نے تو تاریخ گوئی میں کمال کر دیا ہے۔ بات بات میں تاریخ نکالنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ معمولی معمولی باتوں میں تاریخ نکالتے تھے۔ بخار سے صحت پائی تو تاریخ کہہ دی۔ "رفت تپ تو بہ من = ۱۲۳۵ھ۔ غسل صحت کیا تاریخ کہہ دی۔ شو د صحت ہمایوں د مبارک ۱۲۳۵ھ۔ ایک موقع پر قتل ہوتے ہوتے بچ گئے تاریخ کہہ دی۔ کنم شکر خدا ۱۲۳۵ھ، حریفوں نے نظر بند کر دیا تو کہا۔ ہے ہے افسوس خانہ زنداں گردید = ۱۲۳۵ھ، جن کی سفارش سے بری ہوئے ان کا شکریہ بھی تاریخ میں ادا کیا۔ رہا نیدی مرا ز دست گرگے = ۱۲۴۳ھ کسی نے خطوط چرائے تو کہا "سیاہ، ہمچو قلم باد روئے حاسد من اور پھر جب خط جانے لگے تو تاریخ کہہ دی "صد حیف تلف چہار نامہ" پیارے شاگرد خواجہ وزیر کی شادی ہوئی تو فرمایا "شدہ نوشہ وزیر من امروز ۱۲۲۷ھ پھر جب ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو صبح کا وقت تھا فرمایا "صبح طالع شد بر آمد آفتاب ۱۲۴۵ھ الہ آباد شہر میں دائرہ پھاٹک کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتہً اوپر سانپ گر پڑا۔ تاریخ کہہ دی سیہ مار از فلک برمن بیفتاد = ۱۲۴۳ھ

چوری اور ڈاکہ زنی سے متعلق تاریخ کہنا اور کہیں نہیں ملتا مگر ناسخ نے اس پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ہوا یوں کہ ۱۲۳۱ھ میں معتمد الدولہ نے جو سوا لاکھ روپیہ قصیدہ کا صلہ ناسخؔ کو دیا تھا۔ اسے انھوں نے مرزائی صاحب کے حوالے کر دیا تھا۔ لوگوں نے جانا روپیہ ابھی انھی کے گھر میں ہے۔ چور نے رات کو نقب لگائی اور ناکام واپس گیا۔ ناسخ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں

نے اس کی بھی تاریخ کہہ دی۔

دزد درخانہ ناسخ چو زدہ نقب امشب | نہ زرد سیم نہ بُد مس۔ خجل آمد بیروں
بہر تاریخ بسی چو بریدم سرِ دزد | دزد از خانہ مفلس خجل آمد بیروں (۱۶)

مومن

مومن ایک اولوالعزم شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ گوئی میں کافی دسترس رکھتے تھے، وہ مباحث جو تاریخ گوئی میں معیوب گردانے جاتے تھے۔ انھوں نے اپنی مہارت سے اسے بھی مستحسن بنا دیا۔ "تعمیہ اور تخرجہ" کو بعض اصحاب تاریخ گوئی میں ایک غیر مستحسن صنعت سمجھتے ہیں مگر مومن کی جودتِ طبع اور بالغ نظری نے اس صنعت کو محسنات تاریخ میں شامل کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے والد کی تاریخ وفات اسی صنعت میں کہی ہے۔

بہ من الہام گشت سال وفات | کہ غلام نبی بہ حق پیوست

غلام نبی کے اعداد حق کے اعداد کے ساتھ ملائیں تو سال وفات کے پورے اعداد ۱۲۴۱ نکل آتے ہیں۔ اسی صنعت میں انھوں نے اپنی صغیر و کمسن بیٹی کی تاریخ نکالی ہے۔

خاک برخاق دولت دنیا | من خشاندم خزانہ بر سرِ خاک

اس شعر میں خزانہ کو خاک کے خ کے ساتھ ملانے سے تاریخ ۱۲۶۳ھ نکلتی ہے۔ ایک کنویں کی تاریخ بھی انھوں نے اسی صنعت میں نکالی۔ آب لذت فزا بہ جام بگیر۔ آب لذت فزا کے اعداد جام میں ڈالنے سے سن مطلوب ۱۲۶۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ زین خان جب زیارت حرمین کے لئے گئے تو کسی سبب راستے ہی سے واپس آگئے تو خان صاحب نے فوراً تاریخ لکھ دی۔

چوں بیاید ہنوز حرباشد = ۱۲۵۶ھ (۱۷)

ٹھیک اسی طرح اور دوسرے اردو شعراء نے طبع آزمائی کی ہے مگر امام احمد رضا خان کا حال ان سے قدرے مختلف ہے۔ وہ صرف شاعر اور تاریخ گو نہیں تھے بلکہ ان کی شخصیت فضائل و کمالات کا مخزن تھی۔ ان کی شخصیت ان تمام خوبیوں کی آئینہ دار تھی جس کا سطور بالا میں ذکر ہوا لیکن اس نادر فن میں بھی وہ اپنی مثال آپ نظر آتے ہیں۔ اکثر تاریخ گوئی کرنے والوں کے یہاں صرف کسی ایک صنعت

کا پتہ چلتا ہے۔ جیساکہ اوپر کی مثالوں سے آپ نے محسوس کیا ہوگا مگر انھوں نے اس فن میں بھی اپنی جولانیٔ طبع کا جوہر دکھایا ہے اور کئی کئی صنعتوں میں تاریخیں نکالی ہیں اور خوب نکالی ہیں۔ موقع ومحل کی مناسبت سے بغیر دوات وقلم کا سہارا لئے برجستہ تاریخی مادے نکال دیئے ہیں۔ کبھی ان کا فرمایا ہوا تاریخی مادہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ ان کی کتب ورسائل کے اکثر نام تاریخی ہیں جو بغیر کسی صراحت کے کتابوں کے مباحث وموضوعات پر بھی چسپاں ہوتے ہیں۔ تعارف امام احمد رضا کے مصنف لکھتے ہیں کہ

"فن تاریخ گوئی میں آپ کو نہایت کمال حاصل تھا جو کتاب بھی لکھتے اس کے نام سے کتاب لکھنے کا مقصد بھی سامنے آجاتا اور تاریخ تصنیف بھی نکل آتی" (۱۸)

کئی مرتبہ تو ایسا بھی ہوا ہے کہ امام احمد رضا خان نے ایک ہی موقع سے دو چار نہیں بلکہ دس دس تاریخی مادے نکالے ہیں۔ کئی شعراء کے دواوین کی تاریخیں انھوں نے ہی نکالی ہیں۔ لوگ اکثر فرمائش کرتے کہ نومولود بچوں کے تاریخی نام ارسال فرمائیں۔ انھوں نے کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا۔ تاریخی مادے نکالتے اور ارسال فرمادیتے۔ بعض اوقات ایسے وظائف پڑھنے کو بتا دیتے کہ وظیفے کے اعداد وظیفہ پڑھنے والے کے نام کے اعداد برابر ہوتے۔ جناب ایوب علی رضوی صاحب نے ایک مرتبہ ان سے وظیفہ پڑھنے کے لئے دریافت فرمایا۔ انھوں نے "یا لطیف" کا ورد بتایا اور "ایوب علی" دونوں کے اعداد ۱۲۹ ہی بنتے ہیں۔

اپنے والد گرامی حضرت عظیم الدرجت مولانا الحاج شاہ محمد نقی علی خان قادری کی کتاب مستطاب "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" کا قطعہ تاریخ لکھا جس میں انتہائی حسن وخوبصورتی کے ساتھ الفاظ، تحریر اور نقطوں کی تعریف کی ہے اور آخر میں جس حسین انداز میں تاریخ نکالی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ لکھتے ہیں۔

میرے والد نے جب کیا تصنیف	یہ رسالہ بوصف شاہ ہدیٰ
جس کا ہر صفحہ تختۂ فردوس	ہر ورق سدرہ و طوبیٰ
گیسوئے حور ہے سواد حروف	مردم چشم حور ہر نقطہ
یا قلم اس کا ابر نیساں ہے	ہر ورق اس کا علم کا دریا
ہر سطر رشک موج صافی ہے	دائروں کو صدف لکھوں تو بجا

نقطے جن کے ہیں گو ہر شہ دار	قیمت ان کی جنت الماوی
سال تالیف میں رضاؔ نے کہا	وصف خلق رسول امی کیا

(۱۲۸۴ھ)

جب یہ کتاب طباعت و کتابت کے دشوار گزار مراحل طے کر کے منظر عام پر آئی اور ارباب ذوق نے ہاتھوں ہاتھ لیا تو پھر انھوں نے اس کی طباعت پر قطعہ لکھا اور اس کے آخری بند سے طباعت کی تاریخ نکالی

شد چوں طبع ایں کتاب عجیب	بود در فکر سال طبع رضا
ناگہانی داد ہاتفش آواز	ذکر ہائے چہ مرہم جانہا

(۱۲۹۳ھ)

لوگوں کی فرمائش اور مطالبے پر فاضل بریلوی کو اس قسم کے بیشتر تاریخی مادے نکالنے پڑے ہیں۔ نگارستان لطافت، جو ۱۳۰۲ھ ہجری کی تصنیف ہے۔ اس کتاب پر انھوں نے قطعۂ تاریخ لکھا ہے اور اس میں کمال کر دیا ہے۔ اس قطعہ تاریخ میں انھوں نے ایک مشکل صنعت کا استعمال کیا ہے۔ فن تاریخ گوئی میں یہ صنعت تضاعف سے مشہور ہے۔ صاحب عزائب الجمل کہتے ہیں یہ صنعت بہت ہی مشکل ہے۔ اس صنعت میں بہت کم تاریخیں ہماری نظر سے گزری ہیں۔ اس صنعت میں مادہ تاریخ کو دو چند کرنے سے سنہ مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر یہی بزرگ لکھتے ہیں کہ اس صنعت میں میری نظر سے صرف ایک تاریخ گزری ہے جو ضیاء حیدر آبادی کی ہے۔ انھوں نے ایک شادی کی تاریخ لفظ "نور علیٰ نور" کو دو گنا کر کے ۱۲۲۴ھ نکالی ہے جو بے شک لائق تحسین ہے۔ (۱۹)

امام احمد رضا خان نے بھی اس مشکل صنعت میں تاریخیں نکالی ہیں اور ایک لفظ کو تین گنا کرنے سے تاریخی مادے نکالے ہیں۔ پورے قطعہ میں الفاظ کے زیر و بم کے ساتھ معنوی ارتباط بھی خوب ہے۔

چو لامع شد کیدر او تجلی	مہ طیبہ علیہ اللہ صلّی
دہانش مشرق وحی مبیں شد	برآمد ازو ماہ مجلّی
ہجوم آدرہ رند جلوہ گاہش	نجوم آں و اصحاب معلّی

ہوں شفاعت سے فارغ شفیع الوریٰ
آئے ہر سمت سے جب نوید عطا
ہیں جو قسمت سے پہنچوں بہ زیر لوا
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں! رضا
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
(تضمین :- شمس بریلوی)

چوں ایں مہر و ماہ و انجم بہم شد — رضا گوید سہ بالا شد تجلی

(۴۳۴ × ۳ = ۱۳۰۲ھ)

اس قطعہ میں لفظ تجلی سے اعداد تین بار جوڑنے سے سنہ مطلوب ۱۳۰۲ھ بر آمد ہوتا ہے حقیقت کے اعتبار سے تاریخ گوئی کی تین قسمیں ہیں (۱) صوری (۲) معنوی (۳) صوری و معنوی۔ درج ذیل تاریخ گوئی کا تعلق تاریخ معنوی سے ہے۔

تاریخ معنوی

معنوی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی منسوب بہ معنیٰ کے ہیں۔ اہل جمل نے تاریخ معنوی اس حرف یا لفظ یا الفاظ کا نام رکھا ہے جن کے اعداد جمل کے مجموعہ سے سنِ مطلوب حاصل ہو۔ اگر یہ منظوم ہے تو وہی تاریخ معنوی منظوم کہلائے گی۔ (۲۰)

ذیل کے تمام قطعات جو مولانا حسن رضا خان بریلوی متوفی کے نعتیہ مجموعے سے متعلق ہیں۔ اسی صنعت کے آئینہ دار ہیں۔ فرماتے ہیں۔

یافت حسن حسن تحسین — از حسان در ذکر حسین
گفت رضا تاریخ چنیں — نعت اشرف قبلہ دیں
(۱۳۰۲ھ)

دل و جانم حسن حسن گفت و در سفت — بہ سلک مدحت میلاد اقدس

شنیدم نغمہ می زد بلبل خلد مبارک شادی نعت مقدس

(۱۳۰۲ھ)

فاضل بریلوی نے بعض قطعات میں سن تالیف اور سن طباعت دونوں کا اہتمام کیا ہے مندرجہ ذیل قطعہ کے پہلے مصرعوں سے سن طباعت اور دوسرے دونوں مصرعوں سے سن تالیف ۱۳۰۲ھ برآمد ہوتا ہے جو صنعت تاریخ معنوی منظوم کی واضح مثال ہے۔

تاریخ منظوم میں مصرعہ کے ہر ہر لفظ سے عدد کی شمولیت ضروری نہیں۔ اگر جز مصرعہ سے مطلوب برآمد ہو جاتا ہے تو وہ مستحسن سمجھا جائے گا۔ فاضل بریلوی نے ذیل کے قطعہ میں پہلے دونوں مصرعوں کے ہر ہر لفظ کو سن مطلوب کے استخراج میں شامل مانا ہے اور دوسرے دو مصرعوں میں جزء مصرعہ سے سن مطلوب نکالا ہے۔ پہلے اور دوسرے مصرعوں میں تاریخ طبع ۱۳۰۳ھ اور تیسرے اور چوتھے مصرعوں میں سن تالیف ۱۳۰۲ھ درج ہے۔

حسن در ذکر والا جاہ طہ گہر سفت از یمین ذکر احسن

۱۳۰۳ھ ۱۳۰۳ھ

حسن حسن رضا بیند قضا گفت رضا گفتہ مبارک ذکر احسن

۱۳۰۲ھ ۱۳۰۲ھ

ذوق نعت

ذوق نعت، استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خان حسن بریلوی شاگرد داغ کی مقدس نعتوں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ نعتیہ مجموعہ اپنے حسن بیان اور طرز ادا کے لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ فاضل بریلوی نے اس کا تاریخی قطعہ انتہائی شیفتگی اور حسن و خوب صورتی سے لکھا ہے۔ قطعہ میں کل ۹ اشعار ہیں جن میں آخر کے ۴ اشعار سے سن تالیف مستخرج جسے انھوں نے انتہائی حسن و خوبصورتی سے آخر تک نبھایا ہے۔ اس قطعہ کے اندر کتاب کے مباحث اور مقاصد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مستقبل میں پیدا ہونے والے اثرات کو بھی اجاگر کر دیا گیا ہے۔

قوت بازوئے من سنی نجدی فگن حاج و زائر حسن سلمہ ذو المنن

نوت چہ رنگیں نوشت شعر خوش آئین نوشت
شعر نکودیں نوشت دور زریب و ظن

شرع زشعرش عیاں عرش بہ تبتیش نہاں
سینہ راحرز جاں تجدیہ را سرشکن

تلقل ایں تازہ نوش بادہ بہنگام نوش
زآنکہ زاقوال طبع کلک بود نغمہ زن

ادج محمدت جلوہ گہ مرحمت
۱۳۲۶ھ

عاقبت عاقبت باد نوائے حسن
۱۳۲۶ھ

باد نوائے حسن باب رضائے حسن
۱۳۲۶ھ

باب رضائے حسن باز بہ جلب منن
۱۳۲۶ھ

باز بہ جلب منن بازو بخت قوی
۱۳۲۶ھ

بازو بخت و قوی نیک حجاب محسن
۱۳۲۶ھ

نیک حجاب محسن فضل عفو و نبی
۱۳۲۶ھ

فضل عفو و نبی حبل دی حبل من
۱۳۲۶ھ

زدق نعت سے متعلق ایک دوسرا قطعہ بھی ملاحظہ ہو۔ قطعہ کے ہر مصرعہ سے سن تالیف مستخرج ہے۔

نعت حسن آمدہ نعت حسن
۱۳۲۶ھ

حسن رضا باد بزین سلام
۱۳۲۶ھ

ان من الذوق لسحر ہمہ
۱۳۲۶ھ

ان من الشعر لحکمۃ تمام
۱۳۲۶ھ

کلک رضا داد چناں سال آں
۱۳۲۶ھ

یافت قبول از شہ راس الانام
۱۳۲۶ھ

امام احمد رضا خان نے دواوین کے لئے تاریخی قطعات لکھنے کے علاوہ اپنے بزرگوں احباب متعلقین اور متعارفین کے وصال کی تاریخیں بھی نکالی ہیں اس کی ایک طویل فہرست ہے مگر یہاں ان چند بزرگوں کی تواریخ وصال کا ذکر کیا جارہا ہے جس سے انھوں نے استفادہ کیا ہے یا جو ان سے مستفیض ہوئے ہیں۔ آج کسی اہم شخصیت کے وصال پر ارباب ذوق اپنے فن کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اور رسائل و جرائد میں ان کی نگارشات کو بڑے اہتمام سے جگہ دی جاتی ہے۔ فاضل بریلوی نے وصال کی تاریخیں نکالنے میں بھی کئی صنعتوں سے کام کیا ہے۔ خاتم الاکابر قدوۃ الکاملین مولانا

الشاہ سید آل رسول مارہروی رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۲۹۶ھ) جن کی ولادت ۱۲۰۹ھ میں ہوئی۔

صاحب تذکرہ علمائے اہلسنت لکھتے ہیں۔

"حضرت مخدوم شاہ آل رسول علیہ الرحمہ تیرھویں صدی ہجری کی وہ عظیم شخصیت تھے جن کے فیض یافتوں کی مساعی و کوششوں سے اسلام کی گرتی ہوئی دیوار سنبھل گئی اور پھر سے قوت و استحکام مل گیا۔ (۲۱)

فاضل بریلوی ایسی جلیل القدر شخصیت انکے خلیفہ تھے۔ انھوں نے اپنے مرشد کی متعدد تواریخ وصال نکالی ہیں جیسے :۔

رضی اللہ والمحبوب	تواریخ الاولیاء
۱۲۹۶ھ	۱۲۹۶ھ

تاریخ مرکب کے علاوہ اور دوسری صنعتوں میں انھوں نے تاریخیں کہی ہیں۔ توشیح بہت ہی مشکل صنعت ہے۔ دوسرے ماہرین فن کے یہاں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ مگر اس صنعت کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں کہ اب تاریخ جو میں نکال رہا ہوں وہ منظوم صنعت میں ہے۔

خذ التاریخ فی التوشیح نظماً ۔۔۔ یلوح کانہ البدر المنیرُ

وخذ من کل قطر مثل سطر ۔۔۔ تکن مستاد لیس لہ نظیر

ولی ظاہر بر امام ۔۔۔ وصول طیب بدر المنیر

۱۲۹۶ھ ۔۔۔ ۱۲۹۶ھ

وحید طالع بحر امان ۔۔۔ ودود طالب بدل اجیرُ

۱۲۹۶ھ ۔۔۔ ۱۲۹۶ھ

فاضل بریلوی نے نظم و نثر کے علاوہ بھی تاریخیں نکالی ہیں۔ ذیل کی تاریخ وصال بھی مذکورہ الصدر بزرگ سے متعلق ہے۔ انھوں نے اس تاریخ کو استخراج میں ایسی صنعت استعمال کی ہے جس کی نظیر اس فن کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ ایک مربع کے خانوں میں ایسے الفاظ رکھنا اور پھر خانوں کے باہم امتزاج سے سن وفات کا استخراج کر لینا آسان کام نہیں۔ اس طرح اس مربع کی سیدھی آڑی ترچھی جتنی چالیں ہوتی ہیں سن وفات نکلتا ہے۔ ذیل کے نقشہ میں مربع کی ۱۶ چالیں ہیں اور ان

سے ۱۶ تاریخ وصال مستخرج ہیں اور اگر ترچھے بھی چال مان لی جائے تو کل اٹھارہ چالیس ہو جائیں گی اور ۱۸ تواریخ وصال نکل آئیں گی۔

۱۲۹۶ھ	۱۲۹۶ھ	۱۲۹۶ھ	۱۲۹۶ھ	۱۲۹۶ھ	
۱۲۹۶ھ	طارم محل ۳۲۸	واصل برب ۳۳۱	اصفی عمل ۳۲۱	اجود قریب ۳۱۶	۱۲۹۶ھ
۱۲۹۶ھ	نجر سمی ۳۲۰	اشفہ مجد ۳۱۷	آل رسول ۳۲۷	انقی صفا ۳۳۲	۱۲۹۶ھ
۱۲۹۶ھ	فردا جل ۳۱۸	اصفی النساء ۳۲۳	آل روح دیں ۳۲۹	جان عرب ۳۲۶	۱۲۹۶ھ
۱۲۹۶ھ	کنف صفی ۳۳۰	شاہ ھدی ۳۲۵	نور نجی ۳۱۹	افق العلیٰ ۳۲۲	۱۲۹۶ھ
	۱۲۹۶ھ	۱۲۹۶ھ	۱۲۹۶ھ	۱۲۹۶ھ	۱۲۹۶ھ

حضرت سید حمزہ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ چودھویں ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد سے ظاہری، باطنی تعلیم پائی۔ مطالعہ کا خاصا ذوق تھا۔ آپ کے پاس ایک کتب خانہ تھا جس میں ۱۶ ہزار قلمی کتابیں تھیں۔ اردو، فارسی کے اچھے شاعر تھے عینی تخلص فرماتے تھے "غوث اعظم بمن بے سروساماں مددے"۔ آپ ہی کی مشہور منقبتی نظم ہے ۱۱۹۸ھ سن وفات ہے۔ فاضل بریلوی نے تاریخ مرکب "ادخلی فی جنتی ۱۱۹۸ھ" کیا عمدہ تاریخ نکالی ہے جو موقع کی مناسبت سے کس قدر بہتر اور معنی آفریں ہے۔

بعض شخصیتیں تو ایسی گزری ہیں کہ فاضل بریلوی نے ان کی تاریخ وفات کے ساتھ تاریخ ولادت کا بھی اہتمام کیا ہے اور کئی تاریخی مادے اپنی کاوش فکر سے نکالے ہیں۔ ایسی شخصیتوں میں خاص طور سے ان کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ نقی علی خان کی شخصیت صرف اس معنی سے قابل تکریم نہیں کہ وہ فاضل بریلوی کے پدر بزرگوار ہیں بلکہ بجائے خود ان کی ذات ایک مستند عالم دین کی ہے۔ عمر کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف میں گزرا ہے۔ حضرت سید احمد زینی دحلان جیسے جلیل القدر عالم سے سند حدیث حاصل کی ہے۔ ۱۲۴۶ھ سن ولادت اور ۱۲۹۷ھ تاریخ وفات ہے۔ فاضل بریلوی نے اپنے والد کی تاریخ ولادت صنعت ترصیع سے نکالی ہے۔

صنعت ترصیع

اہل جمل کی اصطلاح میں اس صنعت کا نام ہے جو ایک قطعہ یا قصیدے یا مرثیے یا عبارت وغیرہ کے ہر رکن یا ہر مصرعہ یا جملہ سے ایک ہی سن یا مختلف سنین کے مادے پیدا کرے۔ ذیل کی تواریخ اسی صنعت کی آئینہ دار ہے۔

جاء لی ونفی الثوب علی الشان
۱۲۴۶ھ

رضی الاحوال لتھی المکان
۱۲۴۶ھ

ھواجل محققی الافاضل
۱۲۴۶ھ

شھاب المدققین الاماثل
۱۲۴۶ھ

قمر فی برج الشرف
۱۲۴۶ھ

بری من الحنوف والکلف
۱۲۴۶ھ

افضل سباق العلماء
۱۲۴۶ھ

اقدم حذاق الکرما
۱۲۴۶ھ

تواریخ انتقال

کان نھایۃ جمع العظماء
۱۲۹۷ھ

خاتم اجلۃ الفقھاء
۱۲۹۷ھ

امین اللہ فی الارض ابدا
۱۲۹۷ھ

ان فقد نتلک کلمۃ بھاھتدی
۱۲۹۷ھ

٧٨٦
الجزء الاول
— من —
جد الممتار علی رد المحتار
— المعروف ب —
حاشیۃ الشامی
الامام احمد رضا القادری البریلوی قدس سرہ العزیز
١٢٧٢ھ — ١٣٤٠ھ
١٨٥٦ء — ١٩٢١ء
اعتنی بتحقیقہ وتصحیحہ
اعضاء
المجمع الاسلامی بمبارکفور اعظم گرہ الہند
— وقد طبع علی نفقتہ —
الشیخ حمید اللہ قادری حشمتی شارع کلیتن کراتشی
— الناشر —
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراتشی الباکستان

خلل فی باب العباد لا ینسہ الی یوم القیام

١٢٩٧ھ

کمل لہ ثوابک یوم النشور

١٢٩٧ھ

انھوں نے والد گرامی کی تواریخ وفات صنعت ترصیع کے علاوہ صنعت مرکب میں بھی نکالی ہیں جیسے:۔

یا غفور — ١٢٩٧ھ

داخلی فی جنتی وعبادی — ١٢٩٧ھ

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ الوھاب

١٢٩٧ھ

سید مجتبیٰ حسن میاں مرحوم زیارت حرمین شریفین کی لازوال سعادت سے بہرہ ور ہو کر وطن تشریف لا رہے تھے مگر عمر نے وفا نہ کی اور راستہ ہی میں وفات پا گئے۔ فاضل بریلوی نے مرحوم کی اس دفعتہً رحلت پر ایسی تاریخ لکھی جس میں تاریخ وفات کے علاوہ حج و زیارت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اکرم بحج سید نا مجتبیٰ حسن | ان الکریم وافدہ مجتبیٰ حسن
ارّخ رضا الموت غریب عن وطن | نال المراد من کرم المجتبیٰ حسن

۱۳۱۱ھ

ایک محترمہ زیارت حرمین شریفین کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئیں۔ وہاں ایک وبائی مرض کی لپیٹ میں آکر مالک حقیقی سے جا ملیں۔ فاضل بریلوی نے موصوفہ سے متعلق ۲۵۔ اشعار پر مشتمل ایک نظم لکھی جس میں انھوں نے حج سے متعلق پورے واقعات درج کئے۔ یہ نظم فارسی زبان میں ہے۔ کہیں کہیں عربی اشعار آگئے ہیں۔ ذیل میں صرف وہی اشعار دیئے جا رہے ہیں جن سے تاریخ نکالی گئی ہے۔

لی داشت جلائل سیادت | ہم یافت بہم حج و شہادت
۱۳۱۰ھ | ۱۳۱۰ھ

دہ رحمت فاطمہ بر روحش | روحے ملکی پر فتوحش
۱۳۱۰ھ | ۱۳۱۰ھ

فی الخلد تحنن الیہا | رضوان واسع علیہا
۱۳۱۰ھ | ۱۳۱۰ھ (۲۲)

فاضل بریلوی نے دوسرے علماء، بزرگوں اور احباب و متعلقین کی تواریخ وفات نکالی ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ انھوں نے خود اپنی تاریخ ولادت و وفات دونوں کا استخراج قرآنی آیات سے کیا ہے۔

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ (۲۳)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ مدد فرمائی ہے۔

اس آیت کے کل اعداد ۱۲۷۲ ہیں جو فاضل بریلوی کا سن ولادت ہے (۲۴)

تاریخ وفات اس آیت سے اخذ فرمائی۔ (۲۵)

ویطاف علیھم بانیۃ من فضۃ واکواب (۲۶)

۱۳۴۰ھ

المعتقد المنتقد
١٢٧٠

من تصنیف سیدنا الشاہ فضل الرسول القادری البرکاتی البدایونی قدس اللہ سرہ
مع تعلیقہ اللطیف المسمّٰی بالاسم التاریخی

المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد
١٣٢٠ ھ

من رشحات قلم امام اہل السنۃ ومجدد المائۃ الحاضرۃ اعلیحضرۃ مولینا
احمد رضا خان القادری البرکاتی الحنفی البریلوی قدس اللہ سرہ

الناشر
محمد انوار الاسلام السنی الحنفی القادری الرضوی عفی عنہ
ناشر
مکتبۂ حامدیہ
میلا رام روڈ۔ نزد چوک بازار حضرت داتا گنج بخش۔ لاہور

یطلب من المکتبۃ ایشیق بشارع دار الشفقۃ بفاتح ۷۲
استانبول - ترکیہ

۱۳۹۵ ھجری ۱۹۷۵ میلادی

ترجمانی :۔ "خدام چاندی کے کٹورے اور گلاس لئے ان کو گھیرے ہیں"

فاضل بریلوی نے ہمیشہ ہجری سن کو عیسوی سن پر ترجیح دی ہے۔ فتاوی مکتوبات اور دیگر مراسلات میں انہی تاریخوں کا اہتمام کیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ تاریخ گوئی کے ماہرین دونوں تاریخوں کا سہارا لیتے ہیں کبھی ہجری اور کبھی عیسوی سن استعمال کر کے مقصد بر اری کرتے ہیں۔ مگر فاضل بریلوی نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ تاریخ گوئی جیسے مشکل فن میں انھوں نے عربی اور اسلامی تاریخ ہی کا لحاظ کیا اور تاریخ شادی سے لے کر تاریخ غم اور سن تالیف سے لے کر سن طباعت تک کی تمام تاریخیں سن ہجری ہی میں نکالی ہیں۔ ان کی تصانیف کے اکثر نام تاریخی ہی ہیں۔ ایسا بھی نہیں کہ ان ناموں میں کوئی بھرتی کا لفظ رکھ کر مقصد حاصل کیا ہو۔ ناموں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حسب منشاء نام رکھ دیا۔ بعد میں جب اعداد نکالے تو وہی سن تالیف نکلا۔ ان

تصانیف کے ناموں میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ جہاں ان ناموں سے سن تالیف کا پتہ چلتا ہے۔ وہیں ان کے مباحث اور مندرجات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔کتاب کا موضوع اور عنوان متعین کرنے کے لئے کتاب کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں صرف نام کی تفہیم اس کے لئے کافی ہے۔کتابوں کے نام عموماً مسجع ومقفی رکھتے تھے تاکہ زبان وکان دونوں لطف اٹھا سکیں۔ اور موضوع کتاب برقرار رکھتے ہوئے سن تالیف نکال لینا انتہائی مہارت اور تاریخ گوئی میں حافظہ کی دلیل ہے۔کتاب خواہ تفسیر وحدیث۔ فقہ واصول فقہ، ریاضی وہیئت، سیرت وتذکرہ منطق وفلسفہ کسی موضوع سے متعلق کیوں نہ ہو یہی اہتمام تمام کتابوں کے ناموں کے ساتھ ہے۔ ایشیاء کے عظیم ترین مصنف فاضل بریلوی کے ایک ہزار تصانیف کے ناموں کا تفصیلی تجزیہ کرنا اور ہر ایک نام سے سن تالیف کی وضاحت فن تاریخ گوئی کے اصولوں کے تحت کرنا مشکل ہے اور وقت طلب امر ہونے کے ساتھ ساتھ موجب تطویل بھی ہے۔ لہٰذا ذیل میں انہی چند اہم تصانیف کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ارباب فکر ونظر کے مطالعہ میں آتی رہتی ہیں۔

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن

ک ن ز ا ل ا ی م ا ن ف ی ت ر

۲۰، ۵۰، ۷، ۱، ۳۰، ۱، ۱۰، ۴۰، ۱، ۵۰، ۸۰، ۱۰، ۴۰۰، ۲۰۰

ج م ت ا ل ق ر ا ن

۳، ۴۰، ۴۰۰، ۱، ۳۰، ۱۰۰، ۲۰۰، ۱، ۵۰ = ۱۳۳۰ھ

نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ قرآن کریم کا بے بدل ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ پر مخالفین نے ماضی قریب میں جو کے دے مچائی ہے اس سے اخبارات رنگے ہوئے ہیں۔ کیا کچھ نہیں کیا گیا مگر جو ہونا تھا وہی ہوا۔ اس ترجمہ کے بارے میں علامہ غلام رسول سعیدی (پاکستان) لکھتے ہیں۔

"جو مقام امتیاز قرآن مجید کو باقی کتب سماویہ کے درمیان حاصل ہے۔ اعلیٰحضرت کے ترجمہ قرآن کو وہی مقام باقی تراجم میں حاصل ہے۔۔۔۔ فصاحت بیان کے آئینہ میں اعجاز قرآن کا عکس نظر آتا ہے" (۲۷)

دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے

"یہ ترجمہ اس حیثیت سے زیادہ ممتاز نظر آتا ہے کہ جن آیات قرآنی کے ترجمے میں ذرا سی بے احتیاطی سے حق جل مجدہٗ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی کا شائبہ نظر آتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے ان کے بارے میں خاص احتیاط برتی ہے"۔ (۲۸)

ان تمام ترخوبیوں کے باوجود یہ بھی پڑھئے کہ فاضل بریلوی کا یہ ترجمہ کیوں کر اور کیسے وجود میں آیا۔ سوانح اعلیٰ حضرت کے مصنف مولانا بدرالدین احمد رضوی لکھتے ہیں۔

"صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۶۷ھ) نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا خان سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرما لیا لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی ہے۔ جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو امام احمد رضا نے فرمایا چونکہ ترجمہ کے لئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لئے آپ سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آ جایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم لے کر امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔ ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے جاتے۔

ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین لکھتی ہیں:۔

"اس میں شک نہیں کہ مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی نہایت ذہین، نیک اور بحرالعلوم تھے۔ ہندوستان میں ان کے برابر کے علماء اور مفسرین بہت کم گزرے ہیں۔ ان کا ترجمہ پرخلوص اور سلیس ہے"۔ (۲۹)

الدولة المكية بالمادة الغيبية (۱۳۲۳ھ)

ا	ل	د	و	ل	ۃ	۔	ا	ل	م	ک	ی	ۃ	۔	ب
۱	،	۳۰	،	۴	،	۶	۳۰	،	۵	،	۱	،	۳۰	، ۴۰	،	۲۰	،	۱۰	،	۵	،	۲
ا	ل	م	ا	د	ۃ	۔	ا	ل	غ	ی	ب	ی	ۃ	

۱، ۳۰، ۴۰، ۱، ۴، ۵، ۱، ۳۰، ۱۰۰۰، ۱۰، ۲، ۱۰، ۵

= ۱۳۲۳ھ

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ جو نسبتاً ضخیم ہے اس میں مسئلہ علم غیب پر فاضلانہ گفتگو ہے۔ دوسرے حصے میں چار سوالوں کے جوابات ہیں جن کا تعلق مولانا شاہ سلامت اللہ (متوفی ۱۳۳۸ھ) کی کتاب اعلام الاذکیاء کے آخر میں واقع ایک عبارت سے ہے اور ایک کا تعلق شیخ عبدالحق دہلوی کے خطبہ مدارج النبوۃ سے ہے۔ یہ کتاب ۲۶، ۲۷، ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ کو دو نشستوں میں صرف ساڑھے آٹھ گھنٹہ میں تصنیف کی گئی۔ متعدد بار زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

۳۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (۱۳۲۴ھ)

ح س ا م ا ل ح ر م ی ن ع ل

۸، ۶۰، ۱، ۴۰، ۱، ۳۰، ۸، ۲۰۰، ۴۰، ۱۰، ۵۰، ۷۰، ۳۰

ی م ن ح ر ا ل ک ف ر و ا

۱، ۴۰، ۵۰، ۸، ۲۰۰، ۱، ۳۰، ۲۰، ۸۰، ۲۰۰، ۶، ۱

ل م ی ن =

۳۰، ۴۰، ۱۰، ۵۰ = ۱۳۲۴ھ

فاضل بریلوی نے حضرت شاہ فضل رسول بدایونی (متوفی ۱۲۸۹ھ) کی تصنیف المعتقد المنتقد (۱۲۱۰ھ) پر تعلیقات و حواشی کا اضافہ فرمایا اور اس کا نام المعتمد المستند (۱۳۲۰ھ) رکھا۔ اسی زمانہ میں ان تعلیقات کا خلاصہ علمائے حجاز کی خدمت میں تصدیقات کے لئے پیش کیا چنانچہ حرمین شریفین کے علماء و فضلا نے اس کو اپنی تقاریظ اور تصدیقات سے مزین فرمایا۔ خود فاضل بریلوی نے ان تقاریظ اور تصدیقات کو مرتب فرما کر الگ سے "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کیا۔

۴۔ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۴ھ)

ک ف ل ا ل ف ق ی ہ ا ل ف ا ہ م

۲۰، ۸۰، ۳۰، ۱، ۳۰، ۸۰، ۱۰۰، ۱۰، ۵، ۱، ۳۰، ۸۰، ۱، ۵، ۴۰

ف ی ا ح ک ا م ق ر ط ا س ا ل د

۸۰، ۱۰، ۱، ۸، ۲۰، ۱، ۴۰، ۱۰۰، ۲۰۰، ۹، ۱، ۶۰، ۱، ۳۰، ۴

ر ا ہ م

۲۰۰، ۱، ۵، ۴۰ = ۱۳۲۴ھ

یہ رسالہ بھی سفر حرمین شریفین ہی میں لکھا گیا۔ فاضل مصنف کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خان اسی سفر مبارک میں ہمراہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"وہاں کے علماء کو محسوس ہوا کہ مصنف مشاہیر علوم معقول و منقول میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس قبیل سے نوٹ کے متعلق بارہ سوال تھے جن کا جواب مصنف نے بروز شنبہ شروع فرمایا اور اتوار کو پھر بخار آ گیا تو روز دوشنبہ پہر دن چڑھے اسے تمام فرما دیا۔ ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ کو مکہ معظمہ میں مکمل فرمایا۔" (۳۰)

خود فاضل مصنف نے رسالہ کے آخر میں سن تصنیف وغیرہ کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

"میں نے اس کا نام کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم رکھا ہے تاکہ نام سال تصنیف کی علامت ہو اور بندۂ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا تو پیر کے دن پہر چڑھے۔ میں نے اسے تمام کیا۔ محرم الحرام شریف کی ۲۳، تاریخ ۱۳۲۴ھ اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) میں ہوئی ہے" (۳۱)

۵۔ حدائق بخشش (۱۳۲۵ھ)

ح د ا ی ق ب خ ش ش

۸، ۴، ۱، ۱۰، ۱۰۰، ۲، ۶۰۰، ۳۰۰، ۳۰۰ = (۱۳۲۵ھ)

یہ مولانا احمد رضا خان کا نعتیہ دیوان ہے۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن پاک و ہند

سے نکل چکے ہیں۔ اس کی اب تک دو جلدیں منظر عام پر آئی ہیں۔ تیسری جلد بھی شائع ہوئی تھی جو نا پید ہے۔ موصوف کے ذوق سخن کے بارے میں پروفیسر مسعود احمد (پاکستان) لکھتے ہیں۔

"فاضل بریلوی متبحر عالم اور بلند پایہ فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخن فہمی، سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ نے نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا اور اس میدان میں خوب داد سخن لی۔ آپ نعتیہ جذبات قلبیہ کا بے سرو پا اظہار نہیں کرتے بلکہ آداب عشق و محبت کی آئینہ دار ہیں۔ اس حیثیت سے اردو ادب میں آپ نعت گو شعراء کے سرتاج ہیں۔" (۳۲)

۶۔ الاشکال الاقلیدس لنکس اشکال اقلیدس (۱۳۰۶ھ)

ی	ل	ق	ا	ل	ا	ل	ا	ک	ش	ا	ل	ا
۱۰،	۳۰،	۱۰۰،	ا،	۳۰،	ا،	۳۰،	ا،	۲۰،	۳۰۰،	ا،	۳۰،	ا،

ق	ا	ل	ا	ک	ش	ا	س	ک	ن	ل	س	د
۱۰۰،	ا،	۳۰،	ا،	۲۰،	۳۰۰،	ا،	۶۰،	۲۰،	۵۰،	۳۰،	۶۰،	۴،

س	د	ی	ل
۶۰،	۴،	۱۰،	۳۰،

= ۱۳۰۶ھ

یہ کتاب نام ہی سے ظاہر ہے کہ فن ریاضی میں ہے۔ اقلیدس کے بعض اشکال پر امتحانی اعتراض ہے۔ ابھی زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی ہے۔ اسلامی ریاضی و ہیئت کے آخری دانا کے راز کی اس کتاب کو منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔ فاضل بریلوی کا یہ قول

"علوم ریاضیہ و ہندسہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع تفریق، ضرب، تقسیم کے چار قاعدے بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے اور صرف شکل اوّل تحریر اقلیدس کی وبس۔"

نقل کرنے کے بعد علامہ شبیر احمد خان غوری فرماتے ہیں۔

"یہ تھی کل کائنات ریاضی و ہیئت میں اساتذہ سے تحصیل کی۔ شیخ بوعلی سینا کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے بھی اپنے استاد سے ریاضی و ہیئت کی بہت کم تحصیل کی تھی مگر

بعد میں اپنے ذاتی مطالعہ سے اس میں چار چاند لگادیئے مگر فاضل بریلوی کا معاملہ اس سے عجیب تر ہے۔ علوم دینیہ میں انہماک اتنا تھا کہ کسی اور طرف توجہ کی فرصت ہی نہیں ملی۔" (۳۳)

اس سب کچھ کے باوجود ریاضی میں انھوں نے وہ مقام پیدا کرلیا کہ ہندوستان کے مشہور ریاضی داں سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (متوفی) نے ان کی خدمت میں ایک مسئلہ کے حل کے لئے حاضری دی اور مطمئن ہوکر واپس ہوئے۔ (۳۴)

معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین

(۱۳۳۸ھ)

م ع ی ن م ب ی ن ب ہ ر د

۴۰، ۷۰، ۱۰، ۵۰، ۴۰، ۲، ۱۰، ۵۰، ۲، ۵، ۲۰۰، ۴

و ر ش م س و س ک و ن ز م

۶، ۲۰۰، ۳۰۰، ۴۰، ۶۰، ۶، ۶۰، ۲۰، ۶، ۵۰، ۷، ۴۰

ی ن

۱۰، ۵۰ = ۱۳۳۸ھ

اس کتاب کی سبب تالیف یہ ہے کہ امریکہ کے ایک مہندس پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے دعویٰ کیا تھا کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو اجتماع سیارات کے سبب عجیب انقلاب برپا ہوگا۔ زلزلے اور طوفان آئیں گے۔ کئی ممالک صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ اس کی پیش گوئی ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو بانکی پور پٹنہ کے انگریزی اخبار "ایکسپریس" میں شائع ہوئی جس کا تراشا ملک العلماء فاضل بہار حضرت مولانا ظفر الدین قادری نے ۱۸ صفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو بریلی شریف امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا۔ مطالعہ کے بعد امام احمد رضا نے ملک العلماء کو ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ کو خط لکھا۔

"کیسی عجیب بے ادراک تحریر ہے جسے ہیئت کا ایک حرف نہیں آتا۔ سراپا اغلاط سے مملو ہے۔" (۳۵)

پھر ہیئت و ہندسہ کی رو سے ۱۷ نکات پر مشتمل اس کی تردید "الرضا" بریلی کے شمارہ صفر و ربیع الاوّل ۱۳۳۸ھ مطابق نومبر ۱۹۱۹ء میں شائع کی۔ چنانچہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو کوئی انقلاب برپا نہ ہوا اور پروفیسر البرٹ اپنی پیش گوئی میں ناکام رہے۔ یہی تنقید بعد میں الگ کتابی شکل میں شائع ہوئی اور بار بار شائع ہوئی۔

الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوہاء فلسفۃ المشئمۃ

ا ل ک ل م ہ ۔ ا ل م ل ہ م

۱، ۳۰، ۲۰، ۳۰، ۴۰، ۵، ۱، ۳۰، ۴۰، ۳۰، ۵، ۴۰

ہ ۔ ف ی ا ل ح ک م ہ ۔ ا ل م

۵، ۸۰، ۱۰، ۱، ۳۰، ۸، ۲۰، ۴۰، ۵، ۱، ۳۰، ۴۰

ح ک م ہ ل و ہ ا ی ف ل س

۸، ۲۰، ۴۰، ۵، ۳۰، ۶، ۵، ۱، ۱۰، ۸۰، ۳۰، ۶۰

ف ہ ۔ ا ل م ش م ہ

۸۰، ۵، ۱، ۳۰، ۴۰، ۳۰۰، ۴۰، ۵ = (۱۳۳۸ھ)

گردش زمین کی زد میں فلاسفہ قدیم نے دس دلیلیں پیش کی تھیں جو خود بھی غلط اور خلاف عقل تھیں۔ نوزمبین کی فصل سوئم میں ان دلیلوں کو پیش کر کے ان کی تردید کی گئی ہے لیکن اس تردید کے لئے ضروری تھا کہ فلاسفہ کردہ دلیلیں جو فلسفہ کے جن اصول و مسلمات پر مبنی ہیں انھیں بھی باطل ثابت کیا جائے۔

اب فصل سوم کی تذئیل میں ان نظریات کا تعاقب شروع کیا جو تیس مقامات تک جا پہنچا اور قدیم فلسفہ کی تردید میں "الکلمۃ الملہمہ" کے نام سے مستقل کتاب کی صورت اختیار کر گیا۔

علامہ شبیر احمد خان غوری سابق انسپکٹر مدارس عربیہ اتر پردیش اس کتاب کے بارے میں

رقم طراز ہیں۔

"میرے نزدیک" الکلمۃ الملہمہ" کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس میں فلاسفہ کے ان دلائل کا بھی ناقابل تردید براہین سے بھرپور ابطال کیا گیا ہے جن کے جواب سے ہمیشہ خاموش رہے اور کسی نے پورے طور پر ان کا بطلان واضح کرنے کی ہمت نہ کی۔ یا بلفظ دیگر اس کی طرف توجہ نہ فرمائی"۔ (۳۶)

یہ کتاب میرٹھ سے حضرت علامہ صدر العلماء غلام جیلانی میرٹھی (متوفی ۱۹۷۸ء) کی زیر نگرانی ۱۹۷۴ء میں زیر طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

"حواشی وحوالے"

(۱) نزھۃ الخواطر۔ مولانا عبدالحئی رائے بریلوی (۸ : ۳۸) دائرہ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۹۷۰ء

(۲) دائرہ معارف اسلامیہ پاکستان (۱۰ : ۲۸۲) طبع اوّل سرہند شریف ۱۹۷۳ء

(۳) امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، مولانا یٰسین اختر ص ۸۶، دہلی ۱۹۸۵ء

(۴) تعارف امام احمد رضا ص ۱۷، الہ آباد ۱۹۸۳ء

(۵) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ پروفیسر مسعود احمد قادری ص ۲۹، الہ آباد طبع ششم ۱۹۸۱ء

(۶) تہذیب الاخلاق علی گڑھ جنوری ۱۹۸۷ء ص ۶۵

(۷) علی گڑھ میگزین ص ۱۳۳ - ۸۵ - ۱۹۸۴ء

(۸) قرآن حکیم کے اردو تراجم : ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین ص ۱۳۴، بمبئی ۱۹۸۴ء

(۹) عزائب الجمل۔ عزیز جنگ بہادر ص ۱۴۵ حیدرآباد ۱۳۳۷ھ

(۱۰) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان۔ میر غلام علی آزاد ص ۲۱۱

(۱۱) تفسیر بیضاوی قاضی بیضاوی ص ۶ مطبوعہ ۱۳۵۸ھ

(۱۲) مقدمہ ابن خلدون بیروت ۱۹۶۱ء

(۱۳) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۲۱۱

(۱۴) شمس المعارف احمد بن علی البونی مطبوعہ اشاعت الاسلام دہلی

(۱۵) غرائب الجمل عزیز جنگ بہادر ص ۴۰

(۱۶) آب حیات، محمد حسین آزاد ص ۳۵۳ لکھنؤ ۱۹۸۱ء

(۱۷) آب حیات، محمد حسین آزاد ص ۴۱۱

(۱۸) تعارف امام احمد رضا ص ۱۹

(۱۹) غرائب الجمل ص ۱۹۳

(۲۰) غرائب الجمل ص ۱۵۲

(۲۱) تذکرہ علمائے اہلسنت مولانا محمود احمد قادری ص ۲۲ کانپور ۱۳۹۱ھ

(۲۲) حدائق بخشش ۔ رضا بریلوی مرتبہ مفتی محبوب علی بمبئی حصہ سوم ریاست پٹیالہ (۱۳۴۲ھ)

(۲۳) سورہ المجادلہ آیت ۲۲

(۲۴) سوانح اعلیٰ حضرت، مولانا بدر الدین احمد ص ۹۶ طبع پنجم ۱۹۸۴ء

(۲۵) وصایا شریف ۔ مولانا احمد رضا خان ص ۱۶ مطبوعہ ۱۹۸۳ء

(۲۶) سورہ الدہر آیت ۱۵

(۲۷) ضیائے کنز الایمان مولانا غلام رسول سعیدی لاہور ۱۹۷۸ء

(۲۸) قرآن حکیم کے اردو تراجم ۔ صالحہ عبدالحکیم شرف الدین ص ۳۲۳

(۲۹) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں ص ۱۴۹

(۳۰) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں ص ۱۴۹

(۳۱) انوار رضا ص ۴۶۵ لاہور ۱۳۹۷ھ

(۳۲) ضیا میگزین ۔ سر ضیاء الدین ہال علی گڑھ ص ۷۶ ۔ ۱۹۸۵ء

(۳۳) العلم کراچی اپریل تا ستمبر ۱۹۷۵ء جلد ۲۳ شمارہ ۲، ۳، ص ۱۷۷

(۳۴) فلسفہ اور اسلام (مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید) امام احمد رضا ص ۳

(۳۵) معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۸۱ء ص ۱۰۵
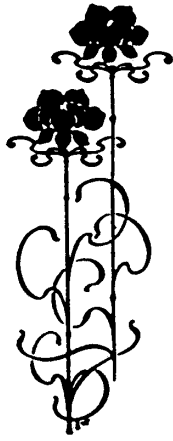
فاضل بریلوی اور علم جفر

خواجہ مظفر حسین

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے نورانی سلسلے اور ان کے ادوارِ جہاں تاب کے علاوہ کبھی عالمِ رنگ و بو کا کوئی دور معلمانِ علم و حکمت اور محرمانِ فکر و دانش سے خالی نہیں رہا ہے۔ جو رہتی دنیا تک تشنہ گانِ علم و معرفت کے لئے معالمِ طریق اور سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان نوابغِ روزگار افراد کے ساتھ ہی ساتھ قافلۂ علم و فن پر شب و خون مارنے والوں کی بھی کمی نہیں رہی ہے۔ جنہوں نے علم و حکمت کو متاعِ خرید و فروخت سمجھا۔ اور اسے حصولِ دنیا اور جلبِ منفعت کا ذریعہ جانا۔ بعضوں نے اور آگے بڑھ کر اپنے اس کاروبار پر دین و دیانت کا لیبل لگا کر چسپاں کر دیا۔ مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علم و حکمت کی حقیقی لذّات سے بے بہرہ ان نام نہاد علمأ کا حقیقی وجود ہمیشہ تارِ عنکبوت اور نقشِ حباب ثابت ہوا۔ متغیر اور عارضی مادے کی محبت انھیں دوام نہ بخش سکی، انہوں نے محدود زمان و مکان میں ظاہر بینوں کی نگاہوں کو توخیرہ کیا۔ مگر خود مادّے کی تاریک وادیوں میں گم ہو گئے۔

علم کے نام پر زلفِ گیتی کے پیچ و خم درست کرنے والوں سے قطع نظر پہلے طبقہ کے صاحبانِ علم و آگہی کے جہانِ نو پیدا کرتے رہے۔ نفع و ضرر سے بے نیاز حکمت و دانائی کے چراغ روشن

کرتے رہے، فکر وفن کے گیسو سنوارنے میں مصروف رہے۔

آج بھی ان افکار کی نکہتیں علمی فضاؤں میں بسی ہوئی ہیں، ان کی نکتہ رسائی کی کہکشاؤں سے آسمان علم وادب تابندہ ہے، ان کے دیدہ وری کے فیضان سے فکر وفن کی انجمن آباد ہے۔

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما۔

ایسی شخصیات میں ائمۂ دین اور ان کے اصحاب وتلامذہ کے علاوہ امام ابو محمد غزالی، امام فخر الدین رازی، شیخ بو علی سینا، ابونصر فارابی، ابن ہشیم، ارشمیدس، ثاؤذوسیوس، فیثا غورث، بطلیموس، آئن اسٹائن، گلیلیو، ٹوری سیلی، نیوٹن، پرسٹلے، شیلے اور لیوانیئے وغیرہ کا شعار ہے۔

جب ہم بنی نوع انسان کی اس زریں تاریخ کے چند مزید اوراق الٹتے ہیں۔ تو عہد قریب میں ہمیں ایک ایسی شخصیت جلوہ ساماں نظر آتی ہے، جو ایک طرف ائمۂ اسلام کے ہمدم وہمراز ان کی دینی بصیرت ومذہبی شعور سے آگاہ اور غزالی ورازی کے اسرار سے باخبر ہے ...... تو دوسری طرف ابن سینا، فارابی، اور بطلیموس کے تدقیقات سے کھیلتی، ابن ہشیم، ارشمیدس اور ثاؤذوسیوس کی ریاضیات سے مسکرا کر باتیں کرتی۔

آئن اسٹائن اور گلیلیو کے نظریات کا تعاقب کرتی۔ ٹوری سیلی اور نیوٹن کے کلیات کے پرخچے اڑاتی اور پرسٹلے اور لیوانیئے کے کیمیائی اکتشافات کی تشریح نظر آتی ہے۔

جب ہم اس ہمہ جہت ہستی کو عمیق نگاہوں سے دیکھتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے۔ کہ یہ عناصر اربعہ سے مرکب نہیں، سراسر حکمت ودانائی کا پیکر ہے۔ سراپا علم وفن کا مجسمہ ہے۔ اور یہ شخصیت ہے۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی ——————— اس یگانہ روزگار نے تقریباً پچاس، ساٹھ علوم وفنون میں اپنی بیش بہا تصنیفات بطور میراث چھوڑی ہیں۔ قدرت نے ان تصنیفات کو اپنی حمایت وحفاظت کا ایسا صیقل عطا فرمایا، کہ دست بغض وعناد کی گرفت میں آج تک کچھ نہ آسکا۔ یہ فاضل بریلوی کی خلوص وللّٰہیت کا انعام ہی ہے، کہ قدرت نے انہیں صیانت قلم سے نوازا۔

امام احمد رضا نے جہاں کہیں تفسیر وحدیث، فقہ واصول، منطق وفلسفہ، ہیئت وہندسہ، مساحت وتوقیت لوغارثم وجر الاثقال، جبر ومقابلہ، اجرام وابعاد، مثلثات وآکر، تناسبہ متعددہ، مناظر ومرایا، ارثماطیقی ونجوم، اور دیگر مبادیات مثلاً صرف ونحو، معانی وبلاغت اور بیان وبدیع میں کمال

حاصل کیا وہیں انہیں ایسے علوم سے بھی وافر حصہ ملا جن کا شمار علم الاسرار میں ہوتا ہے۔ انہیں علوم میں سے علم جفر بھی ہے۔

علوم و فنون کی تعداد کے بارے میں نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ

عن بعض الفضلا ان العلوم المدونة ثلثمائة وست وستون العلما (ترجمہ بعض فضلاء سے منقول ہے کہ علوم مدونہ ۳۶۵ علوم ہیں)

والمختار عندی ان عدد العلوم اکثر من ان یضبط القلم۔

وعن الامام الغزالی عن بعضهم ان القرآن یحتوی سبعاً وسبعین الف علم ومائتی علم نقل السیوطی عن الفاضل ابی بکر بن العربی انه ذکر فی قانون التاویل ان علوم القرآن خمسون علماً واربعة مائة علم وسبعة ۔ صہ

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ علوم کا شمار ناقابل شمار ہے۔ امام غزالی بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن ۷۷۲۰۰ علوم پر مشتمل ہے۔ امام سیوطی فاضل ابی بکر کی تصنیف "قانون تاویل" سے ناقل ہیں کہ علوم قرآن ۷۷۴۵۰ عدد ہیں۔

ظہور و خفا کے اعتبار سے علوم کی چند قسمیں ہیں۔ صہ۲

۱۔ علوم جلیہ، ۲۔ علوم خفیہ، پھر علوم خفیہ کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) مستحب الکتمان، (ب) واجب الکتمان۔ وہ علوم متداولہ جو مدارس و مجالس سے اکتساب کیے جاتے ہیں۔ اور شائع و ذائع ہیں وہ علوم جلیہ ہیں۔ اور وہ علوم جنہیں علماء و عرفاء عامیوں کی نظر سے مستور رکھتے ہیں وہ علوم خفیہ ہیں۔ ان میں علم جفر واجب الکتمان ہے۔

علم جفر کے بارے میں عالم علوم الاسرار شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ

فمن ظفر به فلیتق اللہ تعالیٰ ویکتم هذا السر المخزون۔ واللؤلؤ المکنون ولا یفشی علیه غضب الرحمٰن وسلب الایمان۔

(ترجمہ: جو اس گوہر نایاب کو حاصل کرلے اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیئے، اور لوگوں سے اسے پوشیدہ رکھنا چاہیئے، ورنہ غضب الٰہی میں گرفتار ہونے اور ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے) صہ
شاہ کرمانی سے منقول ہے کہ:

من نطق عن درجة قبل ان يرقیها کان حقا علی الله ان یحرمه تلك الدرجة فلا ینالها

ترجمہ :- اگر کوئی کسی درجہ کے حصول سے پیشتر اس کا تذکرہ کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اس درجے سے محروم کر دیتا ہے۔ وہ اس درجے کو نہیں پا سکتا ہے ص٢

واقعہ یہ ہے کہ علم جفر علم لدنی میں سے ہے جس کا اکتساب نہ مکاتیب ومجالس سے ہو سکتا ہے نہ مدارس و محافل سے ممکن ہے۔ البتہ اگر کوئی صاحب نظر التفات فرمائے۔ یا براہ راست رحمت الٰہیہ مائل بہ کرم ہو جائے، تو اس علم شریف کا حصول ہو سکتا ہے۔ شیخ ابن عربی فرماتے ہیں۔

ان هذا العلم لا یوجد فی السطور و لا یوجد بالقیاس و لا بالهندسة ولا بالذوق و لا بالنقل ولا بالفهم وانما یختص برحمة من یشاء یهدی الیه من اناب۔

(یعنی یہ علم کتاب قیاس، ہندسہ، ذوق، نقل اور فہم سے نہیں ملتا یہ تو رحمت الٰہی سے ہی ملتا ہے۔ جسے عنایت فرما دے) ص٣۔

علم جفر دراصل سائل کے سوال کے حروف کو ایک خاص انداز میں ترتیب و تقلیب کرنے کا نام ہے۔ اس مخصوص تقلیب اور الٹ پھیر میں کہیں مخفض، ترقی، ترفع، تنزلی، مساوات، طرح وصفی اور کہیں بسط، بسط المخفض، طرح البسط، طرح الطبع نیز کہیں زبر و بینات، مداخل مدات اور کہیں بطون سیعہ کا عمل کرنا پڑتا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں۔

ان اسرار الحروف لا تدرک بشیئ من القیاس کبعض العلوم و انما تدرک بالعنایة الالهیة اما بشیئ من سر الافتقار او بشیئ من اسرار الوحی او بشیئ من اسرار الکشف او بنوع من الانواع المخاطبات وما عدا هذا الاقسام الاربعة محدث النفس لا فائدة فیه

(یعنی اسرار حروف کا جاننا دوسرے علوم کی طرح قیاس سے نہیں ہوتا۔ یہ تو فقط عنایت الٰہی سے ہوتا ہے۔ ________ ۔ یہ عنایت خواہ لسر الافتقار سے ہو یا اسرار وحی سے ہو خواہ اسرار کشف سے ہو یا مخاطبہ کی کسی قسم سے ہو۔ بقیہ طریقے "حدیث نفس" ہیں جن میں کچھ فائدہ نہیں) ص٣

علم جفر میں حروف کی ابجد میں اٹھائیس ٢٨ عدد ہیں اور پھر صفات کے اعتبار سے اس کی متعدد

اصناف ہیں۔ اس کے بارے میں ارشاد ہے۔

لها صور فی عوالمها تعرف اهل الکشف ولا تدرک بالذکاء ولا بالعقل ولا بالقیاس

ولا بالبحث وانما تدرک بالاصول الاربعة التی اقدم ذکرها۔

(یعنی ان اصناف کی معرفت فقط اہل کشف کو ہوتی ہے عقل و دیانت و بحث و قیاس سے نہیں ہوتی۔ متذکرہ بالا اصول اربعہ سے ہی اس کا ادراک ہوتا ہے) ۶۵

اس علم شریف کے بارے میں مابین جفاریہ مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو یہ علم بخشا۔ اور پھر یہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہوا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولا علی کو ملا۔ نیز ان کے توسط سے ائمہ اہل بیت کو عطا ہوا۔ اور سیدنا امام جعفر صادق کے ذریعہ اولیاء عظام، علماء کرام اور مخصوصین کو یہ علم حاصل ہوا۔ شیخ الاسرار علامہ ابن عربی کو اس فن کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ شیخ کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحہ شاہ کرمانی اور شیخ سلیم واعظ مصری اس فن کے استاد مانے جاتے ہیں۔ بعض کتابوں میں امام الاشراقیین افلاطون کو بھی اس فن کا ماہر بتایا گیا ہے۔

امام احمد رضا کے عہد میں مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ میں ایک ایسی ہستی جلوہ گر تھی، جو نہ "پدرم سلطان بود" کے دھن میں مخمور تھی نہ "تاج بے سلطانی" زیب فرق کئے، نشہ میں چور تھی، بلکہ مست مئے الست اور بادۂ عرفان کے کیف و نشاط سے مسرور اور الٰہی کی تجلیات سے معمور تھی۔ امام احمد رضا کی طرف اس مرد خدا آگاہ کی نگاہ اٹھی اور الطاف رحمانی کی بارش شروع ہو گئی۔

آپ کو علم جفر کا ایک قاعدہ بدوح بلین کی تلقین کرتا ہوں۔ آپ اس میں محنت و ریاضت کریں۔ تو انشاء المولیٰ حقائق و معارف کے خزائن ابلنے لگ جائیں گے۔

فاضل بریلوی کو قاعدہ بدوح بلین کی تلقین کرنے والی یہ شخصیت غوث العالم حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے مرشد حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ کی تھی۔

امام احمد رضا نے حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ کے فرمان کے مطابق اس علم کے حصول میں کوشش شروع کی، تو رازہائے سربستہ کے پردے وا ہونے لگے اور یکے بعد دیگرے پیچ و خم سلجھتے گئے مزید دستگاہ حاصل کرنے کے لئے فاضل بریلوی نے اس فن کی بہت ساری کتابیں جمع کیں، مگر جب حاصل شدہ قاعدے سے استفسار فرمایا، تو جواب آیا کہ دو کتابوں کے علاوہ بقیہ ساری کتابیں

جلا دینے اور دریا برد کر دینے کے لائق ہیں جن دو کتابوں کی صداقت کی تصدیق ہوئی، وہ ہیں الدر المکنون اور الکوکب الدریہ۔ علاوہ ازیں جواب میں یہ بھی نشاندہی ہوئی کہ موخر الذکر کتاب زیادہ آسان ہے۔

پھر کیا تھا!

حضرت نوری میاں کی چشم عنایت، دونوں مذکورہ کتابوں کی اعانت اور خود امام احمد رضا کی خداداد ذہانت نے مل کر پیچیدگیوں کے تمام تلعوں کو مفتوح کر لیا حتی کہ فن کی تسہیل کے لئے از خود بہت سے جدولیں تیار فرمائیں تاکہ بوقت عمل زیادہ زحمت و دشواری نہ ہو۔

الدر المکنون کی عبارت میں ایک مقام پر شبہہ ہوا۔ اور خیال گزرا کہ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ قاعدہ جفر سے معلوم کیا تو جواب آیا کہ کتابت کی غلطی نہیں ہے، غور کیجئے۔ اور واقعی جب غور فرمایا۔ تو راز کھل گیا۔

علم جفر کے بہت سے قاعدے ہیں جن میں زیادہ قابل وثوق قاعدے تین ہیں۔

(۱)۔ بدوح یلین (۲) الجفر الجامع (۳) قاعدۂ تولید

ابتداءً فاضل بریلوی حضرت نوری میاں کے تلقین کردہ قاعدہ بدوح یلین ہی پر عمل کرتے رہے لیکن بعد میں آپ قاعدہ الجفر الجامع جو قلیل المؤنہ تھا کا زیادہ استعمال کرنے لگے۔ اس قاعدے میں اولاً یہ معلوم کرنا پڑتا ہے کہ قمر سوال کے وقت کس منزل میں ہے، اور پھر رباعی در سباعی جدول جس میں سطور کی تعداد سات اور اضلاع کی تعداد چار ہوتی ہے۔

جملہ بیوت اٹھائیس ۲۸ ہوتے ہیں، اسے تیار کرکے اول خانے کو نو حروف (حروف منزل تین حروف متوالیہ سوال کا حرف ملخص اور پھر حرف الجفر الجامع سے پر کرتے ہیں۔ یہ اول بیت ہوا۔ اس طرح متوالیاً تمام بیوت ثانی اور ثالث وغیرہ پر کرتے ہیں۔ ثانیاً، پہلی جدول کی طرح دوسری جدول رباعی در سباعی تیار کرکے اس میں جدول اول کے جمل کبیر کے حروف لکھے جاتے ہیں۔ ثالثاً علم الاوفاق کے مطابق شطرنجی چال سے مختلف خانوں سے حرف اٹھا اٹھا کر التقط و للفظ کرتے جاتے ہیں۔ لفظ و لقط کا قاعدہ یہ ہے کہ بیت سے جو حرف ماخوذ ہوں، انہیں لسطون سبعہ کے ذریعہ استنطاق کرکے حاصل اکٹھا کئے جاتے ہیں، اور پھر ان حاصل شدگان کو باہم مربوط کرکے لفظاً اور اس کے

نقشے بنائے جاتے ہیں تاآنکہ پورا جواب حاصل ہو جائے۔ اس نقط لفظ میں ایک دور بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ کئی ادوار ہو سکتے ہیں۔ البتہ ہر طاق دور مستوی اور ہر جفت دور معکوس چلتا ہے۔ ماہتاب کی منازل طے کرنے کے لئے فاضل بریلوی نے تین طریقے تحریر فرمائے ہیں۔ اول تقویم بالزیج، دوم ناٹیکل المنک، سوم جنتریوں سے معلوم کرنا لیکن موخر الذکر طریقے کو امام نے کمزور اور ردی قرار دیا ہے۔

قاعدہ بدوح یلن میں عمل کے دوران گیارہ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

(۱) افراز (۲) الہام (۳) بینات (۴) فرقان (۵) القافی الروع (۶) مداخل خمسہ ملات (۷) استنطاق (۸) نتیجہ (۹) نظیرہ (۱۰) صدر مؤخر (۱۱) مستحصلہ

مستحصلہ کے لئے ایک ایسی جدول تیار کی جاتی ہے جس کی طول میں صدر مؤخر کے حروف کی تعداد کے برابر خانے ہوتے ہیں۔ اور عرض میں سات خانے متعین ہوتے ہیں جن میں سے پہلی لائن میں حروف دوسری لائن میں ترفع، ترقی، تنزل اور مساوات درج ہوتے ہیں تیسری لائن میں حقوق دیئے جاتے ہیں۔ باقی لائنوں میں دوسرے اعمال کئے جاتے ہیں۔ (جنہیں طوالت کے سبب ترک کیا جا رہا ہے۔ اور اس سوال کا جواب سوال ہی کی زبان میں حاصل ہو جاتا ہے۔

قاعدہ تولیدی میں بھی رباعی و سباعی جدول تیار کر کے محور سوال کے حروف خانہ میں درج کئے جاتے ہیں۔ اور توالد و توالیاً اٹھائیسویں خانہ تک پر کئے جاتے ہیں۔ پھر نقط و لفظ سے اپنا جواب حاصل کیا جاتا ہے۔ الدر المکنون والجوہر المصئون میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے ابتدائے اسلام سے لے کر قیام قیامت تک پیش آنے والے اسلامی سلطنتوں کے عروج و زوال کے کوائف ان ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے احوال معلوم کرنے کے لئے تیس پینتیس جدولیں تیار فرمائی ہیں جس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، مصر، حلب، یمن، قسطنطنیہ روم اور دوسری مسلم ریاستوں اور ان کے سلاطین امراء وقضاۃ کے احوال، ظہور مہدی، خروج اصغر اقامتہ الامام بالشام خروج دجال اور اس کی علامتیں، دجال کا قتل، منارہ جامع اموی دمشق سے نزول مسیح اور ان کے کارنامے پھر ان کا مدینہ منورہ میں دفن ہونا یاجوج ماجوج کا خروج اور ان کی ہلاکت کی وجہ سے روئے زمین پر بدبو پھیلنا خروج دابہ اور لوگوں سے اس کا کلام کرنا،

سمندر سے عورت کا باہر نکلنا اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا عدن سے آگ کا شعلہ بھڑکنا، پچھم سے آفتاب کا طلوع ہونا، نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ اور اقامت قیامت وغیرہ احوال اشاروں اور کنایوں میں مندرج ہیں ۔ ص۱

امام احمد رضا نے ان تمام جداول کے خانہ اول میں محور سوال کے مرقوم حروف کی تشریح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے ص۲ مگر ہنوز اس لیلیٰ حسن کے لئے چشم مجنوں کی ضرورت ہے ۔

امام احمد رضا نے نہ صرف ان قواعد سے استفادہ فرمایا ہے ۔ بلکہ جن دوسری کتابوں کے بارے میں دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے ۔ کہ صاحب کتاب کو نہ اس فن شریف سے دلچسپی تھی اور نہ ہی آگاہی تھی، بلکہ حصول جاہ وحشم اور نگاہ غیر میں "معتبر" بننے کی سعی ناکام کے سوا کچھ نہیں ۔ کچھ مسائل ادھر ادھر سے اخذ کر کے اور کچھ بنات خود اضافہ کر کے کتاب لکھ ڈالی ۔

امام احمد رضا کے ایک دوست فاضل بخاری جناب عبد الغفار صاحب نے آپ سے اس فن سے متعلق ایک ایسے قاعدے کا ذکر جس کے بارے میں مابین الجفار واضح انداز میں "ناطق" ہونے کی شہرت تھی، آپ نے سنتے ہی اس قاعدے کی صداقت سے انکار فرمایا نیز جن کتابوں میں وہ قاعدہ مندرج تھا، فاضل بخاری کی نشاندہی پر ان ساری کتابوں کو منگوایا ۔ اور ان سب پر جرح ونقض فرمایا ان کتابوں سے چند کتابوں کا ذکر خود فاضل بریلوی نے اپنی تصنیف میں کیا ہے اور مختلف عناوین مثلاً (۱) الکلام علی جفر البخاریہ (۲) الکلام علی المرصد الاسنی (۳) الکلام علی رسالۃ بدوح یلن، (۴) الکلام علی مفتاح الجفر قائم فرماکر ان کتابوں کے مندرجات کی تغلیط فرمائی اور آخر میں جفر الجامع کے قاعدے سے ان کتابوں کے بارے میں سوال کر کے تائید میں بھی جواب حاصل کیا ۔ یہاں فاضل بریلوی نے جفر الجامع کے قاعدہ کو جاری کرتے ہوئے شطرنجی چال میں شیخ سلیم واعظ مصری کے بیان کردہ دستور کو اپنایا ۔ اس دستور میں اگرچہ علم الاوفاق کے مطابق اضلاع میں تو تقارب تھا مگر اسی کے مطابق سطور میں تقارب نہ تھا، بلکہ غایت درجہ تباعد تھا جسے فاضل بریلوی نے واضح طور پر نقشہ کھینچ کر بتایا ہے ۔ بعد ازیں آپ نے پھر اسی قاعدے جفر الجامع کو اسی سوال کے جواب حاصل کرنے کے لئے علم الاوفاق کی رعایت کرتے ہوئے تقارب کے بجائے سطور پر یکساں تیار کر کے اس کی یکسانیت پر دو دلیلیں قائم کیں اور شطرنجی چال کو بدل کر پھر سے جواب حاصل کیا، اور اس طرح اس سوال کے جواب کے لئے

دو میزانیں حاصل فرمائیں، میزان سلیمی سے زیادہ حساس ثابت ہوا ہے یہ دونوں میزانیں آپ کی تصنیف میں موجود ہیں۔

اس مقالے میں سوال اور اس کے جواب کا مطلب بغیر ترجمہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین بھی اس سے محفوظ ہوسکیں۔

سوال (۱) کیا علم جعفر میں کوئی ایسا قاعدہ ہے، جس کے ذریعے مستحفرہ سے مستحصلہ کا استخراج اور پھر انہیں نظائر ابجدیہ سے بدلنے پر بغیر اخذ و ترک اور بغیر اعمال تکسیر صاف صاف جواب نکل آئے؟

(۲) رسالہ بدوح یلن، مفتاح الجفر، مرصد السنی اور رسالہ جفر الخانیہ میں جس قاعدے کا ذکر ہے۔ کیا وہ بالکل درست ہے۔ یا ان کے مصنفین کا خود ساختہ ہے؟ (۳) اگر نہیں تو ان میں صحیح تر کون سی کتاب ہے۔ (۴) ان میں سے کس کتاب میں اس قاعدے کا مکمل بیان ہے؟ (۵) اگر ان میں سے کوئی کتاب صحیح نہیں تو یہ قاعدہ کس کتاب میں مذکور ہے؟ (۶) کیا یہ قاعدہ بدوح یلن جو ان مذکورہ کتابوں میں درج ہے۔ در المکنون اور الکوکب الدریہ میں مذکورہ قاعدے سے احسن ہے؟

الجواب: بے پردہ کھل کر جواب دینا سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے کسی کو حاصل نہیں۔ اس کتاب کے مصنفین رافضی دروغ گو ہیں غضب اللہ علیہم اس درجہ سے یہ لوگ حق سے محجوب ہوگئے ان لوگوں کا مقصد اس سے جاہ طلبی ہے۔ دراصل ان کتابوں میں جو کچھ ہے من گھڑت ہے۔ اور ان لوگوں نے حضرت علی حیدر کرار اور جعفر صادق پر اس سلسلے میں بہتان باندھا ہے یہ کتاب بالخصوص مفتاح الجفر جلا دینے کے قابل ہے۔ ہاں الدر المکنون اور الکوکب الدریہ صحیح ہیں بلکہ مؤالذکر پہلی سے سہل ہے آپ اپنے دوست بخاری صاحب سے بتادیں، کہ جو طریقہ وہ اپنائے ہوئے ہیں۔ وہی درست ہے اس کا اعتبار کریں۔ اور اسی پر جمے رہیں۔

امام احمد رضا کے یہی دوست فاضل بخاری، میزمسمریزم اور دوسرے عملیات کے بھی خاصے ماہر ہیں۔ ان کا ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ کہ ایک بار جب وہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے لئے بریلی شریف آئے اور وہاں مقیم تھے۔ تو اسی دوران بخاری صاحب کے کسی دوست نے انہیں خط لکھا کہ "میں یہاں حیدرآباد میں ایک مالدار غیر مسلم عورت کے عشق میں مبتلا ہوگیا ہوں۔ اور یہ عورت بیس لاکھ روپیہ کی مالکہ ہے۔ وہ خود بھی مجھے چاہتی ہے۔ مگر اس کا خاندان اور عقیدہ ہمارے درمیان حائل ہے۔ آپ کوئی عمل اور تدبیر ایسی کر دیجئے، جس سے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں"۔ آپ نے فرمایا کہ اس عورت

کا کفر سب سے بڑا عائق موجود ہے۔ فاضل بخاری سے اصرار کیا، مگر یہ تو بے حد پیار کرتی ہے ہو سکتا ہے، کہ مذہب تبدیل کر کے شادی رچالے۔ امام احمد رضا نے ان کے اصرار پر سوال مرتب کر کے زائچہ سے یہ معلوم کیا کہ قمر منزل ذراغ میں ہے۔ سوال کا اردو ترجمہ ہے۔

"کیا رام پھیا بائی بنت راسکا اور دلاور علی بن اصغری بیگم کے مابین موافقت ہو سکتی ہے۔ اور ان کا نکاح ہو سکتا ہے"

امام احمد رضا نے ان کے لئے دو جدولیں تیار کیں۔ اور جفر الجامع کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے جواب حاصل کیا۔

"کیف ینکحھا وھی مشرکۃ لاتومن باللہ ابداً"

(جواب) عقد نکاح کیسے ممکن ہو گا جبکہ یہ مشرکہ ہے۔ اور اس کی قسمت میں ایمان باللہ ہے ہی نہیں

امام احمد رضا نے اپنی بعض محفلوں میں اس فن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے جتنے علوم و فنون کے مطالعے کئے سب سے دشوار تر اس فن کو پایا۔ اس فن کی اپنی تصنیفات میں ان کے شرائط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ بوقت عمل طہارت کا التزام کرے۔ اس کا عمل ریا سمعہ اور طلب دنیا کے لئے نہ کرے۔ زنا، لواطت اور کذب سے احتراز کرے۔ بغیر حاجت شدیدہ خود اس علم کا اظہار نہ کرے۔ کسی فاسق کے سوال کے حل کے لئے استعمال نہ کرے اس کا حامل ہر ماہ کے شروع میں میٹھی چیز پر سیدنا جعفر کا فاتحہ کرائے۔ اس کی تعلیم اس کے اہل کے سوا کسی اور کو نہ دے اور جو نتیجہ جواب میں برآمد ہو بغیر خوف و ہراس کے اسی کو سائل کو بتائے۔ اور مکمل ایک سال روزانہ اس اسم جلالت کی زکوٰۃ ادا کرے۔

امام احمد رضا اور علم جفر سے متعلق دوسرے دلچسپ امور کا تذکرہ استاذنا الکریم ملک العلماء کی تالیف کردہ "حیات اعلیٰحضرت" اور الملفوظ شریف میں تفصیل سے موجود ہے۔

آخر میں محترم المقام مولانا محمد عبدالحکیم شرف القادری استاذ جامعہ نظامیہ لاہور کے ان خوبصورت اور حقیقت انگیز کمالات پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

لحق امام احمد رضا القادری۔ الی جوار ربہ لخمس یقین من صفر المظفر (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) ببلدۃ بریلی (الھند) فکفن العلم فی اکفانہ و ادفن الفضیلۃ باندفانہ لکن تصانیفہ العالیۃ المملوۃ بتعلیماتہ تترشد الناس الی الحق الی یوم القیامۃ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ جل مجدہ الکریم۔

مربع بهادر خانی

از ربع دور ورط جیب این تمام ۱۲
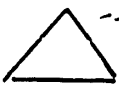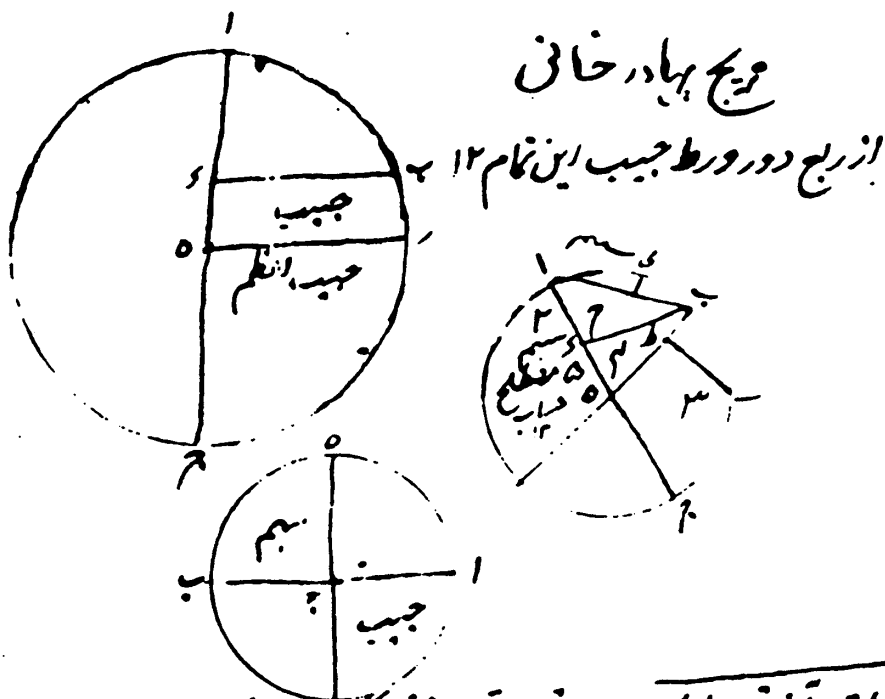
قوله تمام آن قوس باشد وبهر حال تمام قوس منفع را گیرند پس فلک را جیب جیب تمامش جیب ل ک ح ۱۲

قوله وباین اعتبار سهم مکتوب در شکل مثلا بجانب ج ره را که سهم قوس اب ست سهم قوس اب ست سهم قوس اه گویند ۱۲

قوله سر قوس جزوی باشد که همان نصف قوس ست ۱۲

قوله آن قوس وطرف جیب یعنی همان نصف قوس ۱۲

قوله همان قوس بالجمله که نصف قوس ست ۱۲

قوله از ربع جیب تمام که طریقه استخراج ادخال مذکور شده ۱۲

قوله باقی سهم یعنی مصطلح حساب ۱۲ منه

قوله تا ربع از نصف قطر مثلا در مثال مفروض سابق قوس اب کمتر از ربع بود جیب تمامش از ربع که سه بوده است نصف قطر که پنج ست کاستیم دو باقی ماند همین مقدار سهم ای ست یعنی همان سهم مصطلح حساب نه سهم اول که ج ی بود دلیلش آنکه چون ب ی حکم فرض ۴ بود و ب ه که نیز نصف قطر ست ۵ لاجرم ی ه بحکم شکل عروس ۳ باشد زیرا که مربع ب ه برابر مربعین ب ی ی ه ست وچون از اه ۵ جزء ی ه ۳ جزء بر آمد

الجفر الجامع سنہ ۱۳۳۲ھ

بدانکه زمام موخر مکسورات را التضمین الحروف گویند که سطر ثانی او مثل زمام اول می باشد

(ستر) بدانکه در علم جفر قاعده اطراح کہ بہ شش قسم است طرح اول موافق عناصر اربعہ کہ ۴۴۴ است طرح دوم موافق کواکب سبعہ سیارہ کہ ۷ ۷ است و طرح سوم موافق افلاک تسعہ کہ ۹۹ است و طرح چہارم موافق بروج کہ ۱۲۱۲ است و طرح پنجم موافق منازل قمر کہ ۲۸ ۲۸ است و طرح ششم موافق درجات بروج کہ ۳۰ ۳۰ است پس عدد جمل کبیر از سوال گرفتہ اول با عداد مراتب عناصر ضرب کنند و حروف حاصل نما ہمچنین بازا اعداد زمام سوال مذکور را در عدد مراتب سبع سیارہ ضرب کنند و حروف حاصل را علیحدہ نویسد ہمچنان تا آنکہ شش اقسام طرح مذکورہ بعمل آرد و بعدہ حروف زمام سوال را خالص نمودہ اول آنرا نویسد بعدہ این خالص حروف متصل زمام اول بنویسد بعدہ این سہ زمام را یک زمام سازد و تکسیر نماید کہ مطلب حاصل شود

بیان دائرۂ قوی

(ستر) بیان دائره قوی وتنزل وترفع وترقی ومساوات که در علم جفر مطلوب ست وتمام راز نہ در این علم در این تحقیق است

ترقی
تنزل غ (ا) ب ترفع
ق
مساوات

ی غ (ا) ب ق	ث ا (ب) ج ر	ل ب (ج) د ش	م ج (د) ه ت	ن د (ه) و ث	س ه (و) ز خ	ع و (ز) ح ذ
ف ز (ح) ط ض	ص ح (ط) ی ظ	ق ط (ی) ک غ	ر ی (ک) ل ب	ش ک (ل) م ج	ت ل (م) ن د	ث م (ن) س ه
خ ن (س) ع و	ذ س (ع) ف ز	ض ع (ف) ص ح	ظ ف (ص) ق ط	غ ص (ق) ر ی	ب ق (ر) ش ک	ج ر (ش) ت ل
د ش (ت) ث م	ه ت (ث) خ ن	و ث (خ) ذ س	ز خ (ذ) ض ع	ح ذ (ض) ظ ف	ط ض (ظ) غ ص	ی ظ (غ) ا ق

برصغیر میں مسلم ریاضی وہیئت کا آغاز البیرونی نے سنہ ۴۰۸ھ کے قریب کیا جبکہ اسے اس کے وطن مالوف خوارزم سے مغربی ہندوستان میں جلاوطن کیا گیا۔ یہاں اس نے مختلف شہروں کا عرض البلد دریافت کرکے اپنی ہیئتی سرگرمیوں کو جاری رکھا، نیز محیط ارضی کی پیمائش کی جو ریاضیاتی جغرافیہ کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی تیسری کوشش تھی۔ بعد میں لاہور کے دیوان کتابت کے کتّاب مثلاً مسعود سعد سلمان ان سرگرمیوں میں مشغول ملتے ہیں۔ دہلی سلطنت کے زمانہ میں بھی کتّاب نے اس روایت کو برقرار رکھا، چنانچہ امیر خسرو شہاب مہمرہ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

در ریاضی بیک صریر قلم پاک کردہ زگوش جذر اصم

اسی صدی کے وسط میں محمود بن عمر الرازی نے ایک ہیئتی جدول (زیج) مرتب کرکے ناصر الدین محمود کے نام معنون کی اور اس کا نام "زیج ناصری"، رکھا اس طرح خواجہ نصیر الدین طوسی کی زیج ایلخانی سے پہلے ہی ہندوستان میں ایک زیج مرتب ہو چکی تھی صدی کے آخر میں امیر خسرو نے "قران السعدین" لکھی جس میں ۔

صفۃ سیر بروج وروش منزلہا

کے زیر عنوان چاند کی اٹھائیس منزلوں کی کیفیت قلم بند کی ۔

مورخ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی کے عہد کے منجم اتنے باصلاحیت تھے کہ خود رسدگاہ قائم کرسکتے تھے فیروز تغلق کو اسطرلاب سازی میں دستگاہ کامل حاصل تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف اس کی مسلمان رعایا بلکہ ہندو رعایا بھی اس فن سے دلچسپی لینے لگی چنانچہ سنسکرت زبان میں مہندر سوری نے "منیتر راجہ" کے عنوان سے اس

موضوع پر کتاب لکھی۔ اگلی صدی میں فیروز شاہ بہمنی امور سلطنت کی مشغولیتوں میں سے کتب متداولہ کا درس دینے کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے۔ وہ ہفتہ میں تین دن ریاضی میں "تحریر اقلیدس" اور ہیئت میں "شرح تذکرہ" پڑھایا کرتا تھا۔ اسی صدی میں مالوہ کے خلجی سلطان محمود شاہ کے درباری ہیئت داں نے ایک ہیئتی جداول (ASTRONOMICAL TABLE) لکھ کر بادشاہ کے نام معنون کی اسی لئے یہ "زیج جامع محمود شاہی" کہلاتی ہے اس کا واحد نسخہ بوڈلیان لائبریری میں ہے۔

بد قسمتی سے اس طوائف الملوکی کے دور کے ہندوستان کی دوسری اسلامی حکومتوں میں ان فنون کے جن فضلاء کا بلوغ ہوا، ان کی تفصیل نہیں مل سکی۔ مگر مغل فاتحین اپنے ہمراہ ان علوم کے ساتھ غیر معمولی اعتناء لے کر یہاں آئے۔ ہمایوں تو گویا ریاضی و ہیئت کا مظہر اتم تھا۔ ابو الفضل اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

"از اقسام علوم عقلی و نقلی آگاہی تمام داشتند علی الخصوص در اقسام علوم ریاضی آنحضرت را پایہ بلند بود" اس کی مجلس میں صرف انھیں فضلاء کو بار ملتا تھا جو ریاضی و ہیئت میں ید طولی رکھتے تھے اسکے یہاں قطب الدین شیرازی کی "درۃ التاج" پر مذاکرہ رہا کرتا تھا۔ اس نے رصد گاہ قائم کرنے کا بھی ارادہ کیا مگر موت نے اسے فرصت نہ دی۔ اس کے بیٹے اکبر نے جب دین الہٰی جاری کیا تو علوم دینیہ کے علی الرغم علوم حکمیہ بالخصوص حساب و نجوم پر خصوصی زور دیا۔ بقول صاحب "دبستان المذاہب"

"حکم شد کہ الہیین از علوم غیر نجوم و حساب و طب و فلسفہ
نخوانند و عمر گرامی صرف آنچہ معقول نیست صرف نکنند"

ابو الفضل نے آئین اکبری کا معتدبہ حصّہ فلکیات کے لئے وقف کیا ہے۔ اس نے امیر فتح اللہ شیرازی کی زیر نگرانی زیج الغ بیگ کا سنسکرت میں ترجمہ کرایا۔

مگر علوم ریاضیہ کے تعلیم و تعلّم کا باقاعدہ سلسلہ شاہجہاں کے عہد سے شروع ہوا۔ یہ خدمت ایک نوارد ایرانی فاضل ملا مرشد شیرازی نے انجام دی۔ اس کا شاگرد رشید احمد معمار بانی تاج محل کا بڑا بیٹا عطاء اللہ رشدی تھا۔ اس سے ان علوم

کی تعلیم اس کے برادر اصغر لطف اللہ مہندس نے حاصل کی۔

ان کے شاگردان کے صاحبزادے امام الدین ریاضی مصنف التصریح فی الہئیۃ، تھے جن سے ان کے برادر خورد خیر اللہ مہندس نے یہ علوم حاصل کئے۔ ملا مرشد کے علاوہ عہد شاہجہانی کے دوسرے فضلاء ریاضیات میں ملا فرید منجم اور ملا محمود خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ملا فرید نے "زیچ شاہجہانی" مرتب کی اس سے پہلے وہ "سراج الاستخراج" لکھ چکے تھے۔ ملا محمود نے بادشاہ شاہجہاں کے حضور میں رصدگاہ قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا۔ مگر وزیر کی دراندازی سے یہ منصوبہ عملی جامہ نہ پہن سکا۔ یہ شرف قسام ازل نے محمد شاہ کے عہد کے لئے مقدر کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس کے حکم سے راجہ جے سنگھ نے دھلی میں رصدگاہ محمد شاہی قائم کی۔ اس کی دریافتوں کی مدد سے مرزا خیر اللہ اور محمد عابد دھلوی نے زیچ محمد شاہی مرتب کی۔

اس سلسلہ کا اختتام مولوی غلام حسین جونپوری کی "جامع بہادر خانی" پر ہوا۔ (۱۸۲۵ء) جو ریاضی و ہیئت کی ایک عظیم اور انتہائی اہم مخزن العلوم ہے۔

مگر ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد جب برطانوی استعمار نے اس ملک کی سیاست پر مضبوطی سے پنجے گاڑ لیے تو پھر اس استعمار کو مزید مستحکم بنانے کے لئے مفتوحین کے علوم کے ساتھ ہمت شکن بے اعتنائی برتی تاکہ وہ اپنے شاندار ثقافتی ماضی سے متاثر ہو کر سر نہ اٹھا سکیں اس صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مصلحین قوم وملت کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت قدیم ثقافتی ورثہ کی بقاء و تحفظ پر مصر تھی اس نے "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کے اصول پر قدیم علوم متداولہ میں سے قرآن و حدیث کی تعلیم کو باقی رکھنے پر زور دیا جو دینی نقطۂ نظر سے زیادہ اہم تھے۔ رہے باقی علوم بالخصوص ریاضی و ہیئت ان کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ پھر ان علوم کی ترقی ایک خاص سیاسی و معاشرتی ماحول میں ہوئی تھی جو نئے نظام میں بھولی بسری داستان بن چکا تھا۔ اور پھر وقت کی اہم ترین ضرورت علوم دینیہ کا تحفظ اور اشاعت تھی چاہیے دوسرے علوم کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے اور اگر علوم حکمیہ کے ساتھ اعتناء کیا بھی تو یہ اعتناء

صرف فلسفہ و معقولات تک محدود تھا رہے ریاضی و ہیئت تو ان کے ساتھ بے اعتنائی حد سے تجاوز کر گئی

مصلحین ملت کی دوسری جماعت قوم کی دنیوی ترقی پر زور دیتی تھی جس کے لئے علوم جدیدہ میں تبحر ضروری تھا مگر یہاں بھی ملوکیت اپنی دسیسہ کاریوں سے باز نہ آئی اور امت مسلمہ کو اپنے ثقافتی ماضی سے بے تعلق بنانے کے لئے جدید درسگاہوں میں قدیم ریاضی و ہیئت کے ساتھ بے اعتنائی ہی نہیں برتی گئی بلکہ انھیں تضحیک و تفضیح کا موضوع بنایا گیا اور اس طرح خیر الامم کو دنیا کی ناکارہ ترین قوم ہونے کے احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔

غرض دوستوں کی دلسوزی اور بیگانوں کی نیش زنی دونوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ ان علوم کی تعلیم بمنزلہ صفر ہو کر رہ گئی۔ مدارس عربیہ میں نام کے لئے ریاضی میں خلاصۃ الحساب اور تحریر اصول اقلیدس مقالہ اولیٰ اور ہیئت میں تصریح اور شرح چغمنی نصاب میں مشغول رہیں مگر عملی تعلیم نہ ہونے کے برابر ہو گئی۔

یہ علمی ماحول تھا جس میں فاضل بریلوی نے آنکھ کھولی۔

مگر بعد کی تفصیل سے پہلے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ انھوں نے اپنے اساتذہ سے کیا حاصل کیا۔ ریاضی و ہیئت میں فاضل بریلوی کی تعلیم اپنے پدر بزرگوار کے فیض تلمذ کا نتیجہ تھی جس کی تفصیل انھوں نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "الکلمۃ الملہمہ" میں دی ہے۔ فرماتے ہیں۔

> "فقیر کا درس بحمدہٖ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے
> چار دن کی عمر میں ختم ہوا۔ اس کے بعد چند سال
> تک طلبہ کو پڑھایا۔ فلسفۂ جدیدہ سے تو کوئی
> تعلق ہی نہ تھا"

علوم ریاضیہ و ہندسہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع تفریق ضرب تقسیم کے چار قاعدے کہ بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے۔ اور صرف شکل اوّل تحریر اقلیدس کی و بس جس دن یہ شکل حضرت اقدس حجۃ اللہ

سلسلہ مطبوعات مرکزی مجلس رضا لاہور (۳۰)

"معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین"

امریکی منجم پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا کی پیش گوئی کا رد

از افادات

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

مرکزی مجلس رضا۔ لاہور

فی الارضین معجزہ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہم اجمعین، خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے پڑھی اور اس کی تقریر حضور میں کی ارشاد فرمایا۔ تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو، ان علوم کو خود حل کر لو گے۔"

یہ تھی کل کائنات ریاضی و ہیئت میں اساتذہ سے تحصیل کی۔ شیخ بو علی سینا کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے بھی اپنے استاد سے ریاضی و ہیئت کی بہت کم تعلیم حاصل کی تھی مگر بعد میں اپنے ذاتی مطالعہ سے اس میں چار چاند لگائے مگر فاضل بریلوی کا معاملہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ علوم دینیہ میں انہماک اتنا تھا کہ کسی اور طرف توجہ کی فرصت ہی نہیں ملی۔ خود فرماتے ہیں۔

"آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمدہٖ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رُخ نہ کیا، نہ اس کی کسی کتاب

کو کھول کر دیکھا۔"

لیکن اس عدم التفات واعتناء کے باوجود شفیق استاد کی پیشین گوئی پوری ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اللہ عزوجل اپنے محبوب بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے۔ حسب ارشاد سامی بعونہٖ تعالےٰ فقیر نے حساب وجبر ومقابلہ ولوگارثم وعلم مربعات وعلم مثلث کروی وعلم ہیئت قدیم وہیئات جدیدہ زیجات وارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفات فائقہ اور تحریرات رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کئے۔ تحدثاً بنعمۃ اللہ تعالےٰ بحمد اللہ تعالیٰ اسی ارشاد اقدس کی تصدیق تھی کہ ان کو خود حل کر لوگے۔"

یہ میری بدقسمتی اور اس سے زیادہ دوں ہمتی و کوتاہئی تلاش وجستجو ہے کہ ان جواہر پاروں کی زیارت سے محروم رہا۔ لیکن جو بھی جواہر پارہ ملا اس سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ یہ محض مصنف علام کی تعلّی شاعرانہ نہ تھی، بلکہ ایک حقیقتِ نفس الامری ہے۔

کہ سابق میں عرض کیا گیا، جامع "بہادر خانی" اسلامی ہند کی ریاضیاتی عبقریت کا ذروۂ کمال ہے اور فاضل بریلوی نے اس پر تعلیقات لکھیں۔ ظاہر ہے اس اہم کتاب پر تعلیقات لکھنے کی جرأت وہی فاضلِ روزگار کر سکتا ہے جو اس کتاب کے مصنّف کا مثیل ونظیر ہو۔ بقول مرزا غالب

اے اسد ان مہ جبینوں کے لئے چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے

میں اس کتاب کو تلاش کر رہا ہوں۔ غالباً فاضلِ بریلوی کے پاکستانی عقیدت مندان کی دوسری ریاضی تصانیف کی طرح اس کتاب کو بھی اپنے یہاں لے گئے۔ مجھے ابھی اس کا صرف حوالہ ملا ہے۔

یہ حوالہ رسالہ در علم لوگارثم کے مقدمہ میں ملتا ہے یہ رسالہ کسی انگریز کی تصنیف ہے

جسے کسی نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ فاضل بریلوی نے اس پر حواشی لکھے تھے اس رسالہ کو فاضل بریلوی کے ایک عقیدتمند نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سے اس پر مقدمہ لکھوا کر شائع کیا ہے پروفیسر صاحب نے اپنے تعارفی مقدمہ میں لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ایک عقیدت کیش بھارت آئے اور انھوں نے مولانا خالد علی خاں سے فاضل بریلوی کے غیر مطبوعہ رسائل کی نشر و اشاعت کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا۔ موخرالذکر نے انھیں کوئی ۶۲ مطبوعہ و غیر مطبوعہ رسائل دیئے۔ پروفیسر مسعود صاحب نے ان میں سے کوئی چالیس کتب و رسائل کے ناموں کی فہرست دی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہم علمی جواہر پارہ ہنوز موجود ہے۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ۔

اس فہرست میں نمبر ۲۸ کے مقابل ایک اور کتاب کا نام دیا ہے جو "حاشیہ جامع بہادر خانی" سے زیادہ اہم ہے۔ یہ ہے "تعلیقات علی الزیج الایلخانی" مقام شکر ہے کہ اس عاجز کے کرم فرما حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی صدر المدرسین مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اعظم گڈھ نے کتاب "تعلیقات علی الزیج الایلخانی کا زیروکس حاصل کرکے اس نیازمند کو اس کی زیارت کا موقعہ دیا ہے۔ فاجزاہم اللہ عنی خیر الجزاء میں اس کا مطالعہ کر رہا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلحضرت کے عقیدتمندان کی جامعیت اور فضل و کمال کی جو بھی تعریف کرتے ہیں وہ عقیدت مندانہ مبالغہ آرائی پر موقوف نہیں ہے بلکہ واقعہ نفس الامری ہے۔

اصل کتاب "زیج ایلخانی" مسلمانوں کے ہیئتی ادب میں اپنا مخصوص مقام رکھتی ہے۔ یہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیف ہے جن کی شخصیت سیاسی اور مذہبی طور پر کتنی ہی متنازع فیہ کیوں نہ ہو مگر علوم حکمیہ کے پایۂ سامی مسلم ہے ان کی جلالت قدر اور علوم حکمیہ کے باب میں ان کی ژرف نگاری کے اعتراف کے نتیجہ میں قوم نے انھیں سب سے پہلے محقق کا خطاب دیا۔ ان کی تجرید فی علم الکلام شیعی علم کلام کی کتاب ہے مگر شیعہ علماء سے کہیں زیادہ اس کے ساتھ سنی علماء نے اعتناء کیا۔ تجرید پر علامہ قوشجی نے شرح لکھی اور اس شرح پر

محقق دوّانی نے دو حاشیے حاشیہ قدیمہ اور حاشیہ جدیدہ لکھے اور یہ دونوں حواشی اس صدی کے آغاز تک حکمت و معقولات کے منتہی طلبہ کے نصاب میں مشمول تھے۔ محقق طوسی کا دوسرا حکمی شاہکار شرح اشارات ہے "الاشارات والتنبیہات" شیخ بوعلی سینا کی تصنیف ہے۔ جس پر پہلے امام رازی نے شرح لکھی تھی مگر یہ شرح سے زیادہ جرح کی مصداق ہے پھر محقق طوسی نے اس پر شرح لکھی اور امام رازی کے ایرادات و اعتراضات کا جواب دیا۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے محقق طوسی کے تذکرہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"معالم تحقیقات ابوعلی راکہ متصادم شہادت ابوالبرکات
یہودی و تشکیکات فخرالدین رازی نزدیک باندارس
رسیدہ بود از غایت علو حکمت و کمال ادراک استدراک نمود
ووہی ایرادات ایشاں را .... ظاہر نمود"

بعد میں قطب الدین رازی نے دونوں شرحوں پر "محاکمہ" لکھا "محاکمات" کی شرح مرزا جان شیرازی نے لکھی جو راسخ العقیدہ سنّی ہیں مگر محاکم اور ان دونوں کے شارح دونوں کا رجحان سنّی امام رازی کے مقابلے میں شیعی محقق طوسی کی تصویب کی جانب ہے۔ اور پھر یہ کتابیں عربی مدارس میں (جن کی بڑی تعداد سنّی مدارس کی تھی) معقولات کے اعلیٰ نصاب میں مشمول رہیں۔

ان چند کلموں سے زیج ایلخانی کے مصنّف (خواجہ نصیر الدین طوسی) کی علمی جلالت قدر کا اندازہ ہو جائے گا۔ انھیں محقق طوسی نے ہلاکو کے حکم سے مراغہ (تبریز کے نزدیک) کی رسدگاہ قائم کی جو عہد اسلام کی رصدگاہوں میں ایک مخصوص مقام رکھتی ہے بلکہ غالباً الغ بیگ کی رصدگاہ سمرقند سے بھی زیادہ عظیم تھی۔ اس رصدگاہ کی ہیئتی دریافتوں کو محقق طوسی نے اس زمانے کے نابغہ روزگار ہیئت دانوں کی مدد سے مرتب کر کے ہلاکو کے بیٹے ایل خان کے نام معنون کیا اسی لئے اس کا نام زیج ایلخانی ہے۔

اس سے قطع نظر زیج ایلخانی نے اسلام کے ہیئتی ادب بالخصوص ازیاح ....

(TABLES ASTRONOMKAL) میں ایک نئے انداز کا افتتاح کیا جس کا بعد کے ہیئت دانوں نے اتباع کیا۔ اس میں چار مقالے ہیں اور یہی انداز تبوب و تفصیل بعد کی زیجوں مثلاً الغ بیگ کی زیج جدید سلطانی شاہجہاں کے درباری منجم ملا فرید کی "زیج شاہجہانی" اور راجہ جے سنگھ اور مرزا خیر اللہ مہندس کی "زیج محمد شاہی" میں اپنایا گیا ہے۔ والفضل للمتقدم

اور فاضل بریلوی کی ریاضیاتی عبقریت نے اپنے اظہار کے لئے اسی عظیم ہیئتی شاہکار کو منتخب کیا۔

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی

اس انتخاب کی اہمیت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب ہم فاضل بریلوی کی ریاضی و ہیئت میں علمی سرگرمیوں کو اس ماحول میں رکھیں جبکہ ان کے بیشتر معاصرین یا تو ریاضی و ہیئت کے معضلات کو "متروک التعلیم" قرار دیکر علم و حکمت کی ترقی کو آگے بڑھانے کے بجائے پیچھے ڈھکیل رہے تھے یا پھر زیادہ سے زیادہ صاحبان مطابع کی فرمائش سے حواشی لکھ رہے تھے۔ اس طرح فاضل بریلوی کی ریاضیاتی عبقریت اپنے حریفانِ پنجہ شکن کو بزبانِ حال للکار رہی تھی۔

من یسے دیوانِ شعر تازیاں دار زبر
تو نہ دانی خواندالا صبحی بصحنک فاصبحین

زیج ایلخانی میں چار مقالے تھے مگر فاضل بریلوی نے ان میں سے صرف مقالہ دوم پر تعلیقات لکھی ہیں۔

محقق طوسی نے زیج ایلخانی کو ۱۲۷۰ء کے قریب مکمل کیا تھا۔ اگلی صدی میں نیشاپور کے ایک فاضل نظام الدین اعرج نے "کشف المعانی" کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ مگر اعلحضرت کی علمی دیانت داری لائق صد ہزار تحسین ہے کہ انھوں نے بکمال فراخدلی اس سے استفادہ کا اعتراف کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"فہذہ تعلیقات اغترفتها من الشرح المشهور والبحر المعجور لعله من نیشاپور"

(یہ وہ تعلیقات ہیں جن کی۔ . . . میں نے علامہ نیشا پور
نظام الدین اعرج نیشا پوری کی مشہور شرح سے جو
ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، خوشہ چینی کی ہے)

حالانکہ وہ باآسانی اس حقیقت کو چھپا سکتے تھے کیونکہ اس کتاب کے نسخے بہت ہی کمیاب ہیں۔ مجھے صرف اس کے ایک نسخہ کا پتہ چلا ہے۔ یہ رضا لائبریری رامپور میں ہے۔ مگر بحالات موجودہ میں اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کرنے میں ناکام رہا اس لئے یہ کہنا بہت زیادہ مشکل ہے کہ اعلیٰحضرت کی ان "تعلیقات" میں کس قدر حصہ نظام الدین اعرج کی شرح سے ماخوذ ہے اور کتنا ان کی ذاتی تلاش و تحقیق کا نتیجہ ہے۔

اس سلسلے میں دو باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۱۔ علوم ریاضیہ (MATHEMATICAL) کے باب میں فضلائے اسلام کی کوششوں نے دو صورتیں اختیار کیں۔ یا تو انھوں نے اپنے پیشروؤں کی تحقیقات پر اضافہ کیا اور اپنی کاوشِ فکر سے قدیم علمی سرمائے میں چار چاند لگائے جس طرح عمر خیام سے پہلے صرف دوسرے درجہ کی مساوات (EQUATION) (QUADRATIE EQUATIONS) حل ہوئی تھی، مگر اس نے تین درجہ کی مساواتوں (CUBIC) کا منظم حل پیش کیا۔ مگر ایسی مثالیں کم ہیں۔

یا پھر بعد کے فضلائے نے اپنے پیشروؤں سے جو حاصل کیا اسے کم از کم برقرار رکھا اور آنے والی نسلوں کے لئے اسے ایک مقدس ورثہ بنا کر چھوڑ گئے۔ اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

مگر عہد حاضر میں یہ بھی نہیں ہوا۔ جدید اکتشافات تو درکنار جو کچھ متقدمین لکھ گئے تھے، اُسے بھی علیٰ حالہ برقرار رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس کی مثال میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کر چکا ہوں کہ مولوی محمد برکت اور ان کے تلامذہ (جنھیں گزرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا) کی کاوشیں بھی ہمارے معلمین و ملازمین نسیاً منسیاً کر چکے ہیں۔

ایسے پرآشوب حالات میں اگر فاضل بریلوی کی تعلیقات کلیتاً نظام الدین

اعرج کی شرح کا اسقاط ہی کیوں نہ ہو تب بھی اسلامی ریاضی و ہیئت پر ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ کم از کم انھوں نے متقدمین کے سرمایہ کو برقرار رکھا، اپنے معاصرین کی طرح اسے "متروک التعلیم" بنا کر اسلاف کی کاوشوں کو (جن کے لئے انھوں نے خون جگر پیا یا تھا) گوشۂ خمول میں گمنام ہونے سے تو بچا لیا۔ فاجزاہ اللہ عنا خیرا لجزاء۔

(۲) لیکن اتنا یقینی ہے کہ یہ تعلیقات کلیتاً نظام اعرج کی خوشہ چینی پر مشتمل نہیں ہیں، بلکہ بہت کچھ ان کی (فاضل بریلوی کی) اپنی کاوش و جستجو کا بھی نتیجہ ہیں۔ انھوں نے ان "تعلیقات" میں نظام اعرج کی شرح سے ماخوذ ہو قدماء میں سے اور فضلاء مثلاً قاضی زادہ رومی شارح ملخص چغمنی سے (مزید تفصیل بالخصوص ان ماخذوں سے استشہاد موجب تطویل ہوگا۔

رہی اس باب میں فاضل بریلوی کی ذاتی کاوش و جستجو، اس کے سلسلے میں بطور مشتے نمونہ از خروارے ایک مثال پیش کی جا رہی ہے۔

نظام الدین اعرج ہوں یا ان کے پیش رو اور جانشین الغ بیگ (بلکہ ملا فرید اور امام الدین ریاضی مصنف "تصریح شرح تشریح الافلاک") کے زمانہ تک ستاروں کی سیارات (PLANETS) اور ثوابت (FIXED STARS) میں تقسیم کے قائل تھے۔ سیارہ وہ ستارہ ہے جو حرکت کرتا رہتا ہے اور ثوابت وہ ستارے ہیں جو اپنی جگہ ثابت رہتے ہیں یا کم از کم دوسرے ثابت ستاروں کی نسبت سے اپنی "اوضاع" (POSITIONS) تبدیل نہیں کرتے۔ چنانچہ "شرح تذکرہ" میں ہے۔

سموا کواکبہ ثوابت، اما تقلۃ حرکتہا التالیہ اولثبات اوضاعہا ابداً یعنی اوضاع بعضہا الی بعض فی القرب والبعد والمحاذات اولان القدماء ما وجد وہا متحرکۃ السابعۃ الشاملۃ۔

(فلک الثوابت) کے ستاروں کو "ثوابت" (FIXED STARS) تین وجہوں سے کہتے ہیں یا تو ان کی حرکت ثانیہ بہت ہی قلیل ہے (نہ ہونے کے برابر ہے)

لہ۔ اوسط کے نکالنے کا طریقہ بیان کر دیا ہے مگر فاضل بریلوی نے پہلے وسط کی حقیقت بتائی ہے پھر مختلف سیاروں کے مختلف افلاک کی حرکتوں کی مقدار بتائی ہے۔

یا نزدیکی اور دوری اور آمنے سامنے ہونے کے اندر ان میں سے بعض کی وضع (POSITION) دوسرے کی نسبت ثابت (FIXED) رہتی ہے (بدلتی نہیں ہے) یا پھر متقدمین نے انھیں حرکت سریعہ (جو جملہ اجرام فلکی کو شامل ہے اور جس کے نتیجہ میں سبھی اجرام فلکی گردش کرتے ہیں) کے علاوہ کسی اور حرکت کے ساتھ متحرک نہیں پایا۔

اسی آخری بات کو قاضی زادہ رومی نے "شرح چغمنی میں واضح کردیا ہے۔

"الاقدمون ومنهم ارسطو لم يجدوها متحركة بغير الحركة اليومية وكانوا يعتقدون انها بفلك الثوابت"

(حکمائے قدیم جن میں (خصوصیت سے قابل ذکر) ارسطو (ARISTOTLE) ہے ان ستاروں کو حرکت یومیہ کے علاوہ کسی اور حرکت کے ساتھ متحرک نہیں پایا۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہ فلک ثوابت ہے) بقول مصنّف "جامع بہادر خانی" یہ صورت حال الغ بیگ کی زیج جدید کے مرتب ہونے تک رہی۔

بلکہ یہی کیفیت ۱۷۳۰ء تک رہی جبکہ راجہ جے سنگھ کی سرپرستی میں زیج محمد شاہی مرتب ہو رہی تھی، چنانچہ اس میں خاتمہ کی فصل ہفتم میں لکھا ہے۔

"کواکبے کہ آں را در عرف منجمین ثوابت گویند وا ینہا در حقیقت ثابتہ نیستند و آنکہ حرکت جمیع اینہا یک مقدار نیست بلکہ اختلاف دارند"

[جن ستاروں کو نجومیوں کی اصطلاح میں ثوابت (FIXED STARS) کہتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ثابت نہیں ہیں اور یہ بات (بھی ہے کہ) ان سب کی حرکت ایک سی نہیں ہے، بلکہ وہ اختلاف رکھتے ہیں]

لیکن زیج محمد شاہی میں اس کی زیادہ تفصیل نہیں ہے۔ مگر فاضل بریلوی کی جستجو نے مزید تفصیل بھی ڈھونڈھ لی۔

"الکلمۃ الملہمۃ" میں فرماتے ہیں کہ یہ ثوابت صرف متحرک ہی نہیں بلکہ ان کی حرکتیں

بھی مختلف ہیں۔ ثوابت کی چال باہم مختلف مرصود ہوئی ہے۔ زیج احمدیں بیاسی ثوابت کی چال باہم منضبط کی ہے۔

کوئی ۶۳ برس میں ایک درجہ طے کرتا ہے جیسے عرقوب الدامی

کوئی ۶۴ میں جیسے نسر واقع

کوئی ۶۵ میں جیسے رکبہ الدامی

کوئی ۶۶ میں جیسے سہیل یمانی، نسر طائر، جوی الفرقد

کوئی ۶۷ میں جیسے نیر الفلکہ

یوں ہی ۸۲ برس تک اختلاف ہے۔

جب ایک درجہ میں ۱۹ برس کا تفاوت ہے تو پورے دورے میں تقریباً

بحمدہٖ تعالیٰ

یہ مبارک رسالہ جس میں ایک سو پانچ دلیلوں سے حرکت زمین کا رد ہے اور منہ تفصیل باہرہ رد و نافریت پر ہیں پچاس۔ وجاذبیت پر بیشتر دلیلوں سے زمین کا اپنے محور پر گھومنا باطل کیا ہے پچاس تیس دلیلوں سے زمین کو گرد آفتاب دورہ کرنا باطل کیا ہے فلسفہ جدیدہ کو خود فلسفہ جدیدہ کے اصول سے رد کیا ہے ایک ذیل میں فلسفہ قدیمہ کا رد ہے جس نے فن فلکیات کا اسلامی [illegible] [illegible]

مسمّٰی بنام تاریخی

فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین

۱۳۳۸ھ

تصنیف لطیف

اعلیٰحضرت پیشوائے اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ جناب مولانا مولوی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب متع المسلمین بطول بقائہم۔

حسنین رضا خاں نے اپنے مطبع حسنی بریلی میں چھاپ کر شائع کیا

سات ہزار برس کا فرق ہوگا۔"

زیج جدید (یا زیج جدید سلطانی) الغ بیگ کی زیج کا نام ہے جسے اس نے علامہ قوشجی سے مرتب کرایا تھا۔ اس کے کوئی دو سو سال بعد شاہجہاں کے درباری

منجم ملا فرید نے زیج شاہجہانی مرتب کی۔ مگر یہ کسی نئی رصدگاہ کی دریافتوں پر مبنی نہیں ہے بلکہ "زیج الغ بیگ" ہی کا نظرثانی شدہ (UP DATED REVISED) ایڈیشن ہے۔ البتہ اس کے کوئی سو سال بعد زیج محمد شاہی مرتب ہوئی۔ (من عقلی ۱۱۳۸ھ) میں یہ زیج الغ بیگ کے مقابلے میں جدید تر ہے اس لیے اسے "زیج اجد" کہہ سکتے ہیں۔ مگر میرے پیش نظر اس زیج کے کوئی دس بارہ نسخے ہیں مگر کسی میں بھی ان بیاسی ثوابت کی چال منضبط نہیں ملی۔ اب یا تو فاضل بریلوی کے پیش نظر زیج محمد شاہی کا بالکل ہی مختلف ایڈیشن ہوگا یا پھر زیج کا مصداق "زیج محمد شاہی" کے علاوہ اور کچھ ہے۔

جو کچھ بھی ہو یہ مختلف ستاروں کی رفتار نہ تو نظام اعرج کی شرح سے ماخوذ ہے اور نہ اس کے کسی ہم عصر یا قریبی جانشین سے اور یقیناً فاضل بریلوی نے جن کا دن مشغلہ تصنیف و تالیف میں اور رات قیام اللیل و تہجد گزاری میں گزرتی تھی خود اختر بینی و اختر شماری کی زحمت میں اس وقت عزیز کو نہ گنوایا ہوگا۔ یہ کسی اور کتاب سے ماخوذ ہے۔

غرض یہ تعلیقات محض نظام الدین نیشاپوری کی "شرح زیج ایلخانی" سے اعتراف و التقاط" کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں بہت کچھ فاضل بریلوی کی اپنی کدوکاوش اور جستجوئے پیہم کو بھی دخل ہے۔

فاضل بریلوی کے تبحر فی الریاضیات کے سلسلے میں ایک واقعہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ مرحوم ڈاکٹر سر ضیاء الدین کسی مسئلہ کے حل میں بڑے پریشان تھے اور اس سلسلے میں یورپ جانا چاہتے تھے مگر حضرت مولانا سید سلیمان اشرف کے اصرار پر وہ فاضل بریلوی کے پاس پہنچے اور انھوں نے اسے حل کر دیا۔

یہ واقعہ اتنے تواتر سے روایت کیا گیا ہے کہ اس کی صحت شکوک و شبہات سے بالاتر نظر آتی ہے پھر بھی ایک احتمال رہتا ہے کہ ممکن ہے کہ ان کے عقیدت مندوں نے اسے مشہور کر دیا ہو کیونکہ جن حضرات نے اسے روایت کیا ہے وہ اس عبقری وقت کے عقیدت کیش ہی تھے۔

نمونہ کلام فارسی

زعکست ماہِ تاباں آفریدند | زبوئے گلستاں آفریدند
صبا راست از بویت بہر سو | چناں افتاں و خیزاں آفریدند
برائے جلوۂ یک گلبن ناز | ہزاراں باغ و بستاں آفریدند
زمہر تو مثالے برگرفتند | وزاں مہر سلیماں آفریدند
چو انگشت تو شد جولاں دہ برق | قمر را بہر قرباں آفریدند
زلعل نوشخند جاں فزایت | زلال آب حیواں آفریدند
نہ غیر کبریا جاں آفرینے | نہ خود مثل تو جاناں آفریدند
پئے نظارۂ محبوب لاہوت | جبینت آئینہ ساں آفریدند
بنا کردند تا قصر رسالت | ترا شمع شبستاں آفریدند
زمہر و چرخ بہر خوان جودت | عجب قرص نمکداں آفریدند

زحسنت تا بہار تازۂ گل
رضایت را غزل خواں آفریدند

مگر کیونکہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے بریلی کا یہ علمی سفر مارہرہ شریف کے سجادہ نشین کے تعارفی خط کے ذریعہ کیا تھا اسلئے مجھے تلاش ہوئی کہ شاید درگاہ شریف میں کوئی تحریری شہادت مل جائے۔ مجھے ابھی درگاہ شریف کی زیارت کے لئے جانے کا تو موقعہ نہیں ملا لیکن اس خانقاہ کے ایک محترم فرد جناب عزیز الحسن صاحب

نے مجھے اس سلسلے کی ایک اہم شہادت فراہم کی۔

فجزہم اللہ خیرالجزاء

یہ العلم، کراچی میں شائع شدہ ایک مضمون ہے جو نہ تو فاضل بریلوی پر ہے۔ اور نہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین ہی پر ہے بلکہ ایک تیسرے بزرگ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف پر ہے۔ مضمون نگار کو ان سے عقیدت تھی۔ ان کے ذکر میں ضمناً یہ واقعہ بھی آگیا ہے خود مضمون نگار کی ثقاہت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اولڈ بوائے ہونے کے علاوہ اپنے پیشہ کے اعتبار سے بھی قولاً و فعلاً قابل اعتماد ہیں۔ سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ان کے ایماء و مشورے سے ڈاکٹر سر ضیاء الدین ریاضی کے ایک اہم مسئلہ کا حل دریافت کرنے اعلیحضرت کے پاس سید سلیمان اشرف صاحب کی معیت میں گئے تھے اور اعلیحضرت نے باحسن وجوہ وہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کے حل کے لئے یورپ جانا چاہتے تھے۔ جج صاحب نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد دونوں بزرگوں کے علم و فضل کی تعریف کی ہے۔

ان کا اصل کمال علوم قرآن و حدیث کی شرح و توضیح میں مضمر ہے یقیناً وہ علم و حکمت کی اس کساد بازاری کے دور میں ان مستثنیات میں سے تھے جن کے متعلق اقبال نے لکھا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ربّ غفور ان پر اپنی ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔

مہیمنا ملکا منعما خدا دندا	بحق نعمتِ قرآن و دولت قاری
ندیم قوم خود کن غریق رحمت خویش	مجاور رسل و انبیاء و مختاری
بساط صحن وہ از حلہائے فردوسی	غلاف قبر کن ان پردہائے غفاری

ڈاکٹر مطلوب حسین ڈپٹی ڈائریکٹر وزارت مذہبی امور

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا سیاسی دور

اعلیٰ حضرت کی ولادت باسعادت ۱۰ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی، اور وصال ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو۔ اس طرح ان کی کل مدت عمر تقریباً ۶۶ برس بنتی ہے جسے ہم واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے اور ان کے تدریجی ارتقاء کا تجزیہ کرنے کے لئے تین اہم اور مساوی ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی

۱۔ پہلا دور: ۱۸۵۶ء سے ۱۸۷۸ء تک

۲۔ دوسرا دور: ۱۸۷۸ء سے ۱۹۰۰ء تک

۳۔ تیسرا دور: ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۱ء تک

اس سے قبل کہ ہم اصل موضوع کا آغاز کریں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان عوامل وعناصر کا تذکرہ کیا جائے جو اس وقت تک ہندوستان کی سیاست میں کارفرما رہے تھے۔ ان میں سرفہرست انگریز تھا جس نے دغا، فریب ایمان اور وطن فروشی لوگوں کے تعاون سے ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر بنگال، بہار اور اڑیسہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور پھر اسی پالیسی کے ساتھ یلغار کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ تمام اہل ہند کا مشترکہ دشمن تھا جبکہ مسلمانوں کے خلاف مرہٹے، سکھ، اور تمام ہندو آبادی تھی۔

ان حالات کا تقاضہ تھا کہ بالخصوص مسلمان اپنی تمام تر توجہ اس خارجی عنصر یعنی انگریز کے خلاف مرتکز

کرتے اور مقامی لوگوں سے جنگ نہ کرنے کی پالیسی اختیار کرتے لیکن عملی طور پر ہم نے ایسا نہ کیا بلکہ اپنے جذبات کا غلط رخ متعین کیا اور اپنی توانائیوں کو ضائع کیا۔ ۱۸۲۶ء تا ۱۸۳۱ء میں مسلمانوں نے بنگال میں فرائضی تحریک اور شمال مغربی خطے میں تحریک جہاد کے نام سے دو تحریکیں چلائیں انگریز کے خلاف نہیں بلکہ ایک بنگالی ہندو ساہوکار کے خلاف اور دوسری سکھوں کے خلاف۔ ان دونوں کا کیا حشر ہوا؟ یہ سب کو معلوم ہے، دونوں بری طرح ناکام ہوئیں۔ بلکہ ان کی وجہ سے ہندوستان میں مسلم نصب العین، اتحاد اور سالمیت کو سخت نقصان پہنچا۔ اور فرنگیوں کو اپنے قدم جمانے میں اور آسانی ہوئی۔ اس لحاظ سے اس جدوجہد کو ہم جہاد کا نام نہیں دے سکتے۔ یہ مانا کہ سکھوں کی وجہ سے پنجابی مسلمان اور ہندو مہاجن کے ہاتھوں بنگالی مسلمان ظلم کی چکی میں پس رہے تھے لیکن جنگ آزادی کے بعد جو ظلم وستم انگریز نے مقامی آبادی بالخصوص مسلمانوں پر روا رکھا کیا وہ کم تھا؟ اس لئے آج ڈھائی سو سال بعد ہم اس قابل ہیں کہ اس برائے نام جہاد کو اسلامیان ہند کے خلاف ایک گھناؤنی سازش، ایک سیاسی جرم اور اخلاقی گناہ قرار دے سکیں۔

اس تاریخی پس منظر کے بعد جب ہم اعلیٰ حضرت کی زندگی کے پہلے دور میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں مرکز میں بابر عالمگیر کا وارث بہادر شاہ ظفر کی شکل میں تخت نشیں نظر آتا ہے۔ ایک ناتواں اور فرومایہ شخصیت نہ عزم، نہ مقصد، نہ جوش، نہ ولولہ، نہ جذبہ، نہ حرارت، صرف قنوطیت پسند شاعر جو نوک قلم سے انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے لئے نہ کوئی منصوبہ بناتا ہے، نہ ہی عملی اقدام کرتا ہے۔ ان حالات میں تاریخ اپنا فیصلہ صادر کرنے میں کبھی نہیں ہچکچاتی۔ چنانچہ تاریخ نے اپنا فیصلہ دے دیا مغلیہ خاندان کا ٹمٹماتا ہوا چراغ یکدم بھڑکا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔ بادشاہ اسیر ہوا، شاہی خاندان بے عزت، جانثاروں نے جانیں نچھاور کیں ابن الوقت اور خوشامدی ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے، شمع وطن کے پروانوں اور حریت و آزادی کے متوالوں نے مقدور بھر مقابلہ کیا لیکن نئے آنے والوں کے عزم اور حیلہ گری کے سامنے کوئی بھی دم نہ مار سکا۔ چنانچہ شکست اہل ہند کا مقدر ٹھہری، اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے زوال کی انتہا کو پہنچ گئے۔ ان کے شاندار ماضی کی آخری علامت تک مٹ گئی۔

تاریخ کا یہ ایک کلیہ ہے کہ جس طرح کسی قوم کے عروج کے ساتھ اس کے زوال کے اسباب بھی شروع ہو جاتے ہیں لیکن ترقی کی برق رفتاری کی وجہ سے ان کے اثرات بہت بعد میں مرتب ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح فطرت اپنا توازن برقرار رکھنے کے لئے اس زوال زدہ قوم کے کھنڈرات پر تعمیر نو کی اساس رکھتی ہے۔

بقول علامہ اقبالؒ

ہر نئی تعمیر کو لازم ہے تخریب تمام!
ہے اسی میں مشکلات زندگانی کی کشود!

اس اعتبار سے ہمارے اس دور زوال نے جو دراصل ہمارا دور ابتلاء اور آزمائش ہے. ہمارے لئے پہلا خام مال تیار کیا اور پھر اسے مشکلات کی بھٹی میں ڈال کر کندن بنا دیا۔

اس دور نے ہمیں یہ سبق بھی دیا کہ ہندوستان میں مسلم قوم کا الگ وجود ہے کیونکہ اہل ہنود نے اپنی تمام تر وفاداریاں انگریز کے ساتھ استوار کر لی تھیں اور انہیں یہ سند مل چکی تھی کہ جنگ آزادی میں نہ تو انہوں نے کوئی حصہ لیا اور نہ ہی اس میں ان کا کوئی مفاد تھا اس لئے اس کے بدلے میں حکومت کے تمام محکموں اور زندگی کے تمام شعبوں میں انہیں ترقی کے مواقع فراہم کئے گئے۔

یہ دور ہمارے لئے اس اعتبار سے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اس نے ہمیں دو نابغہ روزگار شخصیتیں فراہم کیں۔ اس میں ایک نام اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کا ہے جن کا زیادہ تر وقت تعلیم و تعلم میں بسر ہوا تاہم آگے چل کر وہ ایک تاریخ ساز شخصیت اور مسلم سواد اعظم کے راہنما تھے اور دوسرے سرسید احمد خان تھے، جنہوں نے اپنی بصیرت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک ناکام ہو گئی، اور سب سے زیادہ خسارے میں مسلمان ہی رہیں گے اس وجہ سے انہوں نے اس تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا۔ اور یوں وہ انگریز کے ظلم وستم کی چکی میں پسنے سے بچے رہے۔

وہ بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کے مالک اور قوم سے والہانہ محبت رکھتے تھے، انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ ان کی قوم خطرناک موڑ پر پہنچ چکی تھی جس کی وجہ انگریز مسلم دشمنی اور مسلمانوں میں مغربی تعلیم کا فقدان ہے اس لئے ان کے نزدیک ہندوستان میں اسلام کے احیاء کی وقتی اور فوری ضرورت ان کے اور انگریز حاکموں کے درمیان افہام و تفہیم اور خوشگوار تعلقات کا قیام ہے۔ انہوں نے اس پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کر لیا اور رسالہ اسباب بغاوت ہند کے ذریعے معقول انداز میں انگریز کے تند و تیز رویے کو بدلنے کی کوشش کی، اور خاصی حد تک کامیاب ہوئے۔

مسلمانوں میں بیداری کے لئے انہوں نے اشاعت تعلیم کے سلسلہ میں متعدد اقدامات اٹھائے جن میں علی گڑھ میں ایم اے او کالج کا قیام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ ادارہ آگے چل کر یونیورسٹی بنا۔

اور یہیں سے طلبہ و اساتذہ کی وہ نسل تیار ہوئی جس نے تحریک پاکستان میں دل کھول کر حصہ لیا۔ اور حصول پاکستان کی منزل کو آسان بنا دیا۔

اس دور کے دونوں بزرگوں کے خیالات میں بہر حال فرق ضرور تھا یعنی سرسید انگریزی تعلیم و تربیت کو مسلمانوں کے حق میں تریاق سمجھتے تھے۔ وہی اعلیٰ حضرت کے نزدیک زہر ہلاہل سے کم نہ تھی۔ وہ لکھتے ہیں۔

"انگریزی اور بے سود تضیع اوقات تعلیمیں صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے ان میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو۔"

اس اختلاف کے باوجود اعلیٰ حضرت نے سرسید احمد خان کے اقدام کو کسی حد تک سراہا۔ وہ لکھتے ہیں

"مگر للہ انصاف! وہ غلامی ادھوری تھی سرسید احمد خان نے کسی پادری نصرانی کو امور دین میں صراحتہً اپنا امام و پیشوا نہ رکھا تھا۔ آیات و احادیث کی تمام عمر کو جتنج یا صلیب پر نثار کرنا نہ کہا تھا۔ پادری کو مساجد میں مسلمانوں کے وعظ و ہادی نہ بنایا تھا۔ نصرانیت کی رضا کو خدا کی رضا یا کسی پادری کو نبی نہ بنایا تھا۔ اس لحاظ سے اعلیٰ حضرت کے نزدیک سرسید احمد خان کا مشن جواز کا مستحق ضرور تھا۔

اس دور کی ایک اور اہمیت اور بھی ہے جو براہ راست اس پر اثر انداز نہیں ہوئی تاہم آنے والے ادوار میں اس سے مسلمانوں کے سیاسی شعور اور قومی بیداری میں مؤثر اور مثبت کردار ادا کیا۔ ہماری مراد اس سے قائد اعظم، سر آغا خان، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا حسرت موہانی جیسی ہستیوں سے ہے جنہوں نے آگے چل کر قوم کی راہنمائی اور ناخدائی کا فریضہ انجام دیا۔

حالات و واقعات سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کے آخر اختتام تک مسلمانوں میں کہیں سیاسی شعور کی رمق پیدا ہو چکی تھی جس کا اندازہ جسٹس سید امیر علی کی سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن سے لگایا جا سکتا ہے جس کی انہوں نے ۱۸۷۶ء میں کلکتہ میں بنیاد رکھی۔

غرضیکہ انیسویں صدی عیسوی کے آخری ربع کے آغاز کے ساتھ، برصغیر کے مسلمان ایسے دوراہے پر کھڑے تھے جہاں سے وہ ایک طرف اپنے شاندار ماضی، درخشندہ روایات اور تابندہ اقدار پر نظر ڈال سکتے تھے۔ اور دوسری طرف اپنی مفلوک الحالی، اقتصادی بدحالی، سیاسی ابتری، علمی پسماندگی اور معاشرتی انتشار کا نقشہ کھلی آنکھوں دیکھ سکتے تھے لیکن مستقبل کی طرف جانے والا راستہ نظر نہ آتا تھا۔ یہ شخص مایوسی

حیرت، حاضر وجود سے بیزاری اور پچھتاوے کی کیفیت میں مبتلا نظر آتا تھا۔ جبکہ دوسری طرف شاہانِ مغلیہ کا مراعات یافتہ تاجر، تاج شاہی رکھتے تمام ہندوستان کے سیاہ و سفید کا مالک بن چکا تھا۔ بالفاظ دیگر یہ دور ہندوستان میں برطانوی استحکام کا دور تھا۔ دانش فرنگ نے اپنی سیاسی حیلہ گری اور فریب کاری سے اہل ہند کو صرف مادی محکومی ہی نہیں دی تھی۔ بلکہ ذہنی غلامی میں بھی مبتلا کر دیا تھا جس میں مزید پختگی پیدا کرنے کی غرض سے ۱۸۸۵ء میں ایک ریٹائرڈ انگریز افسر مسٹر ہیوم نے برطانوی حکومت کی رضامندی اور سرپرستی سے انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی جس کے بنیادی مقاصد پر اگر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ یہ جماعت دراصل اہل ہنود اور حکومت برطانیہ کے باہمی تعلقات کو فروغ دینے اور برطانوی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اس کی اساس ایسے جذبہ پر رکھی گئی تھی جس سے مسلمانوں کے مفاد پر ضرب کاری پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جماعت کو اس دور میں مسلمانوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ اور یہ اپنے تمام تر دعووں کے باوجود کل ہند جماعت نہ بن سکی۔

اس کی مخالفت کھل کر صرف سرسید احمد خان نے کی۔ انہوں نے دوٹوک اعلان کیا۔ کہ مسلمانوں کو فی الحال سیاست سے علیحدہ رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے حکومت وقت کے دل میں ان کے خلاف غلط فہمی پیدا ہو گی۔ اور انہیں جنگ آزادی کے بعد جن مصائب کا شکار ہونا پڑا تھا ان سے دوبارہ دوچار ہونا پڑے گا۔ نیز ان کا خیال تھا کہ مسلمان اپنی معاشرت، تعلیم و تربیت اور اخلاق کی فردی اصلاح کریں اور بطور ایک الگ اور ممتاز قوم کے اپنی اہمیت کا احساس دلائیں۔

اسی مقصد کے تحت انہوں نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔ اس کانفرنس کا پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو علی گڑھ میں منعقد ہوا۔ یہ جماعت اگرچہ سیاسی نہیں تھی۔ لیکن اس نے مسلمانوں کو ایسا شعور بخشا جس کی وجہ سے انہیں اپنے الگ تشخص کا احساس ہوا۔ اور بحیثیت مسلمان وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ جو بعد میں مسلم لیگ کے قیام کا اہم سبب بنا۔

اس دور سے کچھ عرصہ قبل مولانا قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند میں ایک علمی ادارے کی بنیاد رکھی جسکا مقصد ہندی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور انکے عقائد کی تہذیب اصلاح تھا۔ اس تعلیمی درسگاہ کی خدمات واقعی قابل تحسین ہیں۔ لیکن عقائد کی تصحیح کرتے ہوئے شقتِ جذبات کی وجہ سے مخالفت پر اتر آئے۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ دُرِّ مقصود چھن گیا۔ منزلِ آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ اور راستہ تخیّن وطن کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا۔ محبت عداوت میں بدل گئی۔ وعظ و

نصیحت سے مناظروں اور مجادلوں کی شکل اختیار کر لی، بلکہ لوگوں کی اصلاح کرنے والے خود اصلاح کے محتاج ہو گئے۔ ان کی مثال ایک ایسے مبتدی بچہ کی تھی جو اپنی ہٹ کے سامنے والدین کی بات بھی نہ ملنے بلکہ اپنی بات منوانے کے لئے گستاخی پر اتر آئے۔

اعلیٰحضرت اس بال ہٹ کی اصلاح کرنا چاہتے تھے جس کا علاج ان کے نزدیک یہ تھا، کہ ہم مقام مصطفیٰ کو پہچانیں، نام مصطفیٰ کی عظمت کو بلند کریں، اور نظام مصطفیٰ کے لئے کوشش کریں، کیونکہ

اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبیت

یہی وجہ ہے، کہ ۱۸۹۲ء میں انہوں نے کانپور میں ندوۃ العلماء کے جلسۂ تاسیس میں شرکت کی، اور جب انہوں نے اس بات کو محسوس کر لیا کہ یہ ادارہ اصل سے الگ ہو رہا ہے تو ۱۹۰۰ء میں اسی شہر میں اس کے خلاف ہفتہ روزہ اجلاس میں آواز اٹھائی۔ اور پھر تو مختلف شہروں، درس گاہوں، اور تعلیمی اداروں میں انہوں نے اپنی تقریروں کے ذریعہ ان کی اصلاح کی۔

حقیقت یہ ہے، کہ اعلیٰ حضرت کی اس فکر نے عمل کی راہ ہموار کی۔ اور ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے نہ تو کانگرس سے رشتہ جوڑا۔ نہ انگریز سے اور نہ ہی وطن کو قومیت کی اساس بنایا۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کا آخری دور ہندوستان میں کانگرس کا دور شباب، مسلم لیگ کا عہد طفلی، اور قادیانیت کا دور ارتقا تھا، جس کی وجہ سے ملک میں سیاسی کشمکش، معاشرتی تشخص کا احساس اور مذہبی جذبات میں شدت پسندی کا آغاز ہوا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ ۱۹۰۵ء میں حکومت برطانیہ کی منظوری سے لارڈ کرزن نے تقسیم بنگال کا اعلان کر کے نئے صوبہ کا نام مشرقی بنگال و آسام رکھا جس کی زیادہ تر آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو حکومت کی ناانصافیوں اور ہندوؤں کے استحصال سے نجات ملنے کی امید پیدا ہو گئی۔ مشرقی بنگال کے مشہور مسلم لیڈر نواب سلیم اللہ خان نے اس تقسیم پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"اس تقسیم نے ہماری بے عملی رد کر دی اور ہم کو جدوجہد کی طرف متوجہ کیا"

ادھر ہندوؤں بالخصوص کانگرس نے کلکتہ کے طلبہ کو اکسا کر ایک زبردست تحریک چلائی، کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ مسلمان ترقی کر جائیں گے۔ اور ہندوؤں کی ذہنی، سیاسی اور اقتصادی سے نجات حاصل

صفحہ ۱۶۰ قولہ (۳۰۸) ۷ ۶ ۱ فرضنا المسافۃ من ح الی النقطۃ لا والباقی ھ ۲ ۰۰ لا + ھ = ۲۴۰ وسیر ب الی النقطۃ فی ساعۃ = لا/۲ وسیر ا الیہا فی ساعۃ = ۲۴۰/۵ لان ب وصل الیہا فی ساعتین و ا فی ثلث ساعات الا ۲۰ دقیقۃ وسیر ا فی ھ کما کان وسیر ب فیہ صار لا/۲ + ۱۵ ای (لا + ۳۰)/۲ و ا قطع ھ فی زمان یزید علی زمان قطع ب ایاہ بثلثۃ لارباع ساعۃ وزمان قطع ا لہ = ھ ÷ ۲۴۰/۵ = ۵ھ/۲۴۰ وزمان قطع ب لہ = ھ ÷ (لا + ۳۰)/۲ = ۲ھ/(لا + ۳۰) والاول یزید علی ہذا القدر ۳/۴ فضربنا حدی القسمۃ فی ۴۸ و اضفنا الی البسط مسطح المقام فی ۳ فحصلت المعادلۃ ۸ھ + ۳لا + ۹۰ / (۳لا + ۹۰) ... = ۵ھ/۲۴۰ فبرفع القسمۃ ۳۲ ھ لا + ۱۲لا² + ۱۲۰۰لا + ... = ۳۶ ھ لا + ۳۶۰ ھ وبالجبر والمقابلۃ ۳لا² + ۱۲۰لا = ۴ ھ لا + ۳۶۰ ھ و ھ = ۲۴۰ − لا ∴ ۶لا² + ۲۴۰لا − ۹۶۰لا = ۸۶۴۰۰ − ۳۶۰ لا بل ۱۶لا² − ۴۸۰لا = ۸۶۴۰۰ بل لا² − ۳۰لا = ۵۴۰۰ و باضافۃ ۲۲۵ فی الطرفین صار الطرف الآخر ۵۶۲۵ ∴ لا − ۱۵ = ± ۷۵ ولا دخل ہہنا للنقص ∴ لا = ۱۵ + ۷۵ = ۹۰ وسیر ا فی ساعۃ ۴۸ میلا وسیر ب الاول ۴۵ والآخر ۶۰ میلا و ھ ۱۵۰ میلا ۱۲

قولہ ومساحۃ الاکبر اقول اری فیہ خطأ فان تفاضل ضلع مربعین ربع تفاضل المحیطین و المساحۃ مربع الضلع فقدرت المعادلتان لا − ی = ۲۵ ، لا² − ی² = ۳۲۵ وہو محال لان لا ہذا = ۲۵ + ی ∴ لا² = ۶۲۵ + ۵۰ی + ی² ∴ لا² − ی² = ۶۲۵ + ۵۰ی فکیف یکون = ۳۲۵ نعم لو کان فرق المحیطین ۵۲ والمساحتین ۳۲۵ کان الضلعان ۶ و ۱۹ ولو کان فرق المحیطین ۱۰۰ والمساحتین ۱۲۵ کان الضلعان ۱۰ و ۲۵ صح

قولہ مقدار ضلعہ ۱۶۰ ، ۹۰ وہہنا جذر المعادلۃ ی² − ۲۵۰ی = − ۱۴۴۰۰ باضافۃ ۱۵۶۲۵ مجذور ۱۲۵ صح

قولہ من مساحۃ الاکبر صفحۃ ۳۲۵ الظاہر ان صوابہ ۲۲۵ ، ما الضلعان ۲ و ۲۷ مربعیہا

کرلیں گے۔

غرضیکہ تقسیم بنگال کے اور مستقل تحریک کی شکل اختیار کرلی چنانچہ ہر سال ۱۶ اکتوبر کا دن ہر سال قومی احتجاج کے طور پر منایا جاتا ہے اس روز کلکتہ کے ہندو سیاہ لباس پہن کر سوگ مناتے۔ ہندو اخبارات مسلمانوں کے خلاف مواد شائع کرتے۔ اس تحریک میں اتنی شدت پیدا ہوئی۔ اور تشدد کے واقعات میں اتنا اضافہ ہونے لگا کہ سیاسی حلقوں میں یہ تاثر پیدا ہونے لگا کہ بہت جلد سارے ہندوستان میں عام بغاوت ہو جائے گی۔

۱۹۰۸ء میں اس معاندانہ تحریک نے دہشت گردی، بدامنی، لاقانونیت، اور قتل و غارت کی صورت اختیار کرگئی۔ بالآخر شیطانی طاقت کو فتح ہوئی۔ اور ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار کے موقع پر انگلستان کے شہنشاہ جارج پنجم نے تقسیم بنگال کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور ساتھ ہی دارالخلافہ کلکتہ کی بجائے دہلی ہونا قرار پایا۔

تقسیم و تنسیخ بنگال نے مسلمانوں اور انگریزوں کے تعلقات کو متاثر کیا۔ اور انہیں اس بات کا احساس پیدا ہو گیا کہ دہشت و بدامنی پیدا کر کے حکومت کو جھکنے پر بھی مجبور کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کو اہل یہود کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہ رہی تھی کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے بارے میں مخلص تھے لیکن مسلمانوں کو حقوق دینے میں وہ نہایت بخیل واقع ہوئے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو پہلی بار بڑی شدت سے احساس ہوا کہ انہیں نہ صرف اپنے مسائل کے حل کے لئے منظم ہونا چاہیئے، بلکہ اپنے ملی اور سیاسی حقوق کے تحفظ کے لئے ایک سیاسی تنظیم کے تحت متحد ہو جانا چاہیئے، چنانچہ ستمبر ۱۹۰۶ء میں ہندوستان کے تمام علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان راہنماؤں کا ایک اجلاس لکھنو میں طلب کیا گیا۔ اور نواب محسن الملک کی تجویز پر مسلمانوں نے مسلمان راہنماؤں کا اجلاس لکھنو طلب کیا جس کے نتیجہ میں ایک ۳۵ رکنی کمیٹی نے ہندوستان کے وائسرائے لارڈ منٹو سے شملہ میں ملاقات کی۔ اور برصغیر کے مسلمانوں کے علیحدہ تشخص اور حقوق کا مطالبہ کیا۔

کامیاب مذاکرات کے بعد محمڈن ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو نئی سیاسی جماعت کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ اور اس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔ اس جماعت کو کامیاب اور مقبول بنانے کے لئے مخلص کارکنوں اور عوام کی تائید کی ضرورت تھی۔ یہ کہاں سے آتے۔

کارکن تو سارے کانگرس کی زد میں تھے۔ رہے عوام تو گزشتہ ڈیڑھ سو برس کی غلامی نے انہیں تعطل و جمود کا شکار بنا دیا تھا۔ خود قوم کے اکثر رہنما بیک وقت دو کشتیوں میں سوار تھے۔ وہ کانگرس کے بھی ہمنوا تھے اور مسلم لیگ کے ساتھ بھی تعلق خاطر رکھنا چاہتے تھے۔

ان حالات میں صرف علماء کا طبقہ ایسا تھا جن سے امید وابستہ کی جاسکتی تھی۔ ان کی اکثریت بھی، کانگرس کے سحر میں مبتلا تھی۔ ایسے میں مسلم لیگ کو فعال بنانے کے لئے کس سے رجوع کیا جاسکتا تھا۔ کیا اس مکتب فکر سے جو ملت از وطن است کے نعرے لگا رہا تھا۔ اس مسلک سے جو "بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست" پر عمل پیرا تھا۔ کیا اس گروہ سے جس کے لیڈر یہ کہا تھے حکومت برطانیہ پر کوئی حملہ ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں۔ اور اپنی حکمت پر آنچ نہ آنے دیں۔

یا

"مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری فرض ہے"۔

یا

"میں حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں۔ جھوٹے الزام میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا۔ تو سرکار مالک ہے۔ اسے اختیار ہے جو چاہے کرے"۔

یا

اس کے برعکس اس جماعت سے جس کا لیڈر انگریز کی حکومت و عدالت، تہذیب و معاشرت تعلیم و ثقافت، انکار و خیالات، شکل و صورت غرضیکہ ان کی ہر ادا اور ہر طریقہ سے بیزار تھا۔ اور کہتا تھا کہ

کافر ہر فرد و فرقہ و دشمن مارا :
مرتد، مشرک، یہود و گبر و ترسا :

یعنی کافر بلکہ ہر فرد اور جماعت ہماری دشمن ہے خواہ وہ مرتد ہے، یا مشرک، یہودی ہے یا عیسائی آتش پرست۔

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلم لیگ کی تائید اسی دوسرے گروہ نے کی جن کے روحانی پیشوا اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی تھے۔ ہر چند کہ یہ دور میں سیاسی بلوغت کا نہ تھا لیکن اعلیٰ حضرت نے اس بات کی اچھی طرح سمجھ لیا کہ ہندی مسلمان کی نجات کا تمام تر دار و مدار ان کے الگ تشخص اور اسلامی نظام سے

نفاذ پر ہے، وہ مسلمانوں کی معاشی اور سیاسی خوشحالی کے لئے ایک منصوبہ رکھتے تھے جس کے اہم نکات کا اظہار انہوں نے ۱۹۱۲ء میں حاجی لعل خان (کلکتہ) کے نام ایک مفصل خط میں کیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ مسلمان اپنے تمام معاملات میں خصوصًا عدالتی مقدمات جن پر بے دریغ روپیہ ضائع ہوتا ہے اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

۲۔ مسلمان مسلمان بھائیوں کے علاوہ کسی سے خرید و فروخت نہ کریں ہندوستان کے دولت مند مسلمان مسلمانوں کے لئے غیر سودی بنکاری قائم کریں۔

۳۔ ہندوستان کے دولت مند مسلمان مسلمانوں کے لئے غیر سودی بنکاری قائم کریں، اور ایسے بنک کھول کر نفع کے لئے حلال ذرائع مہیا کریں۔

۴۔ مسلمان، دین اسلام پر سختی سے کاربند رہیں اور کسی دنیاوی غرض کے حصول کے لئے غیر دینی ذرائع اختیار نہ کریں۔

جیسا کہ حالات سے پتہ چلتا ہے، اس دور میں مسلم لیگ اپنی ابتدائی منزل میں تھی جبکہ کانگریس کا یہ دور بلوغت تھا اور اسے قوم پرست علماء کی تائید حاصل تھی اس لئے مسلم لیگ کو تہی دست بنانے کے لئے کانگریس نے ایسا تانا بانا بنا کہ اس چشمہ سے اس کا تعلق ختم کیا جا سکے جہاں سے مسلم لیگ کو افرادی قوت مل سکتی تھی۔ یعنی اعلحضرت بریلوی کے خلاف، انگریز نوازی، وطن دشمنی، مسلمان عدم دوستی اور فرقہ پرستی جیسے بے بنیاد الزام کی مہم کا آغاز کیا۔

پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا، ترکی بھی اس میں ملوث ہو گیا جس کے نتیجہ میں اسے متعدد علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اندرونی طور پر بھی اس کے حالات بد سے بدتر ہونے لگے جس کی وجہ سے اسے یورپ کا مرد بیمار کہا جانے لگا۔ ادھر تحریک نوجوانان ترک نے ملک میں جمہوریت لانے کے لئے اپنی مہم تیز تر کر دی۔ اپنی کمزوری کو چھپانے اور تخت کو بچانے کے لئے اس نے پاسبان حرمین شریفین ہونے کے ناطے سے خلافت کے ادارہ کی تجدید کی، اور خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ سادہ لوح ہندی مسلمان اس مقدس منصب کے تحفظ کے لئے سلطان عبدالحمید کی تائید کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اور انہوں نے ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت شروع کی۔ گاندھی جی بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ان کا مقصد سراسر سیاسی تھا۔ اعلحضرت نے اپنے آپ کو اس تحریک سے الگ رکھا ایسی بات کو اہل یہود اور قوم پرست علماء نے خوب ہوا دی۔

مسلمانان ہند کی ترقی و فلاح کی سچی تدبیریں اور علمائے ربانی کی بابت رائیں

جن سے

روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ مسلمانوں کے مصائب کا اصلی راز کیا ہے اور انکو

اپنی نیز ترکی سلطنت کی امداد کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے

مسمے بہ نام تاریخی

تدبیر فلاح و نجات و اصلاح

۱۳۳۱ھ

جسکو

حضور پر نور اعلیحضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے

محض مسلمانوں کی فلاح و ترقی اور نجات و اصلاح کے لیے مرتب فرمایا

اور

محمد حسنین رضا خاں نے اپنے اہتمام سے حسنی پریس بریلی میں چھپوا کر شائع کیا

بار دوم ۔۔۔ ۱۰۰۰ جلد | قیمت ۱ر

اور انہیں جہاں تک ممکن ہوا، بدنام کیا۔

ہمارے نزدیک اعلیٰ حضرت کا یہ اقدام ان کی سیاسی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ وہ جانتے تھے، کہ جو بادشاہ اپنے اہل وطن کی نظروں میں قابل احترام نہ تھا۔ اسے ہزاروں میل دور ہندوستان میں بیٹھ کر محترم و مکرم کیسے بنایا جا سکتا ہے، اور یہی ہوا کہ ۔۔۔ جدید ترکی کے بانی مصطفےٰ کمال پاشا نے اسے معزول کر کے ملک بدر کر دیا، اور تحریک خلافت اپنی موت آپ مرگئی۔

دوسری بات کہ جس کی وجہ سے اعلحضرت کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی، تحریک ترک موالات سے ان کی علیحدگی تھی، آج تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے، کہ یہ تحریک ۱۹۲۰ء گاندھی کے ایماء پر شروع

ہوئی تھی۔ اس کا مقصد بظاہر حکومت برطانیہ سے عدم اعتماد کا اظہار اور عدم تعاون تھا لیکن درپردہ ایسے حالات پیدا کرنا تھا جن کی وجہ سے مسلمان تمام چیزوں سے محروم ہو جائیں۔ اور ہر جگہ اور ہر محکمہ میں صرف اہل ہنود باقی رہ جائیں۔

اعلیٰ حضرت ہندو مسلم کے اس عارضی تعلق کو خوب سمجھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ترک موالات کے مذہبی، تاریخی اور سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کو اس کے نقصانات سے آگاہ کیا اعلیٰحضرت یہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ انگریز کا طوق غلامی گردن سے اتار کر ہندو کا طوق نہیں ہیں۔ اس لئے وہ ایسے نا اتفاق اتحاد میں شامل نہ ہوئے۔

ان دونوں اہم واقعات کا براہ راست فائدہ مسلم لیگ کو پہنچا کیونکہ ان تحریکوں میں اس نے کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔

اس طرح مسلم لیگ اور اعلیٰ حضرت کے ملان میں ایک نظریاتی اشتراک پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ کو نیا خون، نئی نسل، نوجوان طلبہ، ماہر افسران، مفکرین، دانشور، سیاستدان، علماء اور مشائخ پر مشتمل ایک جماعت تیار ملی جس نے دل کھول کر مسلم لیگ کی حمایت کی یہی وہ جماعت تھی جس نے ۱۹۴۶ء میں بنارس میں چار روزہ آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں ہزاروں علماء اور مشائخ کے علاوہ لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ اور یہ قرارداد منظور کی۔

" یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے۔ اور اعلان کرتا ہے۔ کہ علماء اور مشائخ اہل سنت، اسلامی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے لئے تیار ہیں"۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ اعلیٰ حضرت کو مسلک کے افراد کی تحریک پاکستان میں عملی شرکت تھی جس نے حصول پاکستان کی منزل کو آسان بنا دیا۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے علماء نے مسلم لیگ قائداعظم اور نظریہ پاکستان کے خلاف فتوے ہی صادر کئے۔ سوائے چند ایک کے؛

اُردو ادب کی تاریخ فروگذاشت

پروفیسر مجید اللہ قادری شعبہ ارضیات جامعہ کراچی

یہ امر باعث صد حیرت و افسوس ہے کہ اُردو ادب کی تاریخ کے مرتبین و محققین نے ان بزرگ شخصیتوں کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کر دیا، جنہوں نے مذہبیات یا قدیم علوم و فنون میں سے کسی اہم علم و فن میں مہارت تامہ حاصل کر کے اپنے فضل و کمال کے ذریعے شہرت دوام کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔ یہ ستم ظریفی دیکھیے کہ عمر خیام جو صحیح معنوں میں ایک نامور فلسفی اور ماہر ریاضی تھا، اس کے فلسفے اور ریاضی کی اصل صلاحیتوں و کمالات کو تاریخ لکھنے والوں نے پس پشت ڈال دیا اور موضوع بنایا اس کی شاعری کو جو اُس کے کمالات میں ایک ضمنی حیثیت رکھتی ہے، اسی طرح برِ صغیر پاک و ہند میں اُردو ادب کی تاریخ میں ذاکر حسین، غلام السیّدین اور سیّد عبد اللہ بریلوی جیسی ادبی شخصیتوں کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھا گیا اور ان کا تذکرہ و ادبی خدمات کو تفصیلی طور پر بیان کرنا تو درکنار چند سطور بھی ان پر تحریر نہیں کی گئیں، اگر ضمناً ذکر آ ہی گیا تو اس کو صرف چند سطروں میں سمیٹ لیا گیا۔ ان کے علاوہ متعدد ادبی خدمات انجام دینے والے صوفیائے کرام کو تاریخ اُردو ادب میں جگہ نہیں دی گئی جب کہ مولوی ڈاکٹر عبد الحق نے اپنی تصنیف "اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا کام" میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اُردو زبان کی ترویج و اشاعت میں اولیا اللہ اور صوفیائے کرام کا فیض بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مولوی عبد الحق نے ان صوفیائے کرام کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

"یہ بزرگ اس زبان (اُردو) کے ادیب اور شاعر نہ تھے، یا کم از کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غائیت ہدایت تھی لیکن ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور

اصلاحیں ہوتی گیئں اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی ہے

اپنی کتاب میں مولوی عبدالحق نے ان صوفیائے کرام کے کام کو سراہا ہے جنھوں نے اُردو زبان کی داغ بیل ڈالی، جنھوں نے اس باغ کی رکھوالی کی اور اس کو سینچا اور ابتدائی مراحل سے گذار کر صوفیائے کرام اس زبان کو اس مقام تک لے آئے کہ اس زبان میں قرآن و حدیث و فقہ سمیت دیگر علومِ دینیہ کی کتابوں کے تراجم ہونے لگے۔ اُردو ادب کے کئی اسلوب بیان ان ہی حضرات کی کاوشوں سے وجود میں آئے لیکن ان کا دائرہ ادب عموماً مذہبی علوم تک ہی محدود رہا۔ ان حضرات کے علاوہ دُنیاوی علوم کے فاضلوں نے بھی اُردو زبان کی ترویج میں بھرپور حصّہ لیا لیکن ان کی کوششوں سے دُنیاوی علوم کو زیادہ ترقی ملی اور دینی موضاعات کی جگہ ناول، افسانہ، داستان ڈرامہ، غزل، گیت وغیرہ نے لے لی ہے۔ آج ان ہی موضوعات پر کی جانے والی تخلیقات کو اُردو ادب تصوّر کیا جاتا ہے لیکن مولوی عبدالحق اُردو زبان کے محسن صرف اربابِ صفا ہی کو قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اُردو ادب کا مؤرخ ان صوفی منش حضرات کے احسان کو نہیں بھول سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مؤرخین اُردو ادب نے اس احسانِ عظیم کو کہاں تک یاد رکھا لیکن مجھے یہ اعتراف ہے کہ دورِ حاضر کے ادبی مؤرخ ابتدائی صوفیائے کرام کا تو ذکر کرتے ہیں لیکن ان صوفی منش ادیبوں کا ذکر کرنے میں سہل انگاری یا بخل سے کام لیتے ہیں، جنھوں نے جدید یا موجودہ اُردو ادب کی نشو نما میں بھی بھرپور حصّہ لیا تھا۔

اس قانون سے تو ہر کوئی واقف ہے کہ کرۂ ارض کے تمام خطّے بیک وقت تابناک نہیں ہو سکتے، نصف کرہ ہمیشہ اُجالوں میں رہتا ہے اور بقیہ نصف تاریکی میں لیکن تاریکی کا یہ حصّہ بھی تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد روشن ہوتا رہتا ہے۔ نظامِ قدرت کا یہ قانون کہ بیک وقت کرۂ ارض کا نصف حصّہ روشن اور نصف حصّہ تاریکی میں ہو شاید فکرِ انسانی کو بھی راس آیا جو کہ حیرت انگیز ہے اور اس کا بھرپور مظاہرہ اُردو ادب کے عظیم مؤرخوں نے اپنی اس روش سے کیا ہے کہ وہ ایک ہی دَور کے ادیبوں کے تعارف میں کج رفتاری اور سہل انگاری سے کام لیتے ہیں۔ وہ سر سیّد، داغ، اکبر، آزاد، حالی، شبلی و ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ کی ادبی خدمات کی تعریف میں تو اپنے فکر کی تحقیق کا حق ادا کر دیتے ہیں لیکن ان ہی کے ہم عصر علماً و صوفی صفت ادیبوں کا ذکر تک نہیں کرتے اور ان کی ادبی خدمات

کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

تاریخ ادبیات اُردو میں یہ روش ایک ناپسندیدہ اَمر ہے کیونکہ اُردو ادب کا طالب علم جب ۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب کے بعد کے ادب کا مطالعہ کرتا ہے تو اُسے حیرت ہوتی ہے کہ جنگِ آزادی سے پہلے تو اُردو ادب کی ترقی میں صوفیائے کرام کی نگارشات کو خوب سراہا گیا ہے لیکن اس انقلاب کے بعد مذہبی ادب کی خدمات کو نہ صرف یکسر نظر انداز کر دیا بلکہ ستم ظریفی یہ کہ ان میں بعض نامور نثر نگاروں کا ان مؤرخین ادب نے نام تک شامل نہیں کیا۔ اس طرح یک لخت ان صوفی صفت ادبا کا مقام اُن ادیبوں کے حصّے میں آ گیا، جن کا دین سے کوئی سروکار نہیں تھا، وہ صرف دُنیادار تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ادب کو بھی انقلاب سے گریز نہیں ہے لیکن اچانک دُھوپ چھاؤں جیسی تبدیلی نہیں ہُوا کرتی ہے۔ یہ تبدیلی بتدریج تو ممکن ہے لیکن ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد کا اُردو ادب بالکل ایک مختلف تاریخ پیش کرتا ہے۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ جدید قلمکاروں نے اُردو ادب کی خدمات انجام نہیں دی۔ بلا شک و شبہ اِن کی خدمات کے بغیر جدید اُردو ادب مکمّل نہیں ہو سکتا لیکن اس سلسلے میں مذہبی ادب کے علمبرداروں کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مگر افسوس اُردو تاریخ کے مؤرخوں نے تاریخ کا صرف ایک رُخ پیش کیا ہے جس میں جدید یا معاشرتی ادب کی خدمات کو تو سراہا گیا ہے لیکن مذہبی ادب کی خدمات کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ تاریخِ ادب اُردو کا طالب علم اس اچانک تبدیلی میں ایک خلا محسوس کرتا ہے کیونکہ انقلاب زمانہ کے ساتھ ساتھ جہاں اسالیبِ بیاں بدل گئے وہاں ادب کے موضوعات بھی یکسر بدلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ادب میں اس یکایک تبدیلی کو ایک طالبِ علم اپنے فہم سے بالاتر پاتا ہے۔

تاریخِ ادبیات اُردو میں جہاں اور نثر نگاروں کا تذکرہ نہایت تفصیل کے ساتھ کیا گیا وہاں سب سے زیادہ تفصیلی تذکرہ اُردو ادب نثر نگاروں میں اُردو ادب کے عناصرِ خمسہ کا پایا جاتا ہے اور ان کا ذکر ہر مؤرخ و محقّق ادب نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ تاریخ اُردو ادب کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں عناصرِ خمسہ کا ذکر موجود نہ ہو۔ عام مؤرخ ہی نہیں بلکہ مستند مؤرخوں نے جن میں ڈاکٹر حامد حسن قادری، نسیم قریشی، رام بابو سکسینہ، عبدالسّلام ندوی، محمود شیرانی،

ڈاکٹر وحید قریشی وغیرہ شامل ہیں۔ ان عناصرِ خمسہ کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے جب کہ اسی دَور کے مذہبی ادب کے اہم قلمکاروں کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اگرچہ دوسرے نثر نگاروں کو بھی سراہا گیا ہے لیکن جتنا کچھ عناصرِ خمسہ کے متعلق لکھا گیا ہے اگر اس کام کو یکجا کیا جائے تو وہ کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہوگا۔ اُردو کے عناصرِ خمسہ میں جن پانچ افراد کو شامل کیا گیا ہے، اُن میں سر سیّد احمد خاں سرِفہرست ہیں بلکہ وہ عناصرِ خمسہ کے سرپرست و پیشوا سمجھے جاتے ہیں، ان کے علاوہ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، شمس العلماء مولانا آزاد حسین، شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالؔی اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی اعظم گڑھی ہیں۔

تاریخ ادبیاتِ اُردو میں ان عناصرِ خمسہ کو بہت بُلند مقام حاصل ہے اور اُردو ادب کے یہ وہ ضروری عناصر ہیں جن کے بغیر مزاجِ اُردو صحیح اور معتدل نہیں رہتا بلکہ یہ عناصرِ خمسہ اُردو ادب کے سرمائے کا جزو لاینفک تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان حضرات کی ادبی خدمات کا دائرہ ۱۸۵۷ء کے بعد کا خصوصاً پچاس سال کا دَور ہے، جس میں ان حضرات کی کاوشوں سے اُردو ادب کو گرامایہ علمی و ادبی خزانہ میسر آیا کہ بقول ڈاکٹر حامد حسن قادری مرحوم کے "جن کے بغیر اُردو زبان مکمل تصوّر نہیں کی جاتی"، کہا جاتا ہے کہ ان حضرات نے جس شان سے اُردو انشا پردازی کی راہ پر قدم اُٹھایا، دوسرے بعد میں آنے والے مصنّفین اور انشا پردازوں کے سروں پر ان کی ہمسری کا تاج نہیں رکھا جا سکتا۔ اسلوب بیان کے نقطۂ نظر سے بھی ان ہی عناصرِ خمسہ کو متنوعہ اسالیب کا موجد قرار دیا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد اُردو ادب کا یہ قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان حضرات کی خدمات کا تفصیلی جائزہ محققانہ رنگ میں "تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند" میں لیا لیا گیا ہے اور ان دس ضخیم جلدوں میں سے آخر کی پانچ جلدوں میں ان حضرات کی ادبی خدمات کو سراہا گیا ہے اور خاص کر آٹھویں، نویں اور دسویں جلدوں میں ۱۸۵۷ء کے بعد کا ادبی جائزہ لیا گیا ہے، اسی طرح ڈاکٹر حامد حسن قادری مرحوم نے بھی اپنی تاریخی کتاب "داستانِ تاریخ اُردو" میں جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر کے ۶۵۰ صفحات پر انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جو اُردو ادب پیدا ہُوا اسی کا جائزہ لیا ہے جس میں انتہائی تفصیل کے ساتھ اُردو کے عناصرِ خمسہ کی ادبی خدمات

پر زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے، جب کہ ان حضرات کے معاصرین پر سرسری نگاہ ڈالی ہے اور بعض عظیم تر انشا پردازوں کو متعارف نہیں کرایا، صرف یہ ہی نہیں بلکہ اُردو ادب کی متعدد تاریخی تصانیف میں ان ہی عناصرِ خمسہ کی خدمات کو خوب سراہا گیا اور یہی وجہ ہے کہ ان کو اُردو ادب کے ارتقا کا ایک لازمی سرمایہ قرار دیا گیا، جس کے نتیجے میں آج اُردو ادب کا ہر طالبِ علم ان حضرات کو اُردو ادب کے مایہ ناز اور بانیٔ اسالیب انشا پردازوں میں محبوب شمار کرتا ہے۔

افسوس کہ ان تمام معتبر اُردو ادب کی تاریخی تصانیف میں مؤرخین و محققین نے ان علمائے کرام کو یکسر نظر انداز کر دیا، جو اُردو نثر میں تحقیق و تدقیق کی راہ دکھا گئے اور بساطِ ادب کو اپنے نثری شہ پاروں سے ایسا سجا دیا کہ ان کے معاصرین بھی ان سے پیچھے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنی متنوع الموضوع تصانیف کی صورت میں وہ عظیم سرمایہ یادگار چھوڑ گئے جو مذہبی اُردو ادب کا انمول خزانہ ہے، جس کے بغیر ہماری تاریخ اُردو ادب مکمل نہیں ہو سکتی۔

ایسی باکمال ہستیوں میں جن کو تاریخ اُردو ادب کے مؤرخوں نے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور اس طرح ان کی علمی کاوشوں پر دبیز پردے پڑے رہے اور اس طرح ان کی افکارِ عالیہ سے اُردو ادب کو محروم ہونا پڑا اور نہ خود استفادہ کیا اور نہ دوسروں کو مستفیض ہونے کا موقع فراہم کیا اور ان علمائے کرام کے مستند جواہر پاروں کی تابناکیوں سے چشم پوشی کر کے خود اپنے اُوپر ستم کیا اور عصرِ حاضر کے ادب دوست حضرات کو بھی ان سے محروم نظر رکھا۔

انیسویں صدی عیسوی کی ایسی ہی نابغۂ روزگار ہستی مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی ہیں، جن کی ذاتِ گرامی پاک و ہند اور پورے عالم اسلام کی جانی پہچانی علمی ادبی شخصیت ہے، جو علم و ذہانت کے اعتبار سے ایسی بھرپور صلاحیتوں سے بہرہ ور شخصیت ہے کہ جس کے مقابل پاک و ہند میں ان کے معاصرین میں کوئی بھی ہمسر نہیں اور اُردو ادب کے حوالے سے کوئی انشا پرداز ان کے معیارِ کمال پر پورا نہیں اُترتا، جو اُردو ادب کے عناصرِ خمسہ کی مجموعی خدمات کے مقابلے میں ایک فرد وحید اور یگانہ و بے مثل ہیں، جو نہ صرف اُردو ادب بلکہ السنۂ شرقیہ (عربی و فارسی) کے رمز شناس عالم اور ہندی ادب پر دستگاہ کامل کے مالک تھے، جن کی تصانیف کی تعداد دو چار، دس بیس نہیں بلکہ سیکڑوں سے متجاوز ہے اور ایک محتاط اندازے

کے مطابق بقول ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ) آپ کی تینوں زبانوں میں لکھی گئی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے اور ان کی صرف ایک تصنیف ... "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اردو نثر نگاری کا قطع نظر تفقہ کے ایک عظیم شاہکار ہے، جس نے دو چار نہیں پچپن[55] علوم سے بھی زیادہ مختلف الموضوعات کے علوم و فنون پر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں اور کمال یہ ہے کہ ہر علم پر اُس کی مناسبت اور مطابقت کے اعتبار سے اسلوبِ نگارش اختیار کیا ہے وہ کہ جس نے اللہ اور اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں سرشار ہو کر قرآن مجید و فرقانِ حمید کا کمال زباندانی اور فصاحت و بلاغت کے اصُول کے تحت بہت ہی محتاط انداز اور انبیاء علیہم السّلام کے ادب و احترام کی حدود کی پاسداری اور عصمت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت سلیس، شگفتہ روزمرّہ کی زبان میں ترجمہ کیا ہے، جس کا تاریخی نام قرآن پاک کے جامع معانی کی مناسبت سے "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" رکھا، وہ کہ جس کی ذکاوت اور قوّتِ حافظہ کا یہ عالم کہ ایک نشست میں نہ صرف اُردو بلکہ عربی جیسی فصیح زبان میں عطائی علمِ غیب جیسے اہم، دقیق اور نازک مسئلے پر کسی کتاب کی مدد کے بغیر صرف آٹھ گھنٹے میں ایک مبسوط اور محققانہ مقالہ بعنوان "الدولۃ المکیہ فی المادۃ الغیبیہ" تحریر کر دیا، وہ کہ جس کے اُردو ادب پر بھرپور قدرت کا یہ عالم کہ قرآن مجید کا ترجمہ کرتے وقت نہ کسی کتاب کو سامنے رکھا نہ اپنے قلم کو استعمال میں لائے بلکہ اپنے شاگرد رشید تلمیذِ خاص مولانا مفتی امجد علی (والد ماجد عبد المصطفیٰ الازہری) کو اِملا کرایا اور اس طرح کہ مولانا امجد علی قرآن کی آیات شریفہ تلاوت کرتے جاتے اور آپ فی البدیہہ اُس کا ترجمہ کرتے جاتے، جس کے کمالِ علمی اور سرعتِ فہم و ذکا کا یہ عالم کہ سوال کرنے والے کا مسئلہ تو کسی جز کے متعلق ہوتا لیکن اس کا جواب ایسا مبسوط محققانہ اِملا کرواتے کہ اُس سائل کے سوال کو نہ صرف جواب مل جاتا بلکہ اس سے متعلق جتنے بھی جزئیات ممکن ہوتے ان سب کے جوابات متن جواب میں مربوط اور منسلک ہوتے، جس کو علوم دینیہ میں تو مہارت تامہ حاصل تھی ہی لیکن علوم دنیاوی خصوصاً سائنسی علوم پر ایسی دسترس حاصل تھی کہ تقریباً علوم طبیعات کی ہر نوع اور موضوع پر آپ کی تصانیف آپ کے کمال کی آئینہ دار ہیں اور جن کی تبحرِ علمی کو اپنے وقت کے مایہ ناز ریاضی دان

پروفیسر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم سابق شیخ الجامعہ علیگڑھ اس طرح خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ :۔

"حقیقت میں مولانا کو علمِ لدنی حاصل تھا اور یہ شخصیت پاک و ہند میں نوبل انعام کی صحیح حقدار ہے کہ میرے لاینحل سوال کا جواب الیافی البدیہہ دیا گویا اس مسئلے پر برسوں سے ریسرچ کر رہے ہوں اور اب اس علم کا کوئی جاننے والا نہیں"۔

شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم مولانا احمد رضا خاں کے متعلق اس طرح اظہارِ خیال فرماتے ہیں کہ :۔

"مولانا بے حد ذہین اور باریک بین عالمِ دین تھے۔ فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرور تھے اور پاک و ہند کی کیسی نابغۂ روزگار حیثیت کے مالک تھے۔ ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طبّاع اور ذہین فقیہہ مشکل سے ملے گا"۔

جس کے لیے پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب سابق صدر شعبۂ اُردو جامعہ سندھ یوں رطب اللسان ہیں کہ :۔

"مولانا احمد رضا اپنے دَور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے تھے کہ جن کے فضل و کمال، ذہانت و فطانت، طبّاعی و درّاکی کے سامنے بڑے بڑے علماء، فضلاء، جامعات کے اساتذہ، محققین، مستشرقین نظروں میں جچتے نہیں مختصر یہ کہ وہ کون سا علم ہے جو انھیں نہیں آتا تھا اور کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے"۔

عصرِ حاضر کے اُردو ادب و اسلامی علوم کے ماہر و محقق مولانا مودودیؒ مولانا احمد رضا خاں کی شانِ کمالِ علمی کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں کہ :۔

"مولانا بریلوی کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ فی الواقع

وہ علوم دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

جناب خورشید احمد صاحب تاریخ ادبیات میں کچھ اس طرح تعارف کراتے ہیں کہ :۔

"مولانا احمد رضا خاں بریلوی اس دور کے اہم علمائیں سے ہیں۔ انھوں نے اپنے علمی کام کا آغاز انیسویں صدی کے آخری ربع میں کر دیا تھا اور یہ سلسلہ ان کے انتقال (۱۹۲۱ء) تک جاری رہا۔ مولانا موصوف فقہ، کلام اور تفسیر کے علاوہ فلسفہ اور ریاضی کے بھی ماہر تھے اور ان کی کتب کا علمی درجہ نہایت بلند ہے۔ انھوں نے قرآن پاک کے بامحاورہ اردو ترجمہ کے علاوہ خالص کلامی موضوعات پر عربی زبان میں بھی متعدد کتابیں لکھیں۔"

ان خوبیوں کے علاوہ وہ بے شمار صلاحیتوں کے مالک تھے جن کا تبحر علمی اور وسیع النظری کسی سے پوشیدہ نہیں اور جن کو اردو ادب کی نثر نگاری اور نظم دونوں پر نہ صرف دسترس حاصل تھی بلکہ ان کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ ان خوبیوں کے مالک ہونے کے باوجود انکساری کا یہ عالم کہ خود فرماتے ہیں کہ :۔

"کبھی میرے دل میں یہ خطرہ نہ گزرا کہ میں عالم ہوں یا فقہا کے گروہ سے ہوں یا اماموں کے مقابل مجھے کوئی لفظ کہنا پہنچتا ہے یا حکم و حکمتِ شرع میں مجھے ان کے ساتھ کچھ مجال ہے۔ میں ان کا نام لیوا ہوں اور ان کا طفیلی، انہی سے لیتا اور فائدہ پاتا ہوں۔ مجھ پر جو فیض آتا ہے انہی سے آتا سے آتا ہے، اس کی برکت سے مولیٰ نے مجھ پر دروازے کھول دیے اور اسباب آسان کیے اور خدا چاہے تو ہر مسئلے میں حق کی طرف ہدایت فرمائے۔"

(فتویٰ رضویہ جلد اوّل)

آج عالمِ اسلام آپ کو مجدّدِ ملت، فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت کے نام سے جانتا ہے جن کی پیدائش ۱۸۵۶ء میں بریلی شریف میں ہوئی۔ آپ اردو ادب کے عناصر خمسہ کے معاصرین میں سے ہیں (بجز سر سیّد احمد خاں کے) لیکن تاریخ اردو ادب کے مرتبین اور مؤرخین کی تنگ

نظری دیکھئے کہ عناصرِ خمسہ کے ہم عصر ادیب بے مثل یگانۂ روزگار مصنف مولانا احمد رضا کو ایسی بے دردی کے ساتھ اردو ادب کی محفل سے الگ تھلگ رکھا ہے کہ کسی تاریخ اُردو ادب میں کوئی مؤرخ اور محقق ان کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ اُن کے کام کا مذکور! اُردو ادب کی مستند کتابوں میں کہیں بھی اس منفرد و یگانہ ادیبِ وقت کو جگہ نہیں دی گئی۔ بہت ہی تفحص و تلاش کے بعد دس جلدوں پر مشتمل "تاریخ ادبیات مُسلمانان پاک و ہند" کی دسویں جلد میں جناب خورشید احمد صاحب کے مرتبہ مقالہ میں دینی ادب کی بحث کے سلسلے میں صرف گیارہ سطریں اس نابغۂ روزگار اور اُردو کے یگانۂ عصر ادیب پر پائی گئیں اور ان میں بھی آپ کا ذکر چند بودے اعتراضات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ ہے وہ تاریخی ناانصافی جو ہر مؤرخ کرتا رہا ہے۔ آئیے ذرا عناصرِ خمسہ کی خدمات کے مقابل مولانا احمد رضا خاں قادری قدس سرہ کی ادبیات کا جائزہ لیں اور اس کا فیصلہ میں قارئین کی ذکاوت کے حوالے کرتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد جہاں زندگی کے دوسرے پہلو انقلاب آشنا ہوئے وہاں اس انقلاب سے اُردو ادب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ دَورِ ماقبل انقلاب میں اگر اُردو ادب کا جائزہ لیا جائے تو اس میں وافر ذخیرہ آپ کو تصوّف، اخلاق، فقہ اور تفسیر کی تصانیف پر ملے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اُردو ادب کی ترویج اس دَور میں صوفیائے کرام کے ہاتھوں ہو رہی تھی جن کا تمام تر مطمع نظر اور نصب العین تبلیغ دین تھا۔ وہ بغیر کسی امتیاز و تعصّب کے مُسلمانوں کو راہِ راست پر قائم رکھنے اور غیر مُسلموں کو راہِ راست پر لانے کی مساعی پر کمربستہ تھے اور اس مقصد کے لیے تصوّف، اخلاقیات اور فقہ کی تعلیم ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور یہ ہی تمام صوفیائے کرام کا حقیقی نصب العین ہے یہی وجہ ہے کہ ان تمام حضرات نے صرف ان ہی چند موضوعات پر قلم اُٹھایا، اگر ہم ان بزرگوں کے ملفوظات پر نظر ڈالیں تو ان میں بھی اسی بنیادی نصب العین سے متعلق مواد ملتا ہے لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد اُردو ادب میں ایسا انقلاب رونما ہوا کہ صوفی صفت علمائے کرام تاریخ اُردو ادب کے صفحات سے اوجھل ہو گئے اگرچہ یہ ہر دور میں موجود رہے لیکن ترقی پسند مؤرخوں نے ان حضرات کو اپنے خیالی فلسفہ کی بنا پر اُردو ادب کی ٹکسال سے باہر کی چیز سمجھا اور اپنے رستے سے ہٹا دیا۔

انقلاب کے بعد چونکہ انگریز ہماری تہذیب و معاشرت اور ہیئتِ اجتماعی پر بری طرح چھا گئے تھے اور انگریزی زبان کو معاشی ترقی ہی نہیں بلکہ معیشت کے حصول میں ایک بنیادی کلید بنا لیا تھا اور سر سیّد احمد خاں نے مسلمانوں میں اس کی ترویج اور اس کے غلبہ کے لیے تن من کی بازی لگا دی تھی، جس روش کو پھر ترقی پسند علماً و فضلائے نے بہت سراہا اور اس خدمت کے صلہ میں ان کو "سر" اور "شمس العلماء" کے خطاب اور دوسرے انگریزی اعزازات سے نوازا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یہ مغربی زبان کی ترویج اور اس کے ساتھ مغربی ثقافت کی اثر آفرینی مسلمانوں کو لے ڈوبی، جس کے مُہلک اثرات آج بھی ہماری تہذیب، زبان اور ہمارے قلم سے نمایاں ہیں۔ کیونکہ اس مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر جو تصانیف جدید ذہنوں نے پیش کیں ان میں اسلام کی تعلیمات کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ عناصرِ خمسہ میں اگر سر سیّد احمد خاں، مولانا آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد کی تفاسیر اور قرآن کے تراجم کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں اسلام اور ایمان کے بنیادی عقائد پر بھی تنقید موجود ہے اور اکثر و بیشتر بنیادی معتقدات کو مغربی سائنس کی روشنی میں رَد کیا ہے مثلاً سر سیّد احمد خاں اپنی تفسیر میں فرشتوں، شیطان، جنت و دوزخ، عذاب و ثواب، قبر اور معجزات انبیائے کرام کا کھلا انکار کرتے ہیں۔ دوسری طرف ڈپٹی نذیر احمد ترجمۂ قرآن میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس و ارفع میں بہت بیباک ہیں اور افسانوں و ناولوں کی طرح قرآن پاک کے ترجمہ کو بھی غیر ضروری اور غیر سنجیدہ جملوں سے سجایا ہے اور اُردو روزمرّہ کے اس طرح والا و شیدا ہیں کہ قرآن حکیم کی عظمت اور سر بلندی کو بھی پسِ پشت ڈال دیا ہے، اسی طرح مولانا آزاد نے بھی قرآن مجید کی تفسیر کو اپنی آزاد خیالی کا مرقّع بنایا ہے۔

محسوس یہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد اُردو ادب دو واضح حصّوں میں بٹ گیا تھا۔ ایک دینی یا مذہبی ادب جس پر جناب خورشید احمد صاحب نے تاریخ ادبیات میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور دوسرا دُنیاوی ادب جس کے دائرے میں وہ دوسرے تمام مصنّفین جگہ پاتے ہیں جنھوں نے داستان نویسی، افسانہ نگاری، ناول نگاری اور تاریخ سیاست و ادب پر کتابیں لکھی ہیں۔ عناصرِ خمسہ کے حضرات نے ان دونوں انواعِ ادب میں رخنہ اندازی کی ہے

کیونکہ سرسید احمد خاں کا جہاں دیگر غیر مذہبی موضوعات پر سرمایۂ نگارش ملتا ہے، وہاں اُنھوں نے اسلامی تاریخ، تفسیرِ قرآن اور خطباتِ احمدیہ کی صُورت میں سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چیدہ چیدہ عنوانات پر مشتمل نگارشات یادگار چھوڑی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تہذیب اخلاق کے مضامین میں انگریزی ادب سے تاثر پذیری کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں، جو اُن کے اصلاح معاشرہ کی تحریک میں بھی جلوہ فرما ہیں۔ یوں ہی مولانا آزاد حسین کی تصانیف پر نظر ڈالیے تو ان کے یہاں بھی مغربی اور اسلامی ادب کا امتزاج ہے۔ البتہ ڈپٹی نذیر احمد کے فن پارے ایسے ہیں، جن میں دونوں تہذیبوں کا تصادم اور مغربی تہذیب کے مُضر اثرات کی عکاسی ہے۔ وہ ایک طرف تو اُردو میں متعدد اصلاحی ناولیں اور افسانے یادگار چھوڑ گئے ہیں اور دوسری طرف ترجمۂ قرآن اور دیگر دینی مضامین پر ان کی گراں نمایاں تصانیف موجود ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی نے البتہ دینی ادب پر کوئی نمایاں تصانیف یادگار نہیں چھوڑی ہیں اُنھوں نے سوانح نگاری جس کے وہ موجد بھی ہیں بھرپور توجہ مبذول رکھی۔ دوسری طرف مولانا شبلی نعمانی عناصرِ خمسہ میں واحد نثر نگار ہیں کہ جن کی اکثر تصانیف دینی ادب کی نمائندگی کرتی ہیں اگرچہ اُنھوں نے بھی قرآن کے ترجمہ و تفسیر کی طرف توجہ مبذول نہیں کی لیکن سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کام کرنے کی طرح ضرور ڈالی، جس کو آپ کے لائق شاگرد رشید مولانا سید سلیمان ندوی نے چھ جلدوں پر اس کا تکملا کیا۔ علاوہ ازیں ان کی بقیہ تصانیف اسلامی تاریخ اور سوانح نگاری پر مشتمل ہیں اگرچہ مولانا شبلی نعمانی کی تصانیف ضخامت میں ان کے بعض ہم عصروں سے کچھ زیادہ نہیں لیکن تحقیق و عظمت میں بہت گراں بہا ہیں۔

جدید اُردو ادب میں یہ عناصرِ خمسہ اس کے صرف معمار ہی نہیں بلکہ ادب کے ایوان کی آرائش کے بھی پیشہ کار ہیں۔ متعدد اسالیب بیان کے موجد بھی یہی عناصرِ خمسہ ہیں۔ انشا پردازی میں ہر ایک کو سوائے مولانا حالی کے ہر ایک منفرد اسلوب بیان کا مصنّف اور قلمکار قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اُردو ادب کا کوئی ایسا موضوع نہیں، جن پر ان حضرات کی یادگار نہ ہوں اگرچہ ان میں ہر ایک تقابلی اعتبار سے ایک دوسرے پر بعض انفرادی خصوصیات کے باعث فوقیت رکھتا ہے لیکن ان میں ایک عنصر سب میں مشترک ہے کہ پانچوں حضرات کے یہاں دینی ادب میں ایک گونہ آزاد خیالی نمایاں ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھوں سے کہیں نہ کہیں ادب کا

دامن چھوٹ گیا ہے۔ علی الخصوص سرسید احمد خاں اور ڈپٹی نذیر احمد اعتدال سے ہٹ کر بہت کچھ لکھ گئے ہیں، جن سے متاثر ہو کر ان کے بعد کے بعض دانشوروں اور علمائے روشن خیال نے بھی اس طرز کو اپنایا ہے مثلاً عنایت اللہ مشرقی، غلام احمد پرویز، عبداللہ چکڑالوی، مرزا غلام احمد قادیانی وغیرہ اس آزاد خیالی اور بے اعتدالی کے سنگلاخ اور گمراہی کے راستے پر گامزن ہو گئے اور پھر اس ہٹ دھرمی کا سلسلہ اتنا زور پکڑ گیا کہ ہر زہ گوئی بلا جھجک اللہ اور اُس کے حبیب و لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں، ارکان اسلام کے جدید سائنسی انطباق اور اسلاف کی خدمات کو کم مایہ ثابت کرنے میں زبان درازی کرنے لگا۔ میں یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا کہ مسالک اور مذاہب کے معاملے میں مولانا احمد رضا خان قادری قدس سرہ کا ان عناصرِ خمسہ اور ان کے بعد کے پیروکار سے کیا اختلاف تھا، یہاں صرف جدید اُردو کی ترقی کے اثرات کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ جس کے مضر اثرات نے مذہبی بے راہ روی کے نت نئے راستے کھول دیے۔

عناصرِ خمسہ کی اُردو ادبیات سے متعلق خدمات کا جہاں تک تعلق ہے اس کا ہر کوئی معترف ہے اور یہ خدمت ہیں ہی قابلِ ستائش۔ ان کی ان خدمات کا تفصیلی جائزہ ڈاکٹر حامد حسن قادری (مرحوم) نے اپنی کتاب "تاریخ داستان اُردو" میں پیش کیا ہے اور عناصرِ خمسہ میں سے ہر ایک مصنف کے طرزِ تحریر و اسلوب بیان اور انشا پردازی پر بھر پور روشنی ڈالی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں تاریخ ادب اُردو میں ان حضرات کے متعلق اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ تعارف کرائے بغیر ہی اُردو ادب کا ہر شیدائی ان سے متعارف ہے۔ یہاں اُردو ادب کے حوالے سے میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تاریخ ادبیاتِ اُردو کے مؤرخین و محققین نے کتنی بڑی ناانصافی کی ہے کہ مولانا احمد رضا قادری قدس سرہ، کی اُردو ادبی خدمات کو یکسر نظر انداز کر دیا جبکہ صرف ضخامت کے لحاظ سے مولانا احمد رضا کی تصانیف اُردو ادب میں عناصرِ خمسہ کی مجموعی تصانیف سے بھی زیادہ ہیں اور پھر ان میں انفرادیت کا یہ عالم کہ تمام عناصرِ خمسہ پر اپنے تبحر علمی اور وقوفِ علوم و فنونِ لامتناہی کے باعث بھاری! قصور صرف یہ محسوس ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا قادری قدس سرہ نے نہ تو انگریزی اثر قبول کیا اور نہ آزاد خیالی اپنائی اور نہ ہی افسانہ اور ناول جیسے غیر سنجیدہ عنوانات پر کوئی تصنیف یادگار چھوڑی بلکہ آپ نے

اپنی تصانیف میں سائنسی موضوعات کو اسلام کے زیرِ نگیں قرار دیا اور اس سلسلے میں کامیاب سعی کی ہے، جب کہ عناصرِ خمسہ نے اسلام کو سائنس کی مرہونِ منّت بنایا ہے۔

مولانا احمد رضا خان قادری قدس سرہٗ کی منشآت اور ان کے اسلوبِ نگارش پر کچھ لکھنے کے بجائے میں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کی نگارشات کے چند نمونے اپنے بیان کی صداقت میں پیش کروں تاکہ اُردو ادب پر گہری نظر رکھنے والے حضرات اس منفرد ادیب کی اندازِ تحریر اور اسلوبِ نگارش سے آشنا ہوسکیں لیکن یہاں صرف ایک مثال پیش کر کے عصرِ حاضر کے ادیبوں اور انشاپردازوں اور مؤرخین و محققینِ ادب کی خدمت میں بصد خلوص و ادب یہ عرض کروں گا کہ اب تک اُردو ادبیات کے سلسلے میں جو تاریخی اور مستند مواد آپ کی نظر سے گزرا ہے خصوصاً عناصرِ خمسہ کی ادبی خدمات اور ان کی نگارشات، نیز ان کے اسالیبِ بیان کے سلسلے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ حقیقت پر مبنی سہی لیکن لکھنے والوں نے سورج کے صرف اس رُخ پر نظر کی ہے، جس سے دُنیا رُوشن ہے مگر سورج کا دوسرا رُخ بھی تو ہے اور وہ بھی ایک دوسری دُنیا کو روشن اور مستنیر کر رہا ہے یعنی مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی ادبی خدمات جو پہلے رُخ سے کہیں زیادہ منوّر اور روشن ہے اگر آپ اس رُخ کی تابانیوں کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی فضائے نثر طرازی و قلمکاری کا مشاہدہ کیجیے لیکن شرط یہ ہے کہ جنبہ داری کی عینک اس حقیقی مشاہدہ کے مطلع نظر حائل نہ ہو اور پھر تاریخ اُردو ادب کے اس خلا کو دیانت داری سے پُر کیجیے، جو لاعلمی کے باعث یا جنبہ داری کے ہاتھوں اس میں رہ گیا تھا۔ میں بڑے وثوق کے ساتھ یہ عرض کر رہا ہوں کہ مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی اُردو نثر نگاری کے ایوان کے منارے عناصرِ خمسہ کی نثری کاوشوں سے تعمیر کردہ عمارت کے کنگروں سے بہت بُلند و بالا ہیں، اگر میں یہ دعویٰ کروں تو غلط اور بے جا نہ ہوگا کہ مؤرخ ادب عناصرِ خمسہ کے بجائے عناصرِ ستّہ کی ترمیم پر مجبور ہوگا اور سرِفہرست نام ہوگا مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا بشرطیکہ وہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، اس لیے کہ جو ادبی خوبیاں عناصرِ خمسہ میں بحیثیت مجموعی پائی جاتی ہیں، وہ صرف اس ایک ذات میں جلوہ پیرا ہیں۔ میں عناصرِ خمسہ کے ان فکری اور انشاپردازی کے ان موارد و موضوعات کے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں، جن

پر مزاح اور ظرافت کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے بلکہ میں ان کے اس سنجیدہ ادب کے بارے میں عرض کر رہا ہوں، جو انھوں نے اپنی یادگار چھوڑا ہے حالانکہ ان کا وہ مزاحیہ اور ظریفانہ رنگ معاشرہ کو اصلاح کا فائدہ نہیں پہنچا سکا۔

مولانا احمد رضا قدس سرہٗ کی نثر نگاری میں وہ جاذبیت اور دلنشینی ہے کہ ان کا اسلوبِ بیان دل کی گہرائیوں اور احساسات کی رگ رگ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ آپ کے اسلوبِ بیان میں خاص طور پر جو عنصر در پردہ کارفرما ہے، خواہ وہ کسی عنوان پر قلم اٹھائیں کہ وہ دلوں میں اللہ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عشق و محبت کے خوابیدہ احساسات بیدار کرتا ہے، ان کی نگارش کا خاصہ اور نصب العین یہ ہے کہ قاری کو اسلام کا حقیقی اطاعت گزار اور شرعِ متین کا پابند بناتا ہے اور غیر مسلم تمدن سے متاثر نہ ہونے کا دلنشیں درس دیتا ہے اور اس کے لیے وہ اپنی تحریر میں علم کے بیش بہا خزانے نچھاور کرتے چلے جاتے ہیں کہ ؎

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

آپ سائنسی علوم پر جب قلم اٹھاتے ہیں تو اس طرزِ انشا کو اپناتے ہیں، جو ان موضوعات کے لیے مناسب ہو اور وہ اپنی ایسی تحریروں میں ہمیشہ سائنس کو مسلمان بنانے کی جدّ و جہد کرتے ہیں تاکہ مسلمان کی توجہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی آیات اور معجزاتِ لامتناہی سے بغاوت نہ کرے جبکہ عناصرِ خمسہ میں اکثر سائنس کے علوم سے اتنے متاثر دکھائی دیتے ہیں کہ اسلام کے بنیادی ارکان ہی سے اختلاف کر بیٹھتے ہیں۔ معجزاتِ انبیا، جنّت اور دوزخ، ملائکہ اور عذابِ قبر کی ایمانی حقیقتوں کو سائنس کے محیّر العقول نتائج کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے۔

اب مولانا احمد رضا خاں قادری فاضل بریلی قدس سرہٗ کی متعدد ضخیم متفرق الموضوع کتابوں سے چند اقتباسات پیش کر رہا ہوں اور اردو ادب کے مؤرخین کو دعوتِ فکر دیتا ہوں کہ انصاف سے کام لیجیے اور اردو ادب کو ایسے قیمتی خزانے سے محروم نہ رکھیے اور تاریخ کے ساتھ ایسا مذاق نہ کیجیے کہ آنے والی نسلیں آپ کو معاف نہ کریں۔ غلطی انفرادی بھی ہوتی ہے اور اجتماعی بھی لیکن جب حق کا آئینہ دکھایا جائے تو پھر اس میں جو حقیقت منعکس

ہو اس کو قبول کیجیے اور حق کا ساتھ دیجیے کہ قرآن کا فرمان ہے
"اللہ تعالیٰ انصاف نہ کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔"

"امام احمد رضا کی نثر نگاری کے چند نمونے۔"

مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی زبان فیض ترجمان سے بارھویں شریف کی محفل میلادِ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تقریر سے ایک عبارت پیش کی جارہی ہے ملاحظہ ہو۔

"جب زمانہ ولادت شریف کا قریب آیا، تمام ملک و ملکوت میں میلاد تھی، عرش پر محفل میلاد تھی، فرش پر محفل میلاد، ملائکہ میں مجلس میلاد ہو رہی تھی۔ خوشیاں مناتے حاضر آئے ہیں، سر جھکائے کھڑے ہیں، جبرئیل و میکائیل حاضر ہیں۔ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اس دُلہا کا انتظار ہو رہا ہے، جس کے صدقے میں یہ ساری برات بنائی گئی ہے۔ سبع سماوات میں عرش و فرش پر دُھوم ہے۔ ذرا انصاف کرو۔ تھوڑی سی مجازی قدرت والا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدت سے انتظار ہو، اب وقت آیا ہے کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا۔ وہ عظیم مقتدر جو چھ ہزار برس بیشتر بلکہ لاکھوں برس سے ولادتِ محبوب کے پیش خیمے تیار فرما رہا ہے، اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المرادین ظہور فرمانے والے ہیں۔ یہ قادر علیٰ کلّ شیئ ہے، کیا کچھ خوشی کے سامان مہیا نہ فرمائے گا۔ شیاطین کو اُس وقت جلن ہوئی تھی اور اب بھی جو شیاطین ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ غلام تو خوش ہو رہے تھے۔ اُن کے ساتھ تو ایسا دامن آیا کہ یہ گر رہے تھے اُس نے بچا لیا۔ ایسا سنبھالنے والا ملا کہ اس کی نظیر نہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔"

مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی پوری زندگی عشق و اتباعِ رسول میں گزری۔ وہ ایک سچے عاشقِ رسول تھے، جس کی جھلک اُن کی تحریروں میں جا بجا نظر آتی ہے۔ رسالہ "قمر التمام فی نفی الظلِ عن سید الانام" کا یہ تراشہ ملاحظہ ہو جس کا ایک ایک حرف حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تراشے کے آخر میں آپ نے اُن لوگوں کی سختی سے مذمت

کی ہے، جو حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کی فکر میں دُبلے ہوئے جاتے ہیں۔

" اور محبوب بھی کیسا جانِ ایمان وکانِ احسان، جس کے جمالِ جہاں آرا کا نظیر کہیں نہ ملے گا اور خامہ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا۔ کیسا محبوب، جسے اُس کے مالک نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بھیجا۔ کیسا محبوب جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اُٹھالیا۔ کیسا محبوب جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا۔ تم رات دن اُس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو و لعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لیے شب و روز گریاں وملول۔ شب کہ اللہ تعالیٰ نے آسائش کے لیے بنائی۔ اپنے تسکین، بخشش پردے چھوڑے ہوئے چھچلیں موقوف میں صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے، ہر ایک کا جی اُس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے۔ بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے اور جو محتاج بے نوا ہے اُس کے بھی پاؤں دو گز کی کملی میں دراز۔ ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں وہ معصوم، بے گناہ، پاک دامان، عصمت پناہ اپنی راحت و آسائش چھوڑ، خواب اور آرام سے مُنہ موڑ، جبین نیاز آستانہ عزّت پر رکھے ہے کہ الٰہی میری اُمّت سیاہ کار ہے۔ درگزر فرما اور اُن کے تمام جسموں کو آتشِ دوزخ سے بچا۔ جب وہ جانِ راحت، کانِ رافت پیدا ہُوا، بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا اور رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِيْ فرمایا۔ جب قبر شریف میں اُتارا لبِ جاں بخشش کو جُنبش دی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سُنا۔ آہستہ آہستہ اُمّتی فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے۔ تانبے کی زمین، ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں، حساب کا دغدغہ، ملک قہار کا سامنا، عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا، مجرمان بے یار دامِ آفت کے گرفتار جدھر جائیں گے سوا نفسی نفسی اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ کچھ جواب نہ پائیں گے۔ اُس وقت یہی محبوب غمگسار کام آئے گا۔ قفلِ شفاعت اُس

کے بازو سے کھل جائے گا۔ امامہ سرِ اقدس سے اُتاریں گے اور سر بسجود ہو کر اُمّتی فرمائیں گے۔ وائے بے انصافی ایسے غمخوار پیارے کے نام پر جان نثار کرنا اور اُس کی مدح و ستائش و نشر و فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشن اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور اس روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے۔"

مولانا احمد رضا خاںؒ نے تمہید الایمان (۱۳۲۶ھ) نامی رسالے میں قرآن و احادیث اور تصریحاتِ آئمہ دین کی روشنی میں کفر اور اسلام کی حدوں کو متعیّن فرما دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ جو لوگ سرے سے عقائد کے معاملے میں آزاد خیالی کو رواج دینا چاہتے ہیں، وہ حقیقت میں دین کے دشمن ہیں۔ زیرِ نظر تحریر "تمہید الایمان" سے لی گئی ہے۔

"ایمان کے حقیقی و واقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت تمام جہانوں پر تقدیم۔ تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تمھیں جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم کتنی ہی عقیدت، کیسی ہی دوستی، کیسی ہی محبّت کا علاقہ ہو، جیسے تمھارے باپ، تمھارے استاد، تمھارے پیر، تمھاری اولاد، تمھارے بھائی، تمھارے احباب، تمھارے بڑے، تمھارے اصحاب، تمھارے مولوی، تمھارے حافظ، تمھارے مفتی، تمھارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد جب وہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ اقدس میں گستاخی کریں تو اصلاً تمھارے قلب میں اُن کی عظمت، اُن کی محبّت کا نام و نشان نہ رہے۔ فوراً اُن سے الگ ہو جاؤ۔ دودھ سے مکھّی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ اُن کی صورت، اُن کے نام سے نفرت کھاؤ پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، اُلفت کا پاس کرو، نہ اُس کی مولویت، مشیخت، بزرگی، فضیلت کو خاطر میں لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کی غلامی کی بنا پر تھا۔"

مولوی حاکم علی نقشبندی مجدّدی، پروفیسر اسلامیہ کالج سائنس لاہور، مولانا احمد رضا خاں بریلوی

قدس سرہٗ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ مولوی حاکم علی صاحب کئی دفعہ مولانا احمد رضا خان سے ملنے بریلی بھی گئے۔ بریلی میں اپنے قیام کے دوران وہ اکثر مولانا احمد رضا خاں سے سائنسی علوم و فنون پر تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ وہ مولانا احمد رضا خاں کے تبحر اور علمیت کے بڑے مدّاح تھے اور اکثر اوقات اُن سے بریلی میں مذہبیات، فقہیات، سیاسیات اور سائنسی علوم پر تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ مولوی حاکم علی مشربًا نقشبندی تھے اور مولانا احمد رضا خاں مشربًا قادری لیکن وہ مولانا کو اس صدی کا مجدّد قرار دیتے تھے۔ تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں جب مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کو بیداری کا پیغام دے کر مسٹر گاندھی کی چالوں اور بعض مسلم علما کی ناعاقبت اندیشانہ روش پر اُن کا پردہ چاک کیا تو مولوی حاکم علی بے ساختہ پکار اُٹھے "الاماں یا مجدد مأئۃ حاضرہ"

رسالہ "نزولِ آیاتِ فرقان و لبسکونِ زمین و آسمان" (مطبوعہ لکھنؤ) مولوی حاکم علی کے ایک استفسار کے جواب میں لکھا تھا۔ مولوی حاکم علی صاحب نے ۱۴ جمادی الاوّل ۱۳۳۹ھ کو مولانا احمد رضا خاں بزبانِ عربی و فارسی ایک خط ارسال کیا اس میں حرکتِ زمین کی تائید میں بعض قرآنی آیات کے ساتھ تفسیر جلالین اور تفسیرِ حسینی سے بعض عبارات پیش کیں۔ اس کے علاوہ سائنس کی کتابوں سے بھی حوالے درج کیے اور مولانا احمد رضا خاں سے درخواست کی کہ وہ حرکتِ زمین کے قائل ہو جائیں۔ مولوی صاحب نے مولانا احمد رضا خاں سے اپنے خط کے اختتام پر التجا کی تھی۔

"غریب نواز! کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر انشاء اللہ العزیز سائنس کو اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے"

مولانا احمد رضا خاں نے بعنوانِ مذکورہ ۳۲ صفحات پر مشتمل رسالہ قلمبند کیا۔ اس کتابچہ میں اُنھوں نے ردِّ حرکتِ زمین پر اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے مذکورہ بالا تفاسیر کے علاوہ ۲۸ دیگر تفاسیر کے حوالے پیش کیے اور مولوی حاکم علی صاحب کے دلائل کو ضعیف قرار دیتے ہوئے جدید سائنس دانوں مثلاً نیوٹن آئن اسٹائن اور البرٹ ایف پورٹا پر شدید تنقید کی اور آخر میں لکھا:۔

"محبِّ فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہو گی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ

اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اُسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائلِ سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال و اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہ تعالیٰ دُشوار نہیں۔ آپ اُسے بچشمِ پسند دیکھتے ہیں"۔

مولانا احمد رضا خاں قدس سرّہٗ حرکتِ زمین کے رد میں اپنی معرکتہ الآراء کتاب "فوز مبین در ردِّ حرکتِ زمین" (۱۳۳۸ھ) میں آئزک نیوٹن پر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوتِ طبعی ہے، جسے جاذبیا یا جاذبیت کہتے ہیں۔ اس کا پتہ نیوٹن کو ۱۶۶۵ء میں اس وقت چلا جب وہ وبا سے بھاگ کر کسی گاؤں گیا۔ باغ میں تھا کہ درخت سے سیب ٹوٹا، اُسے دیکھ کر اس کا سلسلۂ خیالات چھوٹا جس سے قواعدِ کشش کا بھبوکا پھوٹا"۔

وصایا شریف مولانا احمد رضا خاں ۱۳۴۰ھ جن کو مولانا حسنین رضا خاں صاحب نے جمع کیا۔ وصال سے کچھ عرصہ قبل اپنے پیر و مرشد سیّدنا و مخدومنا مولانا شاہ آلِ رسول صاحب قدس سرّہٗ کا عُرس جو ذی الحجّہ میں ہوتا ہے، اس دفعہ محرم الحرام میں کیا۔ لوگوں کو مکان میں طلب فرمایا اور وعظ و نصیحت فرمائی۔

(الف)

"مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنے دن تمہارے پاس ٹھہروں۔ تین ہی وقت ہوتے ہیں بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن گیا، جوانی گئی، بڑھاپا آیا۔ اب کون سا چوتھا وقت آنے والا ہے، جس کا انتظار کیا جائے، ایک موت ہی باقی ہے"۔

اس کے بعد دو وصیتیں کیں اور پھر اس طرح فرمایا۔

(ب)

"حضورِ اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم رب العزّت جلّ جلالہٗ کے نور ہیں، حضور

سے صحابہ روشن ہوئے، صحابہ سے تابعین روشن ہوئے، تابعین سے تبع تابعین
روشن ہوئے، ان سے ائمہ مجتہدین روشن ہوئے، ان سے ہم روشن ہوئے۔ اب ہم
تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو، ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن
رہو۔ وہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچی محبت، ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں
کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت۔ جس سے اللہ و
رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے
جدا ہو جاؤ، جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی
بزرگِ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔
میں ہمیشہ تمہیں یہی بتاتا رہا اور اس وقت بھی یہی عرض کرتا ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد اسی مدینہ طیبہ میں آپ کے
دنیا سے تشریف لے جانے کا منظر کھینچتے ہیں:۔

"ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے مجلسِ آخری وصیت
ہے۔ مجمع تو آج بھی وہی ہے۔ بچوں سے بوڑھوں تک، مردوں سے پردہ نشینوں
تک، سب کا ہجوم ہے۔ ندائے بلال سنتے ہی چھوٹے بڑے سینوں سے دل
کی طرح بے تابانہ نکلے ہیں۔ شہر بھر نے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیئے ہیں۔
دل کمہلائے، چہرے مرجھائے، دن کی روشنی دھیمی پڑ گئی کہ آفتابِ جہاں تاب
کی وداع نزدیک ہے۔ آسمان پژمردہ، زمین افسردہ، جدھر دیکھو سناٹے
کا عالم اتنا اژدھام کہ ہو کا مقام آخری نگاہیں اس محبوب کے روئے حق نما تک
کس حسرت و یاس کے ساتھ جاتی اور ضعفِ نومیدی سے ہلکان ہو کر بیخودانہ قدموں پر گر جاتی
ہیں۔ فرطِ ادب سے لب بند مگر دل کے دھوئیں سے صدا بلند۔

حافظ محمد شکیل اوج
(لیکچرار گورنمنٹ اردو کالج - کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کی قابلِ فخر اور یگانۂ روزگار شخصیت ہیں۔ ان کی زندگی کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر علماء اور اسکالرز بہت عرصے سے کام کر رہے ہیں مگر ہنوز وہ ان کے باب میں اپنی کم علمی اور بے بساطی کے کھلے دل سے معترف اور اقراری ہیں۔

زیر نظر نگارش، امام احمد رضا کے اس گوشۂ علمی سے متعلق ہے جس کا تعلق ان کے تحریر کردہ کتب و رسائل کے اسمائے گرامی سے ہے۔ تاہم اپنے موضوع کے اظہار و بیان کے لئے سر دست ہم نے صرف تین عنوان منتخب کئے ہیں جو کہ یہ ہیں!

۱۔ اسلوبیت ۲۔ جامعیت اور ۳۔ حسن صوتیت۔

اسلوبیت

اعلیٰ حضرت کے اکثر کتب و رسائل کے اسماء کا اسلوب وہی ہے جو بیشتر متقدمین کا ہے۔ جبکہ اسی عہد میں اکثر مصنفین کے ہاں اس کے ترک کا رجحان پایا جاتا ہے۔ (اور اب تو یہ رجحان بہت فروغ پا چکا ہے) قدیم اسلوب کے ترک کی وجہ شاید اسلاف سے عدم واقفیت ہو۔ (کما حقہٗ) اور اس کی وجہ محض جدیدیت ہو سکتی ہے۔ بنا بریں مصنفوں کی روشِ تن آسانی نے انہیں علم و تحقیق سے دور کر دیا تھا۔ وہ قدیم ذخیرۂ اسلاف کو اس لئے خیر باد نہیں کہہ رہے تھے۔ کہ وہ ان کے کام کا نہ

تھا، بلکہ اس لئے چھوڑ رہے تھے کہ وہ ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

امام احمد رضا نے اپنی علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اولاً قدیم سرمایۂ علم و فن کو دیکھا، پھر اس کے آئینہ میں حال کا بغور جائزہ لیا، اور یوں اپنے اخلاف کو ایک بار پھر اس اسلوبِ نگارش سے آشنا کر دیا، جو ان کے اسلاف کا تھا، تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے انکے متقدمین کا ذخیرۂ علمی، محض اپنے ناموں کی وجہ سے غیریت کا شکار نہ ہو جائے، کہ اسمائے کتب کا مشکل یا اجنبی ہونا حصولِ افادہ میں ضرور مانع و حارج ہے۔

ذیل میں ہم متقدمین کی مشہور کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ اعلیٰحضرت کا اسلوب زیادہ نکھر کر سامنے آسکے، چنانچہ سب سے پہلے تفسیر قرآن کے تحت لکھی جانے والی کتابوں کا عنوان دیکھئے!

ابن جریر طبری	کی	جامع البیان فی تفسیر القرآن
علامہ ثعلبی	کی	الکشف والبیان عن تفسیر القرآن
ابن عطیہ	کی	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز
علامہ بیضاوی	کی	انوار التنزیل واسرار التاویل
امام نسفی	کی	مدارک التنزیل وحقائق التاویل
علامہ خازن	کی	لباب التاویل فی معانی التنزیل
علامہ آلوسی	کی	روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی
علامہ ثعالبی	کی	الذہب الابریز فی غرائب القرآن العزیز
علامہ سیوطی	کی	الدر المنثور فی التفسیر الماثور اور الاتقان فی علوم القرآن
شاہ ولی اللہ دہلوی	کی	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر اور فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن وغیرہ

بطور مشتے نمونہ از خروارے آپ نے اسلاف کی کتابوں کا نمونہ عنوان دیکھ لئے۔ اب اسی علم (یعنی تفسیر قرآن) کے تحت کتبِ اعلیٰحضرت کے عنوانات بھی ملاحظہ کیجئے۔ اور دیکھئے، کہ اسمائے کتب کا جو اسلوب متقدمین کے ہاں پایا جاتا ہے۔ وہ اعلیٰ حضرت کے ہاں بھی بہ تمام و کمال موجود ہے۔

۱۔ آپ نے آیت کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ..... الخ کے تحت سیدنا صدیق اکبر کی تفضیل پر ایک کتاب لکھی اور اس کا عنوان یہ رکھا۔

الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی :

۲۔ ریح اور ریاح کے اطلاق کے فرق کو ظاہر کرنے کے لئے قلم اٹھایا تو ایک کتاب لکھ ڈالی۔ جس کا نام رکھا۔

نائل الرواح فی فرق الریح والریاح

۳۔ اجابت دعاء کے معانی اور دعاء کا اثر ظاہر نہ ہوتا دیکھ کر مایوس ہو جانے کی سفاہت وحماقت پر ایک کتاب تحریر فرمائی۔ اور اس کا نام رکھا۔

انوار الحکم فی معانی میعاد استجب لکم

۴۔ آیت پاک ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث ویعلم مافی الارحام ..... الخ کے تحت میڈیکل ریسرچ اسکالرز کا رد بلیغ کرتے ہوئے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ جس کا نام یہ ہے۔

الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام

۵۔ سورۂ فاتحہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل کثیرہ پر ایک کتاب یادگاری چھوڑی جس کا عنوان یہ منتخب کیا۔

النفحۃ الفائحہ من مسک سورۂ فاتحہ اور

۶۔ ایک بے نظیر ترجمۂ قرآن بنام کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن بھی رقم فرمایا۔ جس کا تکملہ ۱۹۱۱ء کو ہوا۔

یونہی اشاعت حدیث کے لئے متقدمین نے جو کتب ورسائل اور حواشی وشروح تحریر فرمائے تھے۔ ان میں بھی عناوین کا اسلوب وہی تھا جو اشاعت التفسیر کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو !

ابن العربی کی کتاب المسالک فی شرح موطا مالک

علامہ سیوطی کی التوشیح علی جامع الصحیح (شرح بخاری) اور

الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج (شرح مسلم) اور

مرقاۃ الصعود الی سنن ابی داؤد (شرح ابو داؤد)

امام قسطلانی کی منہاج الابتہاج لشرح مسلم بن الحجاج

شیخ سراج کی شرح الزوائد علی الصحیحین و ابی داؤد اور

ما تمس الیہ الحاجہ عن سنن ابن ماجہ

شیخ عبدالحق دہلوی کی لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح اور

اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ وغیرہ

حدیث و اصولِ حدیث کے تحت امام احمد رضا نے جو کتب و رسائل تصنیف فرمائے ہیں ذیل میں ان کے عناوین بھی ملاحظہ کیجئے۔ یہاں بھی آپ کو اسلاف کا رنگ صاف دکھائی دے گا مثلاً

۱۔ علم کے فضائل میں تخریجِ حدیث کے موضوع پر آپ نے جو کچھ لکھا۔ اس کا عنوان یہ تھا۔

النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب

۲۔ تخریجِ حدیث میں عالم دین کو کس کس بات کا لحاظ درکار ہے۔ اس امر کو واضح کرنے کے لئے جو قلم اٹھایا۔ تو یہ عنوان باندھا

الروض البہیج فی آداب التخریج

۳۔ حدیثِ لولاک کا انکار کرنے والوں کے ردّ میں جو رسالہ تحریر فرمایا اس کا نام منتخب فرمایا۔

تلالؤ الافلاک بجلال حدیث لولاک

۴۔ نفاق اعتقادی اور عملی کے فرق کو واضح کرنے کے لئے احادیث کثیرہ پر مشتمل رسالہ تحریر فرمایا۔

انباء الحذاق بمسالک النفاق

۵۔ "وہ کون سے اعمال ہیں جن کے سبب حقوق العباد سے نجات ممکن ہے" کے موضوع پر جو لکھا، وہ یہ تھا۔

اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد

۶۔ فرشتوں کی پیدائش اور موت پر جو رسالہ تحریر فرمایا۔ اس کا نام تجویز فرمایا۔

الھدایت المبارکہ فی خلق الملٰئکہ

۷۔ اور سیدنا امیر معاویہ کے فضائل و مناقب پر جو رسالہ لکھا۔ وہ یہ تھا۔

الاحادیث الراویہ لمدح الامیر المعاویہ

❋

موضوع متذکرہ پر آپ نے اعلیٰحضرت کی کتب اسلاف کی کتب کے ساتھ دیکھیں۔ اور اس

سے بیشتر موضوعِ تفسیر پر بھی چند کتب ملاحظہ کیں. قصہ کوتاہ! آپ جس جس علم و فن کے تحت امام احمد رضا کی کتب دیکھیں گے. ان میں سے بیشتر کا اسلوب وہی دکھائی دے گا جو اسلاف کے ہاں دکھائی دیتا ہے. ۵۵. سے زائد علوم و فنون پر اعلیٰحضرت کی بیسیوں کتابیں دلیل میں پیش کی جا سکتی ہے مگر طوالت کا خوف دامن گیر ہے. وگرنہ ہم ہر علم و فن کے تحت متقدمین کی کتاب اور اس کے بعد کتب اعلیٰحضرت کے عنوانات مختصر تعارف کے ساتھ ضرور دکھاتے. بہرحال یہ امر واقعہ ہے. کہ امام احمد رضا نے اپنے تحریر کردہ اکثر کتب و رسائل کے عنوان میں جو اسلوب اختیار کیا. وہ اسلوب، اسلاف کے ہاں رائج تھا. جسے اس دور کے اکثر مصنفین ترک کرتے جا رہے تھے. (جن میں سے بعض مصنفین کی کتب دلیل کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں. مگر معذور ہوں. کہ پھر وہی خوف مانع ہے یعنی خوف طوالت)

چنانچہ اعلیٰحضرت نے اپنے معاصرین کی جدید روش کو بروقت بھانپ لیا جن کے عنوان جدیدیت کا رنگ لئے ہوئے تھے. اور بہت کم نگارشات و تحریرات ایسی تھیں کہ جن میں اسلاف کے اسلوب کا اتباع کیا گیا تھا. چنانچہ آپ نے ان کا اتباع کر کے اسلامیانِ برصغیر کو ان کے عظیم علمی ورثہ سے مانوس رکھا اور یوں حال کو اس کے شاندار ماضی سے کٹنے نہ دیا.

جامعیت

اسے دوسرے الفاظ میں ہمہ گیری کہتے ہیں. جب ہم کسی کو جامعیت کا حامل قرار دیتے ہیں تو اس کا صاف، واضح اور دو ٹوک معنیٰ یہی ہوتا ہے کہ اس میں تمام مطلوبات سمٹ کر آ گئے ہیں. یہ جامعیت بڑی وسیع الاطلاق شے ہے. درحقیقت یہ جملہ خوبیوں کی جامع ہوتی ہے. اور اعلیٰحضرت کی کتابوں کے اسماء کا ایک وصف یہ بھی ہے.

کسی بھی کتاب کا عنوان درحقیقت اس کتاب کے نفسِ مضمون کا مظہر ہوتا ہے. بلکہ اگر اسے کتاب کا "انتہائی خلاصہ" کہا جائے، تو یقیناً بجا ہوگا. مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے. کہ باوجود اس امر کے کوئی عنوان ہی ایسا ہوگا کہ جس میں کتاب کے تمام مندرجات سمٹ کر آ گئے ہوں. اِلّا ماشاء اللہ! یہی وجہ ہے. کہ ان کتابوں کے عناوین فہرست مضامین کا شدید تقاضہ کرتے ہیں. گویا عنوان مظہر کتاب بننے سے قاصر و عاجز دکھائی دیتا ہے یہی باعث ہے. کہ امام احمد رضا کے معاصرین میں وہ مصنفین کہ جنہوں نے جدید اسلوب کو اپنایا. ان کی کوئی کتاب ایسی نہ تھی. کہ جو محض اپنے نام سے ہی اپنے مندرجات کو ظاہر کر سکتی.

قوله و تمام عرض بلد مطلوب السمت ۱۲

قوله و عرض آن از عرض مکه زیاده بود اقول اما نقص مابین الطولین از نود

پس منظور نزد او ضروری بود زیرا که شرط ظلی ست لکن زیادت عرض بر عرض

حرم کرم ندانم از چه او ضروری ست بلکه بحال مساوات و نقص نیز برهان همین

وجه جاری ست درین هر دو صورت عمود در بلاد شمالیه دائما از سمت الرأس

بلد بسوی شمال افتد و ح ه کمتر از ح ک اعنی از تمام عرض البلد آید چه اگر

ارتفاع مار بسمت الرأس بلدین دائما از منطقه اعتدال بسوی شمال مائل

بود و انحراف شمالی آید هکذا

ه ر عرض البلد ست و ط ک
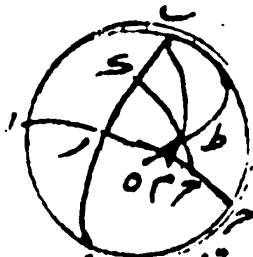
عرض مکه و ب ط ه عمود بر ا ه ح

نصف النهار بلد و ا ط ل دائره ارتفاع و ح ط ک نصف النهار مکه

و ک س مابین الطولین بلکه اگر بلد عدیم العرض بود استخراج سمت باین وجه آسان

تر باشد که هر دو عمل استخراج ط ه و ح ه کم میشود و حاجت باخراج عمود

نبود هکذا ل نصف النهار بلد ب س ا معدل ست و س

سمت الرأس بلد و س ط ل دائرة الارتفاع

و ح قطب شمالی و ط سمت الرأس مکه و

ح ط ک نصف النهار مکه پس زاویه ط ک ر قائمه باشد

با نصف النهار و بحکم ظلی نسبت ظل ط س ک مجهوله

ظل ط ک عرض مکه مکرمه همچو نسبت مرفوع باشد بجیب

ک ر مابین الطولین پس ظل عرض مکه معظمه را بر جیب مابین

الطولین منحط بخشند ظل زاویه س را اعنی قوس ل ب که قوس انحراف ست

کیونکہ ان ناموں میں وہ جامعیت ہی نہ تھی، کہ جو ان کتابوں کی جملہ خوبیوں کی مظہر بنتی یا مندرجاتِ نگارش کا مکمل احاطہ کرتی، مگر اعلیٰحضرت چونکہ اپنے عہد کی جامع العلوم والفنون شخصیت تھے۔ اور ایسی جامع کو جامعیت کا اثر ان کی کتب اور عنوان کتب پر بھی پڑا تھا، چنانچہ ان کے کتب و رسائل کے اکثر عنوان اپنے مشمولات کا آئینہ ہیں۔ یہی وجہ ہے، کہ وہ کہیں فہرست بناتے نظر نہیں آتے۔ اِلّا یہ کہ خال خال ان کی بعض کتابوں میں جو فہرست مضامین پائی جاتی ہے، وہ محض الحاقی اور اضافی ہے۔ آپ ان کی کسی بھی کتاب کا عنوان دیکھ لیجئے۔ عنوان کی جامعیت آپ کو اپنی فہرست سے قطعاً بے نیاز کر دے گی۔ ایسی جامعیت کہیں کہیں دیکھنے میں آتی ہے۔ ذیل میں ہم اعلیٰحضرت کے بعض کتب و رسائل کے عنوان اور ان کا ترجمہ درج کر رہے ہیں جس سے آپ کو موضوع زیرِ بحث کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا اور یہی امر ہمارے دعوے کی بین دلیل بھی ہے۔

۱۔ الحجۃ الفائحہ لطیب التعین والفاتحہ

مہکنے والی حجت، فاتحہ اور دن کی تعیین پر۔

۲۔ منبہ المنیہ لوصول الحبیب الی العرش والرویہ

حضور عرش پر تشریف لے گئے۔ اور دیدار الٰہی سے بے قید جہت و مکان مستفید ہوئے۔

۳۔ بدر الانوار فی آداب الآثار

روشنیوں کا چاند (بزرگوں) کی نشانیوں کے آداب میں۔

۴۔ ابر المقال فی قبلۃ الاجلال

بوسہ تعظیمی کے لئے صحیح ترین قول

۵۔ الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء؟

(الف) حضور کو دافع البلاء (بلاؤں کو دور کرنے والے) کہنے والوں کے لئے امن اور سربلندی ہے

اکمال الطامہ علی شرک سوی بالامور العامہ

(ب) (وہابیوں کے اس) شرک پر بھرپور قیامت ڈھانا جو امورِ عامہ کی طرح (موجود کی ہر قسم پر صادق) ہے۔

۶۔ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین

چاندی کے پتّر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بیان میں)۔

۷۔ جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ

ختم نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کا بدلہ اپنے دشمن کو۔

۸۔ صلوٰۃ الصفا فی نور المصطفیٰ

نور مصطفےٰ کے بیان میں صفائی باطن کے انعامات

۹۔ نفی الفیئ عمن استنار بنورہ کل شیٔ

اس ذات اقدس کے سائے کی نفی، جس کے سائے سے ہر مخلوق منور ہوئی۔

۱۰۔ الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم

کلیوں کا تبسم اس امر پر کہ بنی ہاشم پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔

آپ نے اعلیٰحضرت کی کتابوں اور رسالوں کو دیکھ لیا۔ جو اپنے موضوع کا دائرہ بحث متعین کر کے مندرج مشمولات کو محض اپنے ناموں یعنی عناوین میں سمیٹ کر پیش کرنے میں صد فی صد کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ تو اب یہ کہنے میں کیا تامل رہ جاتا ہے کہ اسمائے کتب کے انتخاب میں جو جامعیت ہمیں اعلیٰحضرت کے ہاں ملتی ہے۔ وہ بہت کم مصنفین کے ہاں پائی جاتی ہے۔

حسنِ صوتیت

کتب اعلیٰحضرت کے عنوانات کا ایک وصف یہ بھی ہے۔ کہ اس میں صوتی حسن پایا جاتا ہے۔ صوتی حسن سے مراد ایسی نغمگی اور ترنم ہے۔ کہ جس کا احساس ناظر و سامع کے قلب و ذہن پر وارد ہو۔ چنانچہ جو دلکشی اور روانی اعلیٰحضرت کے ہاں پائی جاتی ہے۔ وہ بہت کم مصنفین کے حصے میں آئی ہے۔ ان کی تقریباً تمام ہی کتابوں کے عنوان حسن صوتیت کا آئینہ دار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ ان کی کسی کتاب کا عنوان پڑھیں۔ تو محسوس یہ ہوگا۔ کہ آپ کوئی شعر پڑھ رہے ہیں۔ شعر چونکہ ظاہراً لفظوں کے خوب صورت تناسب کا نام ہے۔ اور باطناً معنی کے ابلاغ کا۔ بایں وجہ شعر سن کر یا پڑھ کر جو حالت دل کی ہوتی ہے۔ وہ لفظوں میں کما حقہٗ بیان نہیں ہوسکتی۔

خلافتِ شرعیہ کے لیے قرشی ہونا شرط ہے

دوام العیش

فی الأئمۃ من قریش

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ

تقدیم: پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے پی ایچ ڈی

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے دل میں ؛

مرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بے قرار ہوتا ؛

اور یہ کیفیت اعلیٰحضرت کے عنوان کتب کو دیکھ کر بھی قائم ہوجاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں، کہ اعلیٰحضرت کی کتابوں کے نام ادق اور مشکل دکھائی دیتے ہیں لیکن گستاخی معاف! ان ناموں کی دقت دراصل آپ کی سہل انگاری ہے۔ اور یہی سہل انگاری ان ناموں کے حسن صوتیت کے وقوف میں مانع و حارج ہے، اگر آپ کو امام احمد رضا کی کتابوں کے نام پڑھنے آتے ہیں، (پڑھنے سے مراد صحتِ لفظی و معنوی دونوں مطلوب ہیں) تو یقین کیجئے۔ کہ پھر یہ نہیں ہوسکتا، کہ آپ پر اس کے حسنِ صوتیت کا اجالا بہ آسانی منعکس نہ ہوجائے۔ دلیل میں بعض عنوان ملاحظہ کیجئے! اور دیکھئے۔ کہ ان میں کتنا صوتی حسن موجود ہے۔ ہم وزن اور ہم قافیہ الفاظ یقیناً کسی شاعر کا حسین تخیل معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن

۲۔ الھدایۃ المبارکہ فی خلق الملٰیکہ

۳۔ بوارق المینار لشموع المزار

۴۔ تمہید ایمان بآیاتِ قرآن

۵۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش

۶۔ الروض البھیج فی آداب التخریج

۷۔ انباء الخداق بمسلک النفاق

۸۔ الھاد الکاف فی حکم الضعاف

۹۔ السوء والعقاب علیٰ المسیح الکذاب

۱۰۔ بذل الصفا لعبد المصطفیٰ

۱۱۔ معدل الزال فی اثبات الھلال

۱۲۔ الحلاوۃ والطلاوۃ فی کلمہ توجب والتلاوۃ

۱۳۔ برکات الامداد لاھل الاستمداد

۱۴۔ لمعتہ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ

۱۵۔ تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلوٰۃ والصیام

۱۶۔ الھادی الحاجب عن جنازۃ الغائب

۱۷۔ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ لرضویہ (اور اسی قبیل کی بیسیوں دیگر کتب)

آخر میں احوالِ واقعی کے بطور عرض ہے کہ پیشِ نظر مضمون میں جن عناوین کے تحت جائزہ لینا مقصود تھا ان میں اسلوبیت[۱]، جامعیت[۲] اور حسن صوتیت[۳] کے ساتھ ساتھ معنویت[۴]، مقصدیت[۵]، عربیت[۶]، حسن ادبیت[۷]، کاملیت[۸] اور تاریخیت[۹] جیسے عنوانات بھی شامل تھے مگر ہنگامی مصروفیات کے باعث بقیہ عنوانات پر ہنوز کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ یار زندہ صحبت باقی!

علامہ حافظ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی
(سربراہ اسلامک انیئر برائے برطانیہ اور ماریشس)

سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کے مشہور شیخ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی کے وصال پر ملال پر ہند و پاک کے مذہبی حلقہ میں ہنوز صف ماتم بچھی ہوئی ہے۔ حضرت موصوف کی سیرت سے متعلق یہ چند سطور ہدیۂ ناظرین ہیں۔

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری موضع کلاسوالا ضلع سیالکوٹ پنجاب متحدہ ہندوستان ۱۸۷۹ء/۱۲۹۷ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کا سال ولادت "یا غفور" (۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) سے برآمد ہوتا ہے۔ آپ کے والد کا نام عبدالعظیم تھا۔ جد امجد سنی صحیح العقیدہ قادری بزرگ تھے۔ اس گھرانے کے جد اعلیٰ کا نام قطب الدین قادری تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر تک پہنچتا ہے اس لئے آپ کا خاندان رحمانی کہلاتا ہے۔ آپ کا عہد طفلی تیرھویں صدی ہجری کا اختتام تھا۔ آپ کی ذات الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا مظہر تھی۔ جب کبھی لوگوں کے استفسار پر اپنے والد کا نام بادل نخواستہ لیتے تو فرما دیتے کہ میرے والد بدعقیدہ تھے اور بظاہر والد کی بدعقیدگی ان کے ترک ہندوستان اور بغداد و مدینہ کی ہجرت کا سبب بنی۔

چودھویں صدی کا ہندوستان برطانوی ہندوستان تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں خانقاہوں، مدارس اور مساجد کی تباہی کے بعد ہندوستان میں تعلیم و تربیت اور صحت و خدمت کے نام پر مشنری ادارے، شفاخانے اور کالج جگہ جگہ قائم کئے جا رہے تھے۔ اسلامی فکر و نظر کو مسیحی سانچوں میں ڈھالا جا رہا تھا۔ اور چودھویں صدی کا ہندوستان برطانوی اقتدار کے سایہ میں پروان چڑھ رہا

تھا۔ دین و مذہب کے نام پر وہابی، نیچری، مرزائی جیسے فتنے انگریز کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ ٹھیک اسی زمانے میں علمائے عاملین اپنے مواعظ حسنہ اور پرجوش تبلیغ سے جہاد باللسانی فرما رہے تھے۔ انھیں ستودہ صفات علماء میں حضرت مولانا عبدالقادر بھیروی بھی تھے جو بیگم شاہی مسجد لاہور میں احیاء سنن و ابطال باطل کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ صاحب تذکرہ مولانا ضیاء الدین احمد نے درس نظامیہ کا آغاز اسی بیگم شاہی مسجد لاہور میں کیا اور حضرت بھیروی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ یہ مولانا کے علم و آگہی کی پہلی منزل تھی اور درس نظامیہ کا شاندار آغاز تھا مگر ذرہ ابھی دو اطلب تھا اور قطرہ قطرہ تشنہ و سمندر ذوق و شوق جادہ منزل ہوا۔ آپ نے پیلی بھیت (یوپی) کی راہ لی۔ آپ کا جذبہ قال اللہ آپ کو قال رسول کی منزل تک لے آیا۔ دورۂ حدیث شریف کے شب و روز میسر آئے تھے۔ محدث شہرہ آفاق، محدث سورتی کی خدمت میں آپ نے حدیث کی تکمیل کی۔ یہاں آپ کا قیام دو سال رہا۔

مکتب کی کرامت نے اپنا رنگ دکھایا۔ فکر و نظر کو شعور کا کمال میسر آیا۔ اب ضرورت تھی فیضان نظر کی قدرت نے دستگیری کی۔ دل کی راہ بن گئی ہر جمعرات کو مولانا پیلی بھیت سے بریلی شریف حاضر ہوتے اور اک صاحب فکر و نظر اس صدی کے مجدد مولانا شاہ احمد رضا خاں کی خدمت میں رہتے۔ نماز جمعہ انھی کی اقتداء میں ادا کرتے۔ یہ تھی اک صاحبِ فیضان کی بارگاہ میں مولانا کی حاضری۔ دل و نظر کی تربیت کے یادگار ایام اور حضرت دستگیر غوث الاعظم کی محبت نے دستگیری فرمائی۔ آپ نے ۱۹۰۰ء/ ۱۳۱۸ھ میں ہمیشہ کے لئے پنجاب کو چھوڑ دیا اور عشق و محبت کی آخری تربیت گاہ فیضان و عرفان کی دلکش منزل بغداد مقدس روانہ ہو گئے حضرت مولانا جوار غوث الاعظم میں پہنچ کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ "ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما" آپ کا مقدر بنا۔ آپ بغداد شریف میں نو سال ۶ ماہ مقیم رہے۔ آپ کے یہ ماہ و سال جذب و مستی میں گزرے استغراق کا اس حد تک غلبہ رہا کہ جنون کے آثار پیدا ہو گئے۔ ایں ہمہ آپ سکر و محو کی منزلوں میں جاناں جاناں کے حضور محو جانانی رہے تا آنکہ مرید نے مراد کی راہ پالی اور خود آگاہ خود، خود آگاہ ہو گیا۔

انھی مبارک ایام میں ایک عارف کامل حضرت سید حسین الحسنی الکروی نے آپ کے حال پر کرم فرمایا۔ آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آپ کو جذب و مستی کے عالم سے نکال کر عرفان کی منزل تک

پہنچا دیا۔ حضرت کردی آپ کو اپنے ساتھ بستی چرچہ قلعہ کردستان لے آئے۔ یہاں آپ نے سید حسین کی خدمت میں ڈیڑھ سال قیام کیا۔ جذبۂ عشق رسول بیدار تھا اور وصال محبوب آپ کا مقدر آپ نے روضۂ رسول پر حاضری کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت حسین الحسنی الکردی نے سامان سفر تیار کیا اور اپنی دعاؤں اور نصیحتوں کے ساتھ اس عاشق رسول کو مدینۃ الرسول کے لئے رخصت کیا۔ اس طرح آپ کا جذبہ در جاں سے جان جاناں اور منزل سے حال منزل تک لے آیا۔

آپ بغداد سے براستہ دمشق بذریعہ ریل ۱۹۱۵ء/۱۳۲۷ھ میں مدینہ طیبہ پہنچ کر مقیم ہو گئے۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اہل دل اور ان کی رفاقت میسر آئی۔ انھی ایام میں آپ نے حافظ الحدیث سید احمد شمس المدنی سے بیضاوی شریف پڑھی۔ خود ارشاد فرمایا کہ حرمین میں، میں جس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ آپ کے کمال سادگی سے متاثر ہوتا۔ آپ کو سلاسل طریقت و فضیلت میں خلافت و اجازت سے نوازتا۔ یہ تھا آپ کا دور استفادہ جو بلکہ شرط قابلیت "داست" کے بالکل مطابق تھا۔ حضرت سیدی عبدالرحمٰن سراج مکی مفتی اعظم حنفیہ سے بھی آپ کو اجازت حاصل تھی۔ حضرت علی حسین اشرفی میاں جیلانی کچھوچھوی نے بھی آپ کو خلافت و اجازت سے مدینۃ الرسول میں نوازا تھا۔

آپ جس عہد میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے وہ حکومت ترکیہ کا عہد تھا۔ ہر طرف برکت کے آثار ظاہر تھے۔ اسلامی تقاریب بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھیں۔ اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام کی صدائیں بلند ہوتیں۔ عام و خاص رسول مدنی تاجدار کی محبت میں مست و سرشار نظر آتے۔ ہر سال شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد مزار پر سبز غلاف چڑھایا جاتا اور اس غلاف کی تیاری میں مدینہ کی سادات شاہزادیوں کی خدمات حاصل کی جاتیں اور ان کو اس خدمت کا نذرانہ ترک حکومت کی جانب سے پیش کیا جاتا۔ اس طرح سادات اکرام کی گزر اوقات کے لئے روزینہ فراہم کیا جاتا۔ حضرت مولانا موصوف مدینۃ الرسول کے ان شب و روز کو بڑی حسرت سے یاد فرماتے اور آبدیدہ ہوتے۔ یہ زمان برکت نشان ۱۹۱۴ء/۱۳۳۴ھ تک رہا تا آنکہ نجدیوں نے خروج کیا اور سعودیوں کی حکومت ۱۹۲۵ء/۱۳۴۴ھ میں برسر اقتدار آئی اور عہد ماضی کا یہ آفتاب اپنے نصف النہار پر پہنچ کر غروب ہو گیا۔

یہ مسلم ہے کہ جو فنا فی الرسول ہوتا ہے وہ فنا فی الشیخ بھی ہوتا ہے۔ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد

اپنے شیخ کامل امام احمد رضا کے ہاتھ ۱۳۳۴ھ میں اپنے زمانۂ قیام پیلی بھیت میں بک چکے تھے۔ ہاں بیعت اصلاحی کی تکمیل ابھی باقی تھی۔ مولانا نے ایک خواب دیکھا۔ قلب صافی نے یہ تعبیر دی کہ امام البریلوی کی زندگی کا یہ آخری سال ہے۔ اللہ اللہ جس ذات ولی صفات نے ۱۳۲۷ھ سے ۱۳۳۹ھ تک مدینہ سے سوائے حج کے باہر نکلنا گوارہ نہ تھا اب اس نے اپنے شیخ کامل کی آخری ملاقات کے لئے بریلی شریف کے سفر وسیلہ ظفر کا قصد کر لیا۔ یہاں ۱۹۲۰ء/۱۳۳۹ھ میں پہنچ کر اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان کی بارگاہ میں ۶۲ روز حاضر رہے۔ بیعت و خلافت سے نوازے گئے۔ وہاں آپ کو شریعت و طریقت کا اک ساحل بیکراں نظر آیا۔ حضرت امام البریلوی کے شب و روز بھی دیکھے عبادت ریاضت، تصنیف و تالیف کے محیر العقول مناظر بھی نظر آئے۔ احمد رضا کے پیکر میں اک کرامتِ مجسم اور استقامت مسلّم تھا جو از عجم تا عرب اپنے فیضان کے دریا بہا رہا تھا۔

حج کے ایام قریب تھے۔ حضرت مرشد بریلوی نے اپنے مدنی خلیفہ کو دعاؤں کے ساتھ حجاز مقدس واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ابھی یہ مدینہ کا مسافر حج کے بعد مدینہ پہنچا تھا کہ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ میں بریلوی شریف سے ٹیلیگرام آیا کہ اعلحضرت بریلوی وصال فرما گئے۔

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی نے وصال کی امید لئے اپنی پوری زندگی مدینہ کی مجاورت میں گزار دی اور دوری گوارہ نہ کی۔ مریدین خلفاء، احباب و اعزہ عرب و عجم میں تشریف آوری کی دعوت دیتے۔ اور آپ یہ فرماتے کہ میرا آخری وقت ہے۔ میں مدینہ سے باہر جانا نہیں چاہتا کہیں موت نہ آجائے۔ آپ کا مدینہ منورہ میں ۱۳۲۷ھ سے ۱۴۰۱ھ تک تادم واپسی ۷۴ سال تک قیام رہا۔

سادگی آپ کا شعار تھی۔ آپ کی صورت خدا یاد اور سیرت، سیرت رسول کا مظہر تھی۔ سنت رسول کی اتباع میں بکریاں بھی پالیں۔ اس کے دودھ سے مہمانان رسول کی ضیافت فرماتے۔ حجاج و زائرین کا ٹھکانا آپ کا گھر تھا۔ آپ کی ذات قادری رضوی جلوہ گاہ تھی۔ آپ کا دولت کدہ قادری خانقاہ تھا۔ آپ خود شہرۂ آفاق قادری شیخ تھے، عرب و عجم میں آپ کے مریدین اور خلفاء کی تعداد ہزاروں ہے۔ آپ کا اصل مشغلہ حب رسول کی دولت جمیل نعمت رسول تھا۔ آپ کی ہر مجلس، مجلس نعت ہوتی اور ہر محفل یاد خدا و ذکر رسول سے آباد ہوتی۔ آپ کی بارگاہ میں عرب و عجم کے ہر علاقہ کے لوگ آتے۔ مجلس نعت میں شریک ہوتے۔ ہندی، حجازی، ترکی، شامی، مصری، ایرانی، سوڈانی، کردی سب اپنی اپنی زبان

میں نعت رسولؐ پڑھتے۔ تو ایسا معلوم ہوتا کہ سارا عالم نعت خواں ہے اور آپ کی حبِ رسول کی دنیائے جمیل صرف نعت سے آباد ہے۔ آپ سب سے دوزانو نعت سنتے، اشکبار ہوتے۔ مرحبا مرحبا فرماتے۔ سبحان اللہ صلی علیٰ کی گونج میں روتے۔ اپنے شیخ کامل امام البریلوی کے مجموعہ نعت حدائق بخشش سے خصوصاً ۱۰۱ نعت شریف سنتے۔ "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلامؑ کی گونج میں آپ کا قادری دولت کدہ حدائق بخشش معلوم ہوتا۔ اٹھتے بیٹھتے اسی کے اشعار آپ کی زبان پر اور اپنی خلوت وجلوت بارگاہ رسول میں حاضری، احباب کی ملاقات اور خلوص ومحبت کے اظہار کے وقت اپنے شیخ کامل امام احمد رضا خان قادری کے اشعار سے کام لیتے۔ مختصر یہ کہ آپ کی خلوت وجلوت کا آغاز وانجام نعت رسول پر ہوتا۔ اختتام پر عام لنگر تقسیم ہوتا۔ مہمانان رسول آپ کے مہمان ہوتے۔ صبح کا ناشتہ ہو یا دوپہر کا کھانا ہر آنیوالے کو اصراراً شریک فرماتے۔ رات کی مجلس میں نعت کا عالم ہی کچھ اور رہتا۔ پھر صلوٰۃ وسلام اور دعا کے بعد تقسیم لنگر دربار خیالی کا بڑا دلنواز منظر تھا جو روزانہ دیکھنے میں آتا۔ کیف وسرور کی مجلس میں شرکت کرنے والے "ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس" دلوں میں لے کر رخصت ہوتے۔ آپ مصنف نہیں تھے مگر مصنفین آپ کے حضور اپنا تصنیفی مواد حاصل کرتے آپ کی خدمت میں اہل قال آتے اور مست حال ہو کر جاتے اور دونوں بقدر ظرف اپنا اپنا حصہ پاتے۔ عام وخاص آپ کو سیدی کہہ کر مخاطب کرتے۔ علمائے مدینہ آپ کا بڑا احترام کرتے۔ آپ سے ملنے وہ خود آتے اور آپ کو شیخ العلماء کہہ کر یاد کرتے۔ حضرت مبلغ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی مدنی سے رشتہ مودت واخوت تادم واپسیں تک رہا۔ حضرت صدیقی کے ایام علالت ورحلت میں آپ ان کے پاس ہی رہے اور اپنے فرزند گرامی مولانا فضل الرحمٰن قادری مدنی کو ان کی خدمت کے لئے مامور فرمایا۔ مولانا علی حسین البکری المدنی آپ کے محب مخلص اور قدرداں تھے۔

آپ کی صحبت میں غرباء فقراء کو دیکھ کر سلف صالحین کی یاد تازہ ہوتی۔ تواضع اور انکسار تو آپ کا مزاج تھا۔ آپ کی خدمت میں جو بھی آتا حسب مراتب اس کی پذیرائی فرماتے۔ آپ کا دروازہ وا اور دسترخوان عام ہوتا۔

مریدین مخلص کی اصلاح ہر وقت پیش نظر ہوتی۔ نماز پنجگانہ کی تاکید فرماتے۔ طہارت قلب نظر کی تلقین کرتے۔ عقائد واعمال کی تصحیح پر زور دیتے۔ مخلص علماء اہل محبت کی قدر کرتے۔ افتراق و

انتشار سے ہمیشہ الگ رہنے کی تاکید فرماتے۔ ہر شخص کو اس کے فرائض کی انجام دہی کی ہدایت کرتے۔ صبر و شکر کے کلمات ہمیشہ آپ کی زبان پر ہوتے۔ آپ مدینۃ الرسول میں حضرت حسان کے نقش قدم پر امام بوصیری کی راہ پر گامزن اور حضرت جامی کا سرور، مست و سرشار اور اپنے شیخ کامل امام احمد رضا خان بریلوی کے مسلک کی یادگار رہے۔ طریقت کا ہر خانوادہ آپ سے مانوس تھا۔ آپ مذہب حق اہل سنت و الجماعت کے علم العلماء شیخ المشائخ تھے۔ آپ نے اتباع سنت میں متاہلانہ زندگی بسر فرمائی۔ عبادت و ریاضت، سکر و محو کی منزلوں سے گزر کر ۴۵ سال کی عمر میں پہلا نکاح کیا۔ پھر پہلی اہلیہ محترمہ کی مفارقت کے بعد دوسرا نکاح بھی مدینہ ہی میں کیا۔ آپ کی باقیات صالحات میں آپ کے جانشین برحق مولانا فضل الرحمٰن قادری مدنی اور ایک صاحبزادی ہیں۔ آپ ہی کی پوتی حضرت قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی کی شریک حیات ہیں۔ مذکورہ الصدر بزرگوں کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے بھی آپ کے تعلقات دیرینہ تھے۔ حضرت محدث علی پوری، پیر سید جماعت علیشاہ کا تو مدینہ منورہ میں قیام ہی آپ کے ہاں ہوتا۔ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خان نوری بریلوی کی قدم بوسی اور دست بوسی میں سبقت فرماتے۔ ایک بار حج کا ارادہ صرف اس لئے فرمایا کہ مرشد زادے حضرت مفتی اعظم ہند کے زیر سایہ عرفات میں قیام اور دعاؤں میں شمولیت میسر آئے۔ مدینہ میں حضرت موصوف کے پاس ایک شخص مرید ہونے آیا تو آپ نے اس کو تنبیہہ فرمائی اور کہا کہ شہنشاہ کی موجودگی میں مجھ سے طالب ہو رہا ہے پھر وہیں اپنے مرشد زادے سے اسکو بیعت کرایا۔ حضرت حافظ ملت حافظ عبدالعزیز محدث مبارکپوری، مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن، حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی قدس سرہ العزیز اور علامہ سید احمد کاظمی وغیرہم و علماء اہل سنت و مشائخ طریقت آپ کی خدمت میں ضرور آتے اور آپ سب کی پذیرائی فرماتے۔ آپ کا آستانہ ہر دور میں ایک بین الاقوامی پلیٹ فارم رہا جہاں عرب و عجم کے علماء عوام ایک دوسرے سے ملتے۔ قومی و ملی مسائل پر تبادلۂ خیالات کرتے اور دین و ملت کے پیغام کو لے کر آپ کی دعاؤں کے ساتھ لوگ اپنے اپنے علاقہ میں نئے جوش، نئی امنگوں کے ساتھ درس و تدریس، وعظ تلقین اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں مشغول ہو جاتے۔ یہ تھا حضرت شیخ مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی کا عالمی فیضان اور یہ تھے مدینۃ الرسول میں ایک عاشق رسول کے ایمان آفرین صبح و شام۔

محمد مرید احمد چشتی
(استاذ گورنمنٹ اسکول پنڈ دادن خان)

مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ اعلیٰ حضرت

حضرت مولانا حامد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ربیع الاول شریف ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں محلہ سوداگراں بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ عالم فاضل، مفتی کامل، مصنف، مناظر اور شیخ طریقت تھے۔ تمام درسیات معقول ومنقول، تفسیر وحدیث، فقہ واصول جملہ علوم وفنون حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے حاصل کیے۔ درس وتدریس کے وقت کے حواشی کتب درسیات، خیالی، توضیح، تلویح، ہدایہ آخرین، تفسیر بیضاوی وصحیح بخاری پر موجود ہیں۔ درس کے وقت بعض سوالات خود حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو ایسے پسند آتے کہ قال الولد الاعز لکھ کر سوال اور اپنا جواب قلمبند فرما دیتے۔ حرمین شریفین میں بھی حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ہمرکابی کا شرف حاصل رہا۔ مشائخ حرمین طیبین سے مکالمات عربی زبان میں فرماتے اور وہابیہ سے مناظرات مسائل دینیہ میں بے حد کامیاب رہتے۔ تصدیقات حسام الحرمین اور الدولۃ المکیۃ میں بڑا حصہ لیا۔ وہ تمام خدمات دینی کو جو حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مواجہہ میں حرمین شریفین میں سرانجام دیں، ان کو حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے بے حد سراہا۔ مدینہ طیبہ کے جید عالم جناب مولانا عبد القادر طرابلسی شامی سے جو مکالمہ ہوا، اس کا ملفوظات شریفہ میں خود تذکرہ فرمایا۔ مکہ معظمہ میں شیخ العلماء محمد سعید بابصیل اور مدینہ طیبہ میں حضرت مولانا سید احمد برزنجی کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ اکابر علماء ومشائخ نے سندیں عطا فرمائیں۔ حضرت مولانا خلیل خربوطی نے سند فقہ حنفی عطا فرمائی جو علامہ سید طحطاوی سے

اُنھیں صرف دو واسطوں سے حاصل تھی۔ یہ تمام سندات حضرت کے پاس محفوظ تھیں حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کو خود حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے سندات عطا فرمائیں۔ دار العلوم منظر اسلام اہل سنت و جماعت بریلی شریف کے درجۂ اعلیٰ میں شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کی جگہ کام کیا۔

حضرت مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفۂ امام احمد رضا بریلوی) حاضر آستانہ ہوئے اور اُنھوں نے اپنے ایک رسالہ کی جو انھوں نے علم غیب میں لکھا تھا حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تقریظ لکھنے کی فرمائش کی حضرت نے فی البدیہہ قلم برداشتہ اُن کے سامنے عربی زبان میں ایک وسیع تقریظ فرمادی حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے زمانہ میں یہ رسالہ مع تقریظ چھپ گیا تھا۔

رسالۂ مبارکہ الدولۃ المکیۃ اور کفیل الفقیہ الفاہم جو حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے سفر حجاز مقدس میں سوالات مشائخ حرمین شریفین پر تحریر فرمائے ان کی طباعت کے وقت حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے ارشاد فرمایا کہ کاپیاں ہو چکیں، تمہید کے لیے جگہ باقی ہے۔ کاپی نویس کو مضمون جلد دینا ہے۔ اس کی تمہید فوراً لکھ دی جائے کہ جگہ خالی نہ رہے۔ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اُسی وقت آپ کے ارشاد کے موافق تمہید لکھ کر حاضر کردی، جسے حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے پسند فرمایا اور ستائش فرمائی اور رسالہ مبارکہ میں اُس کے اندراج کا اذن فرمایا۔ یونہی کفل الفقیہ الفاہم کی تمہید بھی حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فی البدیہہ تحریر فرمائی اور حضرت بریلوی کی بارگاہ سے اُس نے شرف قبول پایا اور درج رسالہ ہوئی۔ ان تمہیدوں کے تراجم خود حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائے۔ یہ تمہیدیں فن ادبیت کا ایک بے مثل نمونہ اور عربیت کا ایک نادر نمونہ اور شاہکار ہیں۔

فن تاریخ گوئی میں بھی حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو کمال حاصل ہے۔ برجستہ مادۂ تاریخ نکالنا یہ اس زمانہ میں حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات سے ہے بکثرت تاریخ کے مادوں سے چند وہ مادے جو حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ فرمائے،

یہ ہیں:-

مسجد جنکشن بریلی جب بن کر تیار ہوئی اور اس کی تاریخ کے لیے بعض احباب کی آپ سے فرمائش ہوئی تو برجستہ آپ نے عربی میں جو قطعۂ تاریخ فرمایا وہ یہ ہے۔

انما یعمر المساجد من ؛ آمن باللہ والاخریٰ

من بناہ نبی لہ اللہ ؛ بیت دار بجنۃ الماویٰ

شکر اللہ سعی قیمہ ؛ عمر حامد رضا شفیق ورضا

بخ لعمری بناؤہ ما اشمخ ؛ ارخ اسہ فایہ بکل رضا

قلت سبحٰن ربی الاعلیٰ ؛ مسجد اسس علی تقویٰ

۸۵۴   ۴۷۴

حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے وصال شریف پر جو تاریخیں فرمائیں، وہ یہ ہیں۔

تواریخ الوفاۃ۔ ۱۳۴۰ھ۔

نور اللہ ضریحہ ۱۳۴۰ھ۔ شیخ الاسلام والمسلمین۔ ۱۳۴۰ھ

امام ہداۃ السنۃ الحاج احمد رضا۔ ۱۳۴۰ھ

الحاد البریلوی القادری البرکاتی ۱۳۴۰ھ

رضی اللہ الحور عنہ۔ ۱۳۴۰ھ۔ راح شیخ الکل فی کل ۱۳۴۰ھ

مولوی معنوی قرآن زبانت مادری۔ ۱۳۴۰ھ

ہم اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری ۱۳۴۰ھ

حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام علمی کارنامے حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر آشکار تھے۔ بڑے جلسوں میں خود حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی موجودگی میں فرماتے، جسے حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ بہت پسند فرماتے۔

حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے باوصف ان تمام باتوں کے اپنی جانشینی

کے لیے اپنے مخلصین علمائے دین و عمائد سے اشارہ کیا پھر استخارہ فرمایا اور جب رویائے صادقہ میں بشارت ہُوئی تو اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا اور اس جانشینی کو فرمایا کہ اہل دُنیا کی سی نہیں، قیصر و کسریٰ کی روش پر نہیں بلکہ سنّت حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طور پر بہ اجازت حضرت نور العارفین سیّدنا ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ کے حکم سے عطا فرمائی۔ سبحان اللہ یہ خلافت اجازت بعد استخارہ و اشارات و بشارت ہوئی۔ اس کا کیا کہنا، حضرت حجۃ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کو جمیع سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ سہروردیہ وغیرہ جس قدر کی حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو اجازت ہے۔ سب کی اجازت فرمائی اور اور تمام علوم و فنون، اذکار و اشغال اور اوراد و اعمال سب کا مجاز ماذون کیا اور اپنے سجادہ عالیہ پر متمکن کردیا اور اپنے جملہ اوقاف کا متولّی اور اپنا ولی عہد بنایا۔ ظاہر و باطن کے تمام فیوض و برکات عطا فرمائے۔

حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے وقتِ وصال وصیّت فرمائی کہ حامد رضا خان میرے جنازے کی نماز پڑھائیں۔ میرے مزار پر سات بار اذان دیں۔ وصال شریف سے ایک جمعہ قبل جو لوگ داخل سلسلہ ہونے کو حاضر ہوئے اُنھیں ان الفاظ میں حضرت حجۃ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کی ہدایت فرمائی کہ ان کی بیعت میری بیعت ہے، اُن کا ہاتھ میرا ہاتھ، اُن کا مُرید میرا مُرید، ان سے بیعت کرو۔ الاستمداد میں فہرست خلفائے کرام اعلیٰ حضرت قدس سرہ میں خود حضرت حجۃ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے شروع فرمائی اور جن پیارے پیارے الفاظ میں حضرت حجۃ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کو نوازا۔ ان میں کوئی سہیم و شریک نہیں۔ وہ ارشادِ گرامی یہ ہے ؎

حامد منّی انا من حامد :۔ حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں۔
یعنی حامد مجھ سے اور میں حامد سے ہُوں۔

حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ اور آپ کے اسمائے گرامی میں اتحاد جُملی ہے اور اس بنا پر ایک مرتبہ خود اپنا تعویذ اُن کے گلے میں ڈال دیا۔ ایک وقف نامہ کی رجسٹری میں حضرت حجۃ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کو متولّی فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا کہ مولوی حامد رضا خان

پسر کلاں کو جو لائق، ہوشیار اور دیانت دار ہیں، متولی کر کے قابض و دخیل بحیثیت تولیت کاملہ کردیا۔[1]

حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ تفسیر بیضاوی شریف کے درس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ عربی، فارسی، اردو نظم و نثر دونوں ادب میں کمال حاصل تھا۔ مجلسی گفتگو میں فصاحت و بلاغت سے اہل مجلس کے ذوق کا سامان تھے۔

۱۳۴۲ھ میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کی اور وہاں کے معروف عربی دان حضرت شیخ سید حسین دباغ (وزیر دفاع) اور سید محمد مالکی ترکی نے آپ کی قابلیت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا۔

"ہم نے ہندوستان کے اکناف و اطراف میں حجۃ الاسلام جیسا فصیح و بلیغ دوسرا نہیں دیکھا، جسے عربی زبان میں اتنا عبور ہو۔"

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور وسیع اخلاق کے مالک تھے۔ تمام لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آتے، بالخصوص علوم اسلامیہ کے طلبہ حاجت مندوں اور فقراء پر بہت شفقت فرماتے۔ اپنے خدام اور عقیدت مندوں کو بہت نوازتے۔ مقتضائے حال کے مطابق کبھی جلال بھی فرماتے مگر جمال غالب رہتا۔ دین کی خدمت کا کوئی منصوبہ دیکھتے تو بہت خوش ہوتے، اگر کوئی بیماری، مشکل یا مصیبت پیش آتی تو نہایت ہی صبر و تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کرتے حتیٰ کہ بعض اوقات آپ کے معالج بھی آپ کے سکون و اطمینان کو دیکھ کر دم بخود رہ جاتے۔

آپ کے جسم اقدس پر ایک پھوڑا تھا، جس کا آپریشن ناگزیر تھا۔ عام دستور کے مطابق آپریشن کے لیے بے ہوشی کا ٹیکہ لگایا جاتا ہے تاکہ مریض تکلیف محسوس نہ کرے لیکن آپ نے ڈاکٹروں پر واضح کر دیا کہ میں جس خانوادے سے تعلق رکھتا ہوں، وہ عامۃ المسلمین کے لیے

---

[1] سند سجادگی مطبوعہ بریلی الیکٹرک پریس، بریلی شریف مرتبہ عنایت محمد خان غوری فیروزپوری رحمۃ اللہ علیہ (یہ سند عالی حضرت مولانا مفتی تقدس علی خان قادری بریلوی مدظلہ نے عطا فرمائی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء)

مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا ہیں نشے والا ٹیکہ نہیں لگواؤں گا، چنانچہ دو گھنٹے مسلسل آپریشن کے دوران آپ گفتگو فرماتے رہے اور صرف ایک مرتبہ، درد کی شدّت محسوس ہوئی لیکن اس موقع پر بھی کوئی آہ وزاری نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ذریعے شدّتِ درد کو برداشت کرنے کی راہ اختیار کی۔ آپ کی اس استقامت اور تقویٰ کو دیکھ کر ڈاکٹر بھی ششدر رہ گئے۔

زہد و ورع اور اتباعِ سُنت کا یہ عالم تھا کہ شب برات آتی تو ظہر سے لے کر شام تک سب سے معافی مانگتے، حتیٰ کہ اپنے چھوٹے بچوں کو بھی فرماتے، اگر میری طرف سے کوئی بات ہوگئی ہو تو مجھے معاف کردو۔ آپ کے اخلاق سے بڑے بڑے علماء ومشائخ بھی متاثر ہوتے اور آپ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے۔

دیوبندی، بریلوی اختلافات نے آج جس طرح فضا کو مکدّر کر رکھا ہے، اس سے کوئی بھی ذی شعور ناواقف نہیں، دین و مذہب کا درد رکھنے والے ہر شخص کی یہ دلی خواہش ہے کہ اختلافات کی یہ فضا ختم ہو اور شیرازۂ ملت مجتمع ہو کر کفر کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جائے۔ اس نیک مقصد کے پیشِ نظر بعض علماء نے ۱۳۵۲ھ میں یہ کوشش کی کہ دونوں طرف کے جیّد علماء کی باہم گفتگو کے ذریعے اختلاف کے خاتمے کی کوئی سبیل نکالی جائے۔ چنانچہ اس گفتگو کے لیے علمائے دیوبند کی طرف سے مولوی اشرف علی تھانوی اور بریلوی مکتبِ فکر کی جانب سے مولانا حامد رضا خاں بریلوی کا انتخاب ہُوا اور ۱۵، شوال المکرم ۱۳۵۲ھ کا دن گفتگو کے لیے متعیّن ہُوا چنانچہ حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی، بریلی سے لاہور تشریف لائے لیکن مولوی اشرف علی تھانوی نہ پہنچے۔ کاش! اس وقت اختلاف و نزاع کے خاتمے کی کوئی صُورت ہو جاتی تو آج نقشہ کچھ اور ہوتا۔

آپ نے اسلام اور مسلک حقہ اہلِ سُنت و جماعت کی ترویج و اشاعت کے لیے برّصغیر کے مختلف شہروں کے دورے فرمائے۔ ایک ایسے ہی مبارک دورے کا چشمِ دید حال بیان کرتے ہوئے حضرت قاری محمد مصلح الدّین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"۱۹۳۴ء میں جب مَیں دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور اعظم گڑھ میں زیرِ تعلیم تھا تو حجۃ الاسلام حضرت الشیخ مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مبارک پور تشریف لائے تھے۔ اُن کے ہمراہ چھوٹے فرزند حضرت نعمانی میاں مرحوم بھی تھے۔ دارالعلوم کے طلبہ اور معززین قصبہ اُن کے استقبال کے لیے جلوس کی شکل میں قصبے سے دو میل باہر گئے اور چند حضرات اسٹیشن جہانا گنج روڈ گئے۔ شیخ کی سواری راہ پر پہنچی تو فلک شگاف نعروں سے استقبال کیا گیا۔ اس وقت پہلی بار حضرت حجتہ الاسلام علیہ الرحمہ کی زیارت کا شرف اس فقیر کو حاصل ہُوا۔ ان کا حسن و جمال، عمامہ کی بندش، داڑھی کی وضع قطع اور پاکیزہ صاف ستھرا لباس اور بزرگی دلوں کو مسخر کر رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ قدرتِ الٰہی کا بہترین شاہکار اور حسین مرقع ہیں۔ آنکھیں فرطِ عقیدت سے بچھی جا رہی تھیں اور لوگ اُنکی طرف کھنچے جا رہے تھے اور نعروں کا سلسلہ تھا کہ ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں جن چند حسین و جمیل بزرگوں کی زیارت کی ہے، ان میں حضرت حجتہ الاسلام بھی ہیں۔ استادِ مکرم حضرت حافظِ ملّت مولانا عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے مجھے ایک استقبالیہ نظم کہہ کر دی تھی، جب مجمع کا جوش و خروش تھا تو میں نے وہ استقبالیہ نظم شروع کی، جس کا پہلا شعر یہ تھا ؎

مرحبا اھلاً و سہلاً مرحبا

مرحبا جوداً و فضلاً مرحبا

یہ نظم گیارہ اشعار پر مشتمل تھی اور حضرت حجتہ الاسلام کے محاسن اور اُن کی تشریف آوری پر ہدیہ "تشکر" وغیرہ پر مبنی تھی۔ پھر یہ جلوس اپنے حسین و جمیل دُلہا کو لے کر قصبے کی طرف چلا۔ راہ میں ہزاروں افراد جلوس میں شریک ہوتے گئے اور اس حسین نظارے سے متاثر ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ جلوس دارالعلوم اشرفیہ کے پھاٹک پر ختم ہُوا اور حضرت کو شیخ الحدیث کے کمرے میں بٹھایا گیا۔ یہ فقیر بھی اساتذہ کے ساتھ اُس کمرے میں بیٹھا تھا کہ حضرت نے گفتگو کا سلسلہ شروع فرمایا۔ سب کے سب ہمہ تن متوجّہ تھے۔ حضرت کی گفتگو کا لہجہ نہایت

شیریں تھا اور کلام نرم تھا اور جی یہ چاہتا تھا کہ یہ سلسلہ سخن جاری رہے اچانک حضرت نے مجھے قریب بلایا اور فرمایا کہ استقبالیہ نظم میں اس لفظ کی بجائے یہ لفظ استعمال کیا جائے تو تاریخ بھی ہو جاتی ہے اور شعر کا وزن بھی ٹوٹنے نہیں پاتا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوپہر کے کھانے پر یہ مجلس ختم ہوئی۔ شام کو جب میں دار العلوم پہنچا تو لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو زیارت کے لیے پہنچا تھا۔ مخالفین بھی ان کی زیارت کے لیے آئے اور متاثر ہو کر جاتے اور سُنّیوں سے پوچھتے کہ آپ کی جماعت کے اتنے بڑے بزرگ تشریف لائے ہیں، اُن کی تقریر کب ہوگی اور کہاں ہوگی؛ اسی طرح سُنّی عوام میں بھی بے حد اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا کہ حضرت کا بیان ضرور ہونا چاہیے مگر مشکل یہ تھی کہ حضرت تقریر نہیں کرتے تھے، نہ اس کی عادت تھی۔ حضرت استاذ المکرم سے احباب اہلِ سُنّت نے اپنے اشتیاق کا اظہار کیا تو حضرت استاذ المکرم نے بعد نماز عشاء دار العلوم کی وسیع چھت پر حضرت کی نشست کا انتظام کیا، تخت بچھایا گیا اور اساتذہ اور طلبہ کو اس کے اردگرد بٹھایا گیا، ادھر چودھویں رات کا چاند آسمان پر چمک رہا تھا اور عالم پر اپنی روشنی بکھیر رہا تھا۔ اِدھر شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام سے درخواست کی گئی کہ حضرت اس پر جلوہ افروز ہوں اور ہمارے دار العلوم کے اساتذہ و طلبہ کو استاذ المکرم نے کچھ ہدایتیں فرمائیں۔ جب حضرت حجۃ الاسلام نے یہ درخواست منظور فرمائی تو فوراً ہی قصبے میں چاروں طرف لوگ دوڑا دیئے گئے کہ دار العلوم کی چھت پر جلسہ ہے اور حضرت حجۃ الاسلام تقریر فرما رہے ہیں دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں کا مجمع ہو گیا اور حضرت کی نورانی تقریر کا سلسلہ جاری تھا۔ سرکارِ مدینہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت، مسلک اہلِ سُنّت وجماعت کی حقانیت پر مدلّل تقریر ہو رہی تھی اور مخالفین کے اعتراضات کا پردہ چاک ہو رہا تھا۔ حقائق و معارف کا دریا بہہ رہا تھا۔ سارا مجمع دم بخود و حیران تھا اور ہر طرف تحسین و تکبیر کے نعرے بلند ہو رہے تھے اور مخالفین بھی پوری محویت

کے ساتھ تقریر سن رہے تھے اور داد دے رہے تھے۔ پورے ڈیڑھ گھنٹے تک یہ تقریر جاری رہی۔ موافقین ومخالفین کو یہ کہتے سنا گیا کہ ایسی مدلل ومبرہن تقریر کبھی سنی نہ گئی۔ اس کے بعد صلوٰۃ والسّلام پر یہ مبارک نورانی محفل اختتام پذیر ہوئی۔ وہابیہ وشیعہ حضرات نے یہ کہا کہ ایسی نورانی صورت آج تک دیکھی نہ گئی اور نہ ایسی مدلل تقریر سنی اور یہ کہ کاش یہ تقریر اعلان کے ساتھ کسی وسیع میدان میں ہوتی۔ تیسرے دن گیارہ بجے ہال کمرہ میں ایک خصوصی اجتماع ہوا اور اساتذہ نے حضرت سے چند سوالات کیے جن کے جوابات حضرت نے دیئے اور ساتھ ہی کچھ ہدایتیں فرمائیں۔ آخر بادلِ نخواستہ حضرت کو رخصت کیا گیا اور ایک عرصہ تک دارالعلوم اور قصبہ کے لوگوں کے دلوں میں یہ یاد باقی رہی۔[1]

حضرت مولانا عبدالکریم درس رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے مخلص احباب میں سے تھے، دونوں بزرگوں کے درمیان مراسلت بھی۔ یہ مراسلت محفوظ ہے۔

حضرت مولانا عبدالکریم درس رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۴ھ (مدرسہ درسیہ، کراچی) کے وصال پر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخیں کہیں، جو درج ذیل ہیں۔

تواریخ وصال (۱۳۴۴ھ)

خضرۃ مولینا وبکلِّ مجدا ولینا (۱۳۴۴ھ)

مولوی مکرمی شاہ عبدالکریم درس (۱۳۴۴ھ)

مولینا القرشی الصدیقی الکراچوی (۱۳۴۴ھ)

رحمۃ اللہ المولیٰ تعالیٰ برحمۃ واسعہ (۱۳۴۴ھ)

الشہداء عند ربہم لہم اجرہم ونورہم (۱۳۴۴ھ)

---

[1] : چند حسین یادیں مطبوعہ ترجمانِ اہلِ سنت، کراچی بابت ماہ جون ۱۹۷۴ء صفحہ ۷۴ - ۷۵

ادخلوا خالدین بہا ۔ (۱۳۶۲ھ)
نمقہ العبد الجانی حامد رضا (۱۳۶۲ھ)
النوری الرضوی (۱۳۶۲ھ)

درس عبد الکریم عبد کریم — کرد جان خودش بحق تسلیم
موت العالم لمیتۃ العالم — ثلمۂ دین احمد بے میم
روح الراوحہ وسقاہ — زاب کوثر و جعفر و تسنیم
درس و وعظ و حمایت سُنت — رد بدعات و طرفہ اہل جحیم
امر معروف و نہی عن المنکر — کار او بود در حیات کریم
درس دین نبی بگو حامد — ختم شد در کراچی والتسلیم[1]
(۱۳۶۲ھ)

حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ انجمن نعمانیہ، لاہور کے جلسوں میں تشریف لاتے تھے۔

آپ کے خلفاء و تلامذہ لاتعداد ہیں، جو تبلیغ و اشاعت دین میں مصروف ہیں۔

وصال شریف سے ایک سال قبل اپنی رحلت کے حالات و کوائف بیان فرمانے لگے۔ کیفیت وصال بیان کرتے، فرمایا کرتے تھے۔ زبان ذکر صلوٰۃ والسلام رسول اللہ میں مشغول ہوگی۔ روح قرب وصال کے چھلکتے ہوئے کیف و سرور کے جام سے محظوظ ہوگی۔

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء نماز کے دوران عالم تشہد میں وصال ہوا[2]۔ نمازِ جنازہ حضرت محدث اعظم مولانا سردار احمد نے پڑھائی۔ اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعون۔

ذیل کی کتب یادگار چھوڑیں۔

۱۔ نعتیہ دیوان (مطبوعہ) (۲) الصارم الربانی علیٰ اسراف القادیانی (قلمی) (۳) مجموعہ

---

[1] حضرت مولانا مفتی محمد مظفر اقبال مدظلہ (لاہور) کے کاغذات سے یہ قطعہ (قلمی) دستیاب ہوا۔
[2] حاشیہ الاستمداد، صفحہ ۸۸

فتاویٰ (مطبوعہ) (۴) سد الفرار (قلمی) (۵) حاشیہ ملا جلال (قلمی) (۶) ترجمہ الدولۃ المکیہ (مطبوعہ) (۷) ترجمہ حسام الحرمین (مطبوعہ) (۸) سلامۃ اللہ لاہل السنۃ من سبیل العناد والفتنہ (مطبوعہ)

حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا ابراہیم رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ عرف جیلانی میاں۔
۲۔ مولانا حماد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ عرف نعمانی میاں۔

خلفاء میں درج ذیل حضرات کے نام معلوم ہو سکے۔

۱۔ حضرت مولانا غیاث محمد خان غوری فیروز پوری۔
۲۔ حضرت مولانا مفتی تقدس علی خان بریلوی۔
۳۔ شیخ القرآن مولانا عبد الغفور ہزاروی۔
۴۔ محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد لائل پوری۔
۵۔ حضرت مولانا محمد سعید شبلی فرید کوٹی۔

حضرت حجۃ الاسلام بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نعت گو شاعر تھے۔ آپ کا کلام عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے اور قاری کو کیف و سرور کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ ایک دو نعتیں ملاحظہ ہوں ؎

گناہ گاروں کا روزِ محشر شفیع خیر الانام ہوگا
دُلہن شفاعت بنے گی دُلہا نبی علیہ السلام ہوگا

کبھی تو چمکے گی نجم قسمت ہلالِ ماہِ تمام ہوگا
کبھی تو ذرّے پہ مہر ہوگی وہ مہر ادھر خوش خرام ہوگا

پڑا ہوں میں ان کی رہگزر میں پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
دل و جگر فرش رہ بنیں گے یہ دیدۂ مشتق خرام ہوگا

حضور روضہ ہوا جو حاضر تو اپنی سج دھج یہ ہوگی حامدؔ
خمیدہ سر آنکھ بند لب پر مرے درود و سلام ہوگا

امام احمد رضا بریلوی کے متعلق خواجہ حسن نظامی مرحوم کے تاثرات جو امام احمد رضا کی زندگی میں ہفت روزہ خطیب (دہلی) کے شمارے مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۱۵ء (ص ۱۷۳–۱۷۴، ج ۱، ش ۱۱) میں شائع ہوئے۔ خواجہ صاحب نے ندوۃ العلماء سے امام احمد رضا کی رنجش کو ذاتی قرار دیا ہے۔ لیکن محققین کی رائے میں یہ رنجش ذاتی نہ تھی۔ بلکہ اس کی معقول وجوہات تھیں جس کا اندازہ امام احمد رضا کی نگارشات اور بیانات کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ امام احمد رضا کی سیرت کا یہ امتیاز ہے کہ انھوں نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی کی مخالفت نہ کی، اُن کی دوستی اور دُشمنی اللہ و رسول کے لیے تھی۔ امام احمد رضا نے ندوۃ العلماء کے لیے جو اندیشے ظاہر کیے تھے سامنے آئے اور اس کے قیام کے کچھ ہی عرصے بعد ۱۹۱۵ء میں خواجہ حسن نظامی کو لکھنا پڑا:

"آج ندوۃ واقعی اس حالت میں آگیا ہے کہ ہم اُس کی طرف سے مُنہ پھیرلیں"

ادارہ

بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقد مجدّدِ مائتہ حاضرہ کہتے ہیں درحقیقت طبقۂ صوفیائے کرام میں باعتبارِ علمی حیثیت کے منصب مجدّد کے مستحق ہیں۔ اُنہوں نے ان مسائلِ اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں۔ جو سالہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیرِ تحریر و تقریر تھیں۔ اور جن کے جوابات گروہِ صوفیہ کی طرف سے کافی و شافی نہیں دیے گئے تھے ان کی تصنیفات و تالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ اور ایسی مدلّل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحرِ علمی کا جیّد سے جیّد مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب جو کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہیے۔ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں۔ کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کُفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں۔ جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعتِ صوفیہ علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی

امامِ اہلِ سنّت کی

سیاسی بصیرت

(خواجہ حسن نظامی بھارت)

ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مولانا ممدوح نے ندوۃ العلماء کی اس زمانے میں مخالفت کی جب کہ وہ مخالفت کے قابل نہ تھا۔ اگر مولانا جیسا با اثر شخص ندوہ کے بچپن میں اس کا حریف نہ بن جاتا اور اس کی اعانت کرتا تو یقین تھا کہ ندوہ مسلمانوں کے لیے کچھ کام کر سکتا۔ مولانا نے ندوہ کی مخالفت جہاں تک مجھ کو معلوم ہوا ہے محض ذاتی کاوشوں کی بنا پر کی تھی۔ اگر یہ درست ہے تو مولانا کی شان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بات بدنما نہیں ہو سکتی۔ اور آج جب کہ ندوہ واقعی اس حالت میں آ گیا ہے۔ کہ ہم اُس کی طرف سے مُنہ پھیر لیں۔ اُس کی سابقہ اُٹھان اور مولانا کی بے محل مخالفت کا خیال کر کے کلیجہ پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔

جس طرح دیوبند کے تذکرہ میں مَیں نے قومی کارناموں کا ذکر کیا ہے اس موقع پر بھی نہایت فخر سے حضرت مولانا بریلوی کی اس خدمتِ قومی کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ جو انھوں نے جنگِ بلقان، طرابلس اور کانپور میں کی۔ میرے نزدیک مولانا صاحب کی جرأت و دلیری علمائے دیوبند، فرنگی محل اور تمام لیڈران گرم و سرد سے بڑھ کر ہے۔ اُنھوں نے جو کام کیا، وہ ایک سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہو سکا۔ اور وہ اُن کے بے باکانہ فتوے ہیں جو اُن مواقع پر اُنھوں نے لکھے اور باطل کے مقابلہ میں حق کی حمایت کی۔

Imam died at the age of 65 on the 25th of Safr 1340 AH (1921 C.E.) on Friday at the time when the Muazzin was saying Allaho Akber "Come to Salvation." Just before his death he gave the following advice about his funeral:

"Until I breath constantly recite Surah Yaseen and Raad as well as Durood-Sharif. At the last gasp he asked give me cold water and recite "In the name of Allah and on the path of Prophet" and as soon as my soul has departed close my eyes and straighten my hands and feet. Do not mourn and carry out the ghusl and Kafn according to the Sunnah. From Allah we come, to Him we return.

اعلیحضرت امام اہلسنت

مولانا شاہ حافظ احمد رضا خاں رضا قدس سرہٗ

کے نعتیہ کلام کا

تحقیقی اور ادبی جائزہ

جسمیں حضرت رضاؒ کی نعتیہ شاعری کے ہر پہلو کو نمایاں اور اسکے ادبی مقام کو پیش کیا گیا ہے

از قلم ندرت نگار حضرت شمس بریلوی

مع

حدائقِ بخشش (کامل)

(منتخبات حصہ سوم)

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی
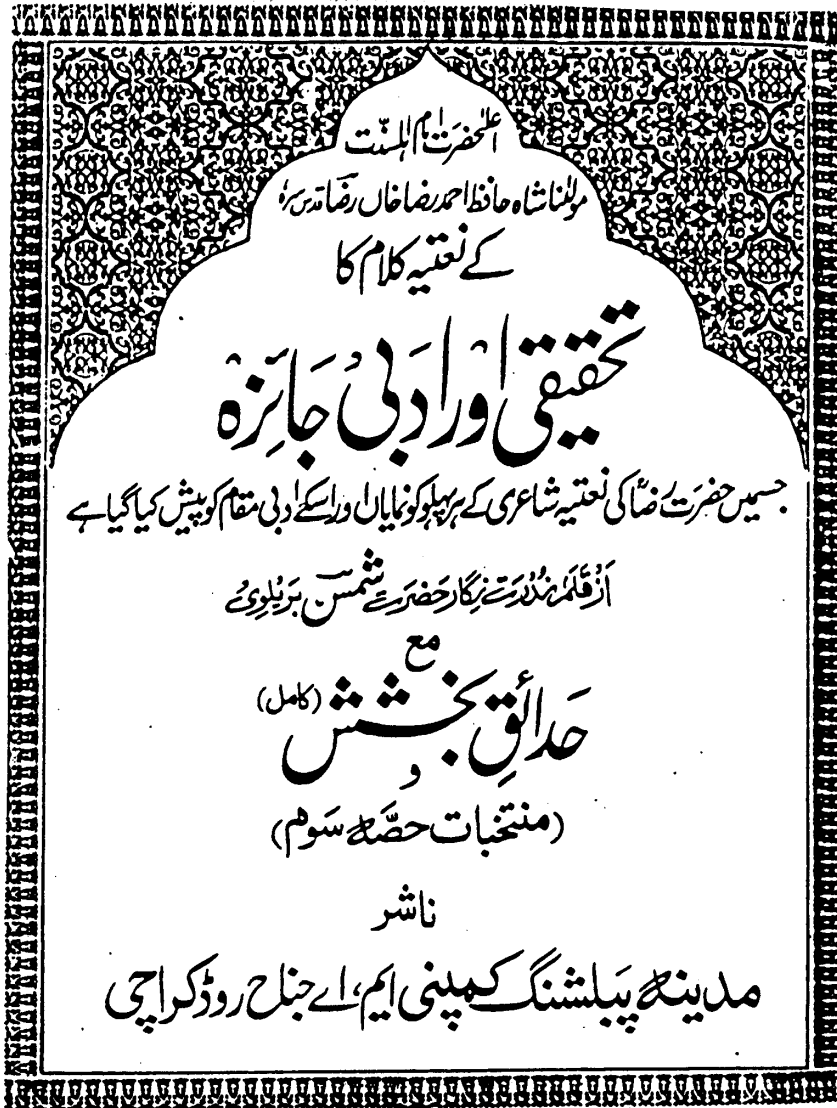
Imam possessed a photographic memory and a radiant flame of intellect. Whatever he read or heard became enshrined in his memory. He said in Tazkara-e-Noori "Some people write Hafiz before my name, yet I am not a Hafiz although it is true that I can remember a whole passage when it is recited before me." Eventually he did decide to memorise the Holy Quran, he completed the task just within a month.

Imam had a great love for the blessed Prophet. When anyone returned from the Hajj he would ask if they had visited the Prophet's mosque. If they answered: Yes. He would kiss their hands with respect. In his last days he wrote in a letter to Maulana Irfan: "I do not want to die in India nor in Makkah but I wish to die in Medina and to be buried in Baqeeh." Imam expressed his love for the blessed Prophet through his poetry. The following couplets vividly portray his longing to be in the company of his beloved Prophet.

(1) The genuine heart is the one imbued with your remembrance, the real head is the one sacrificed at the alter of your feet.

(2) Heart, soul, mind and intellect have arrived in Medina, are you then not going Raza when all has gone. (Translation from Urdu).

However Imam totally rejected the idea of love which lacked following the example of the beloved Prophet. He tried to follow the Sunnah to its minutest detail and encouraged others to do the same. He was very strict about performing the prayers with congregation Even when he was severely ill, he would still walk unaided to the mosque. Imam always wore the turban during the prayers, for it was the dress of the beloved Prophet. His prayers were illustrations of complete submission, total devotion and sincerity.

A prominent feature of the biographical literature of the Muslim saints is the graphic accounts of their deaths portraying the greatness of these people, their strong attachment to God and the intensity of their faith and conviction. These accounts furnish a proof of the highest reaches of religion to which Islam is capable of elevating the mortals. A moving account of the last moments of Imam's life has been preserved by his biographers. This account is not only faith-inspiring but also provides a final glimpse of the innermost recesses of this great Servant at the most critical moment of his life.

During the British Raj the Muslims had both internal conflicts and external threats. One of the most dangerous internal threat: was the revolt headed by Mirza Ghulam Ahmad of Qadiyan and master-minded by the British, the objective being to divide and further weaken the Indian Muslims. Mirza claimed that he was the promised Messiah and the Muslims should not fight the British. He also claimed to receive divine revelation. Imam spearheaded a fierce attack on this heretical irreligious and dangerous revolt and gave his verdict about Mirza in unequivocal words. So strong were his feelings that he declared. "The Qadayanis are opostate and outright hypocrates. A "murtad" is a person who (believes in Islamic creed and) calls himself a Muslim, but either commits a blasphemy or shows irreverence to prophets or rejects a basic tenet of faith. In another legal verdict he said "it is strictly haram to give Zakat to a Qadayani. He was so passionate to crush this revolt that he announced "Anyone who regards the boycott of Qadayani's as unfair cannot be a Muslim."

Imam wrote several books.refuting Mirza's claim as Messiah and prophet. Prominent amongst them are," Clarification of the finality of prophethood," "Divine wrath on the Murtad of Qadayan," '"Torment and torture of the false Messiah." The divine naked sword on the Murtad of Qadayan. He completed the latter book just a month before his death.

Imam Ahmad Raza occupied a special place among the contemporary scholars, theologians and doctors of religion who all acknowledged his mastery over several branches of learing exegesis, traditions, jurisprudence, grammar and syntax, and dogmatic theology. He utilised this encyclopaedic knowledge in his thrilling career of intellectural and literary pursuits. A conspicuous feature of his writings is that they are written in a forceful style, may be because a large number of them were written in the defence of orthodox Islamic teachings. Even the fundamental basic beliefs were being challenged by evergrowing heretical movements. Imam wrote in defence with a superb authoritative and forceful style. He wrote profusely in Arabic, Persian and Urdu. For the revival of Islamic creed he wrote numerous books; and for the moral, social, spiritual reformation. The Fatawa Rizvia, (The Judicial Verdicts,)) is his masterpiece. This is a compilation of his judicial verdicts on every conceivable aspect of life, consisting of twelve volumes and spread over some 15,000 pages.

resisted this movement. In fact this resistance laid the foundation of Pakistan on a firm basis.

For the political supremacy and the moral and religious revival of the Muslims Imam Ahmad Raza stressed the importance of economic well-being. In his book "A strategy for reformation and success." he proposed a four-point strategy for the economic recovery of Muslims. The book is a clear testimony of his profound understanding of the subject as well as his anxiety for the salvation of Muslims. His proposed strategy was as follows:

(1) The Muslims should solve all thier disputes amongst themselves and thus save the enormous legal costs.

(2) The wealthy Muslims of Bombay, Calcutta, Rangoon, Madras and Hyderabad should open their own banks.

(3) The Muslims should buy only from Muslims.

(4) Everyone should strive to preserve and spread the message of Islam.

In order to fully appreciate the true significance of this strategy we need to understand something about the economic condition of Muslims in 1912. In those days there were many Muslim landowners, the "Nawwabs." Unfortunately these wealthy Nawwabs were constantly busy fighting amongst themselves and getting involved in legal battles, which usually left them bankrupt. To them Imam suggested: "don't waste your wealth, save it! Establish banks". Because in those days there were only a few banks in major cities and all were owned either by the British or Hindus, so Imam urged the Muslims to start Islamic banking so that Muslim economy could improve, because he clearly saw the importance of banks in the modern society. M. Ali Jinnah 28 years later in 1940 reiterated the same plea to wealthy Muslims with the consequent formation of Habib Bank and later Muslim Commercial Bank. In order to help the Muslim retailers who had to compete with Hindus he told Muslim consumers "buy Muslim." Imam's idea was that by buying exclusively from Muslims the Muslim retailers would flourish, they in turn would trade with Muslim wholesalers who would buy exclusively from Muslim manufacturers. In this way a perpetual type of positive feedback cycle would be set up and consequently the Muslim economy would benefit. This strategy of Imam is a beautiful illustration of his far-sightedness and his vision of the future.

be pleased with him) let us study his brief life history. He was born in 1856 at Bareilly. He completed the reading of the Quran at the tender age of 4 years. He won the people's heart on his maiden speech at the age of five years. He wrote his first Arabic book at the age of 10 years. He graduated to practise Islam and lead the prayers at the age of 13 years. He started writing Islam verdicts (Fatwa) at the same time. He wrote the Urdu book at the age of 21 years. He went to Hajj in 1878. He met learned personalities, like Shaikh Ahmed Bin Zain Bin Dehlan Makki, Mufti of Makkah, Shaikh Abdul Rehman Al-Saraj Imam Kaba. Shaikh Hussain Bin Salih Jameel Al-Lail: who gave permission to Ahmad Raza to teach Hadis. In between the period from 1878 to 1901, he wrote many books and gave explicit explanations on various issues. The learned scholars of Muslim world confirmed him the "Revival" of 11th Century. He went to Hajj again in 1905. The Imam of Kaba Shaikh Abdullah Mirdad and Shaikh Hamid Muhammad Jadavi Makki together questioned Ahmad Raza on contemporary issues. He satisfied them with his thought provoking reply. The scholars of Makkah and Madina gave certificates and permission to preside on Islamic judiciary. His Arabic written "Fatwa" (Verdicts) was highly acclaimed by Hafiz Sayed Ismaeel Khalil Makki, the librarian of Makkah in 1907. Shaikh Hedayat Ullah Bin Muhammad Bin Sayed-Ul-Sanadi Muhajir Madni re-affirmed the title "Mujaddid" the great reviver of Islam. He rendered Urdu translation of the Holy Quran in 1912. This Urdu translation stands out on top among other Urdu translations of the Holy Quran. He had completely mastered the Arabic, Persian, Hindi and Urdu Languages. His Knowledge of the Quran and Hadith was confirmed by learned scholars of the Muslim world. It is the only Urdu translation of Quran which is rendered delicately taking due respects of all the Islamic beliefs. Imam Ahmad Raza Bareilvi's selfless services to Islam are innumerous. He wrote more than thirteen hundred books. Eight hundred were published and others remined as manuscripts.

Gandhi's movement of non-cooperation also proved more harmful to the Muslims than Hindus. Consequently to protect the Muslims from further harm, Ahmad Raza gave a detailed judicial verdict on the movement of non-cooperation and Muslim-Hindu unity in a monograph. He clearly dileneated the thinking behind these movements which was to destroy the separate identity of Muslims. Unfortunately many Muslims accepted Gandhi's view including the famous Dar-ul-uloom of Deobandi. Incidentally the Deobandi school of thought is to this day strongly affiliated with the Congress. Gandhi's aim was to sow the seed of secularism in Islam. However Imam Raza, Dr. M. Iqbal and M. Ali Jinnah succesfully

on their forehead. They stopped slaughtering the cows. They made Gandhi their imam. Everybody followed Gandhi. The Muslims considered it a great honour to sit under the feet of Hindu leaders. The Muslims were being humiliated. Islam was degraded. The monuments of Islam were attacked and destroyed. Islamic traditions were altered. The Muslims were made helpless. The Islamic spirit was vanisihing. Being a Muslim was no longer considered honourable. Nationalism was gaining momentum. The Muslims felt proud to be an Indian first then a Muslim. The love of Allah and His friends was forgotten. The love for the land and its inhabitants was at the top of the agenda. This was the political picture of the early 14th Century Hijra.

Economically the Muslims were awfully backward. The Muslims were illiterate. They could not participate in various national industries, like trade, agriculture, technology and public services. Their lands and other holding were mortgaged with Hindu (banyas "niggard". They were paying compound interest on mortgages. The Muslims were well-known for their love of litigation. They spent beyond their means on the legal cases. They never bothered about the consequencies. Come what may, they must go to the court. On top of it, the hard earned money was spent on games and gambling. They were worse morally as well. In short, the Muslims were slaves of the English and Hindus. They were slaves of their own selfish instincts. The future was bleak.

The Muslims liked the English way of life. They adopted the vices of the Europeans. They forgot the Muslim heritage. They copied the British life-style. On the other hand the Hindus were influencing Muslims socially. They were successful in changing Muslim attitudes towards Islam.

This was the picture of the Indian subcontinent about a hundred years ago. The Muslims were completely lost in the darkness of devilish temptations. The Almighty showed his mercy, Allah sends the reviver among them. He came into the forefront. The ray of hope in the darkness appeared. He was upset on seeing the Muslim brothers being led on the wrong path. He sincerely and whole-heartedly wanted to see Islam in its original grandeur in the subcontinent. He loved Islam from the core of his heart. The protection and revival of Islam was his aim. He restored faith in individual hearts. He was a true servant of the Prophet Muhammad (peace and blessing of Allah be upon him). He spent his entire life for the cause of Islam. Who was he? "Ahmad Raza Bareilvi The great reviver of the subcontinent." In order to form an honest opinion of Imam Ahmad Raza (may Allah

Prophet does not necessarily mean the end of prophethood". Some said: "Allah could tell a lie". Some said: "Organising and participation in Milad-an-Nabi is unreligious, although it is strictly within shariat". Some compared Prophet Muhammad's (peace and blessing of Allah be upon him) knowledge of the unseen as the knowledge of children, loonies, animals and wild cats". Some objected the Quran and some rejected the Sunnah. Some opposed Imams, Saints, Soofis and genuine scholars of Islam. Where hearts were ruled by true faith, now doubts and uncertainty were dominating. These were the religious beliefs of the early 14th Century Hijra. i.e. of the 19th Century A.D.

The political atmosphere was unconducive to Islam. The Hindus were welcomed in governmental circles. They were dominating the society. The Hindus planned secretly to distort Muslims belief by various dirty tricks. They were hypocrates. They proclaimed: "Hindus and Muslims are brothers indeed". As such the Muslims, should refrain from slaughtering the cows. They started a movement against the Italians because the Muslim's Fez's (Turkish hat's) were made of Italian fabrics, they then burnt the Fez's. They made a pact with the English rulers to enroll Muslims to join the front line in the battle-field against Muslims, Arabs and Turks. Many thousand of Muslim's, thus martyred each other. The object was to please the authority in order to have independence. They failed to get the freedom at the end of the first world war. The movement of boycotting the foreign made goods was started. Each time Muslim masses joined the movement, and each time the Muslims in general suffered heavy losses. The movement of immigration was aimed at Muslim mass exodus. The Muslims left behind whatever little holding they had. In general Muslims were poor and they were further driven into deep poverty. The movement of handloom fabric started. Gandhi's caps were introduced. It became replacement for Muslim Fez and traditional turbans. The movement of animals was projected to finish the Muslim butchers. These were the dirty tricks which deprived the Muslims of their heritage. Most of the Muslims joined the movement. They took active parts in these activities at the expense of their own destruction. The Muslims did not understand the Hindus' dirty intentions. Some Muslims realised their stupidities but it was too late while most of the Muslims remained faithful to British and their allies. the Hindus. What a pity!

The Muslims were making friendships with Hindus. The slogan was: "Hindu-Muslim Bhai Bhai (brother)." The Hindus were welcomed in Mosques and given the place on the Member (Pulpit). Prayers were offered for the infidals. The Muslims put Kishka (Paint)

THE REVIVAL OF ISLAM

By M. Khetab M.A.

Time keeps on changing. Life goes up and down. Sometimes brightness occurs followed by darkness and sometimes darkness occurs followed by brightness. The inhabitants of the earth wait for a clear illuminating light. Then suddenly a curtain of darkness starts to lift up. Unclear images become visible. Brightness rapidly spreads. The sphere sees the day light. Paths become vivid. The lost destination comes within grasp. Staggering steps become firmer. Ambitions seem fulfilling. The people of a caravan slowly get together for their long trek. Orders to start the caravan are given. Once again life becomes active. What a transformation? Praise be to Allah.

Drastic changes would take place in a span of a century. Time effects the human body. It changes people's beliefs too. Peoples's conditions alter, so do their idiologies. The community is drawn into the darkness of oblivion. Satan rules the hearts. The Almighty sends His chosen subjects to lead the community towards the right path, as the last Prophet Muhammad (peace and blessing of Allah be upon him) come to guide us towards the light, away from Satan. After him prophethood ended. The mission to carry on Allah's religion "Islam" will be fulfilled by the Revivers (Mujadideen). They will be the torch bearers of Islam. They will bring light in darkness. They will bring revolution. They will go and shall return. They will continue to exist as life itself.

In the beginning of the 14th Century Hijra 19th Century A.D., Muslims of the subcontinent were at their lowest ebb. They were in turmoil religiously, politically, economically and socially. New thoughts, idiologies and theories were originating. Many different types of religious doctrines were preached. Some said: "Thinking of Prophet Muhammad, (peace and blessing of Allah be upon him) in the daily prayers is worse than thinking of once's cow and donkey". Some said: "The persons with a name Muhammad and Ali have no authority on anything",. Some said: "Prophet Muhammad, peace and blessing of Allah be upon him") like an elder brother and should respect him no more than an elder brother". Some said: "Last

on their hearts, assist them with a spirit from Himself". They are people in whose heart ALLAH has engraved faith and extended His support through sacred spirit".

(From the underlined portion of these verses he computed his year of birth: 1272 A.H.)

This day demands deep reflection and asks for renewed dedication to the ideals that Ala Hazrat Imam Ahmad Raza (may peace be upon him) Rehmatullah Alaih lived and died for.

Unless the "Millat" responds to the call that Imam Ahmad Raza held supreme and dearer than his life any homage to him, however passionately expressed, will only create a stir on the surface without touching the soul.

In fact, he lived for a mission and died for a cause. He breathed his last while whispering Kalma-e-Tayyaba on Friday the 25th of Safar 1340 A.H. (October 28, 1921 A.D) at the time of Jumah Prayer when PROCLAIMER OF PRAYER (MOAZZIN) was calling "Come to Prayer", "Come to Welfare". May ALLAH bestow upon his grave blessings of His own and of His beloved Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) (Ameen)!

This is a historical truth that positive results were produced of the sincere efforts of Imam Ahmad Raza. This was witnessed by the return of many Muslims to the Path of The Favoured which included personalities like, Maulana Abdul Bari Farangi Mahali, Maulana Muhammad Ali Johar, Maulana Shaukat Ali, Maulana Suleman Shah Phulwari, Maulana Syed Shah Abu Suleman, Mohammad Abdul Mannan Qadri Azimabadi, Sirajul Fuqaha, Maulana Jafer Shah Phulwari and many others.

It is necessary that the universal appeal of Imam Ahmad Raza's message of "Love and Slavery of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam)" is emphasised and perveyors of sectarianism, which is the result of International Zionist-cum-Christian conspiracy, are held in check so that essential unity of Muslim Ummah is preserved and strengthened for the greater good of Muslim world and for the benefit of the mankind as a whole.

Imam Ahmad Raza once said; "The love for ALLAH the Merciful and His Prophet the Mercy for universe is so deep in my heart that if I cut my heart in two pieces you will, Insha'allah find engraved the name "ALLAH" on one piece and that of "MUHAMMAD" (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) on the other".

The following verses of the Holy Quran testify his claim and narrate in short his biography.

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ
فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ

"And those who believe in ALLAH and the Last day of Judgement shall not be found friendly with those who are enemies of ALLAH and His Prophet even if they happen to be their fathers, sons, brothers and kith and kin. "With those He will engrave faith

Imam Ahmad Raza has devoted his life to inculcate that the believers should bow in reverence to the Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) in terms of the teaching of Quran and place him above everything in point of reverence and devotion. They should, in fact, send salutation to him. To Fazil Bareilvi, the least appearance of lack of difference to the Prophet has been intolerable. Aspersion of the sacred personality of the beloved Prophet of ALLAH is more serious than injury to his own person. Explaining why he could not be stopped from condemning the disparagers, he said that he got satisfaction from the fact that he had at-least succeeded in diverting them from profanation of the sanctiity of the Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) at the cost of his own humiliation and defamation at the hands of such elements.

Imam Ahmad Raza has recalled the teaching of Quran to respect Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and cautions the Muslims that this is not respecting or revering a mere human being but as the greatest and noblest person ever sent by ALLAH to the mankind to serve as a model and perfect man. Fazil Bareilvi has delivered the message of Quran that our Master Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) is the greatest blessing of ALLAH on the earth. There could be no greater sin than saying or doing anything which has the slightest sign of lack of respect to him. Therefore, accordingly, anything which reflects on him in any way is a heinous sin which invites the greatest wrath of the Almighty ALLAH and leads to depreciators eternal condemnation.

As a matter of fact, Fazil Bareilvi symbolises defiance in the face of the Zionist-cum-Christian anti-Islamic formidable forces and standing upto the shrewd and powerful opponents of "THE PATH OF MUSTAFA" ("NIZAM-E-MUSTAFA") and "THE POSITION OF MUSTAFA" ("MAQAM-E-MUSTAFA") regardless of the cost. To quote Allama Abdul Hameed, Vice Chancellor of Nizamia University, Hyderabad Daccan (India).

"It is beneficancet on the Muslims that he inculcated in their hearts the sentiments of greatness and extreme respect for their Master Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). His efforts also served as a monitoring and controlling lever on the temperament of the opponents resulting in the improvement in their attitude towards ALLAH and the Prophet of ALLAH (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and decline in the use of irresponsible languages and filthy metaphors used in their religious speeches and writings".

While giving caution to the Muslim brethren not to mixup with the enemies of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) he admonishes in one of the letters in the following ways:-

"Muhammad Mustafa (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) is checking you. He is more well wisher of your soul than your own-self. (حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ)

His heart feels pain on you, trouble. (عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ)

By God He is more affectionate to you than a beloved mother to her only son.

Lo!

Listen Him. Hold his hands. Clinch to his feet. He orders you to be aloof from them and keep them aloof from yourself.

Lest they may not prevail upon you to make you astray and to put you into trouble". (اِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ)

In another place he shakes the heedless Muslim Ummah in the following words.

"What a pity? If some-one calls bad names to your father you are after his blood. You hate him like anything. You are bent upon to kill him if you could catch hold of him. You are not prepared to listen any other argument or further explanation of what is said. But alas? You do listen all such and similar abuses andobscenityin case of your Master, the beloved Prophet of ALLAH Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and remain unmoved! And still you treat the reprehender a responsible man and call him your Imam, leader and well wisher! Not only that but you become hostile to those who are critical of such lunatic persons. To support them you tryout lame excuses, false interpretations and uncalled for explanations of their filthy remarks, knowingly that all this is being done at the cost of the honour and prestige of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

What Islam is??

Is it Islam?"

Bestowed with fervency of love for Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) he became a symbol of an International Movement for preservation of love and upholding the sanctity of the Last Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

Muslims all over the world who love ALLAH and His beloved Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and follow the path of Quran and Sunnah are Proud to call themselves "BAREILVI" after his name, irrespective of the age and place. It is not without striking significance that Muslims of today derive inspiration and substenance from the shining example of his self sacrifices in the path of Shariah and upholding the values of the traditions of Hallowed Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). For decades Imam Ahmad Raza had been watching two trends in Muslim Society.

1. Belief in teachings of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) being eroded and

2. Compliance with the injuction of the Shariah slackening only because of the loss of love and attachment with the beloved Prophet of ALLAH (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

For half a century Imam himself had also been seeing covert and overt developments culminating in the uprising of such Zionist-Character elements, within and outside the Muslims, who had started undermining the importance of Prophet's personality as the unifying force of Muslim Ummah and tried to sacrilege the honour of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

He stood like rock in the way of those who lost the sense of reverence and spoke in disparaging terms about ALLAH and His Hallowed Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). He refuted their ideas with undeniable arguments in the light of Quran and Sunnah.

Imam Ahmad Raza denounced in the strongest terms the reprehensible attitude of such elements. If this is a crime, he committed it.

Imam Ahmad Raza, in fact, served as a strong fort for the defence of Islamic Shariah and the sanctity of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

The entire intellectual and literary strength of the Muslim world which could better be utilised for Socio-political improvement, Economic development and Educational betterment of Muslim Societies was thus deliberately diverted by the anti-Islamic-Ziono-Christian forces to fight against each other on the internal front.

During the last two centuries Imam Ahmad Raza appears to be the only personality who realised the spectrum of anti-Islamic and anti-Prophet forces and stood firm in their ways to meet their challenge.

He resisted all those movements which were in any way against Islam and the dignity of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). He always upheld the Flag of the honour and reverence of the Holy Prophet as over hoisting on the highest altitude.

The pivot of his own personality, the centre of all his knowledge and the achievement of his life was the excellent conduct of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and a devoted profound love for him.

He understood and made others understood the real perspective of this Quranic verse.

"That the Prophet has been created on excellent conduct". To put in his own words:

"My interest in life is the performance of three jobs:

1. To avail of my full strenght in the support of my Lord the leader of Prophets (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) in the face of all anti-Prophet-Zino-Christian forces.

2. To wipe out all anti-Islamic practices from among the Muslims.

3. To issue judicious pronouncement (FATWAS) according to my capability on the lines of "HANAFI SCHOOL OF THOUGHT".

This he proved throughout his life. He fought on all counts of life with the enemies of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) the enemies outside the Muslims and the enemies within the ranks of Muslims.

7. "Thus, if the knowledge of the 'unseen', according to* Zaid, is applicable to his sacred personality* the question arises as to what is meant by this 'unseen'. If he means 'some unseen' or the 'whole unseen'. In case, he means 'some unseen' then it has not the speciality of his respected personality, because such knowledge of 'unseen' is known to each Zaid and Amr, rather to every lunatic, mad, nay, to all living beings and animals".

('Hifzul Iman' Page 8 – By Moulvi Ashraf Ali Thanvi).

A simple reading of the above will surely spark the flame of anger and agony in the heart of every Muslim who has slightest love for Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

Imam Ahmad Raza has performed his duties while defending the honour of ALLAH and the Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and checked the attack on the honour of ALLAH and His beloved Prophet. This was also admitted by many among the disparagers themselves. Moulvi Ashraf Ali Thanvi remarked that Ahmad Raza was a true lover of Prophet and he rightly condemned his (Thanvis) writings in that spirit. Moulvi Sanaullah Amratsari admitted that it was incumbent of Moulana Ahmad Raza Khan to issue condemnation on aspersive writings of Wahabis as the interpretation of these writings as understood by him deserved it.

An analysis of the Wahabi literature, whether written by the Wahabis of Najd or their counterparts in the Sub-Continent of Indo-Pak shows that it always embraces three special characteristics:–

1. Sacrilege of the sanctity of the Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) in the name of unity of ALLAH.

2. Pronouncing all the Muslims of the world except Wahabis as infidel (Kafir) and Polytheist (Mushrik) in the name of unity of Ummah.

3. All such writers are totally deprived of the sense of reverence.

The propagation of Wahabi thoughts and the circulation of their literature have irritated the Muslims all over the world and invited tremendous uproar in the general Muslim masses and immense resistence and opposition from the venues of Ulemas, Mashaikhs and renowned Muslim Scholars.

1. "To think of Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) while offering prayer is worst than thinking of once own cattle". (Sirat-e-Mustaqeem, Page 95 — by Ismail Dehlvi).

2. "In the opinion of general public the Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) was the last of all Prophets because he was born in the last of all previous Prophets of ALLAH. However, intellectuals know that the quality of being last or first (time wise) is not a matter of prestige by itself. . . . . Even if, we suppose, the emergence of a Prophet after the Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) it will not make any difference to his speciality of being last".

   (Takhzeerunnas Page 3 and 28 by Molvi Qasim Nanutwi of Deoband).

3. "To sum up, the point for consideration is that in order to prove that the Prophet had the knowledge of the circumfrence of Earth like Satan and Angel of Death without giving any clearly stated grounds but only on the basis of whimsical analogy is an act of Polytheism and not Faith. The extensive knowledge of Satan and Angel of death has been amply proved by clearly stated grounds whereas, in case of the Prophet, it is not so. Therefore refutation of clearly stated grounds is nothing but Polytheism".

   (Braheen-e-Qatea,, Page 51 — Molvi Khalil Ahmad Ambethvi).

4. "I am Ahmad which is the meaning of Quranic Verses:
   I am the anouncer of goods news of the Prophet who will follow me and whose name is Ahmad".

   (Ek Ghalati Ka Izala Page 673 — by Mirza Ghulam Ahmad Qadyani).

5. "ALLAH can lie but He does not".

   (Fatawa-e-Rasheediah, Page 10 — by Molvi Rashid Ahmad Gangohi).

6. "ALLAH had the discretionary power to know the unknown whenever He likes".

   (Taqwiat-ul-Iman Page 23 — by Ismail Dehelvi).

Following are the names of some of the renowned and learned religious Scholars of the Muslim World who took exception to the ideas of this movement which encouraged the sacreligence of ALLAH, the Holy Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) and his traditions. They resisted the movement with full force of their knowledge by holding public debates and writing books:-

1. Allama Ibne Abedin Shami of Damascus.
2. Allama Syed Ahmad Zaini Dahlan of Makkah.
3. Sheikh Suleman Bin Abdul Wahab brother of Mohammad Bin Abdul Wahab of Najd.
4. Allama Syed Alvi Bin Ahmad Hasan Ibnul Qatbi.
5. Allama Jamil Effendi of Iraq.
6. Allama Aboo Hamid Bin Marzooq.
7. Mufti Saddruddin Dehlvi.
8. Shah Abdul Aziz Dehlvi.
9. Allama Abdul Haq Khairabadi.
10. Allama Naqi Ali Khan of Bareily.
11. Shah Al-e-Rasool Ahmad of Marahra.
12. Shah Imdadullah Mahajir Makki.
13. Allama Yousuf Bin Ismail Nibhani, the Chief Justice of Beiruit.
14. Shah Ahmad Saeed Mujadded Dehlvi.
15. Shah Fazl-e-Rasool Badayuni.

Some of the glaring examples of the sacrilege of the sanctity of Almighty ALLAH and the hallowed Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) are as following :—

4. To shake the Muslim's faith in "Sacred War" (Jehad).

5. To prove through distorted versions of Quran and Sunnah that the Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) was not a man of eminence and reverence, and had no superiority even over an ordinary man.

6. To distribute new literatures on Islamic Studies redefining therein the concept of unity of ALLAH and introducing in disparaging terms the concept of the term of Messenger of ALLAH and the position of the holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

7. To destroy all historical monuments and sacred relics inclusive of the Holy Tomb (Mazar-e-Aqdas) of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) on the lame excuse of destroying the signs of Polytheism (SHIRK). Mawahids of Najd, later on called Wahabis after the name of their founder Muhammad Bin Abdul Wahab, had declared themselves as true Muslims and the rest of the world Muslims as infidel (KAFIR) and Polytheist (MUSHRIK).

The pages of History have proved that the Ziono-Christian forces acting according to their plan have succeeded not only in dismantling into small pieces the greatest Muslim State of Usmania Dynasty but also in bringing into power such fascist-cum-anti-Islamic personalities and discarded religious Muslims minorities which fully served their purposes and gave a fatal blow to the unity of Muslim Ummah. The most unfortunate happening as a result of this conspiracy was the establishment of Zionist State in Palestine and Christian-Cum-Other minorities dominated State in Lebanon, the soil which was ruled by Muslims since the days of Hazarat Umar Farooq (Radhiallah-o-Anhu).

During the end of the eighteenth century the Wahabi ideas were also imported into Indian Sub-continent when some Indian Ulemas like Syed Ismail Dehelvi, Syed Ahmad of Raibareily and Rasheed Ahmad Gangohi etc. were influenced by Wahabi thoughts after they developed contacts with the followers of Mohammad Bin Abdul Wahab during their pilgrimage of Makkahtul Mukarramah. The thoughts of this school were further introduced in the sub-condinent through the translation of Mohammad Bin Abdul Wahab's books into persian and Urdu by Ismail Dehelvi and his followers followed by their own writings on the subject.

succeeded in creating many new sects in Islam out of Ahle-Sunnah-Wal-Jamaah, but they however, could not succeed in checking the spread of Islam and expansion of its geographical territories.

Annoyed with the situation, Ziono-Christian conspirators have changed their strategy and drew up well thought systematic plan in the beginning of the Eighteenth Centrury. The plan was prepared in London and enjoyed full backing of all anti-Islamic forces of the time.

This was aimed to dismantle the Usmania Dynasty which was the symbol of Muslim strength and unity at that time. For this the discarded religious Muslim Minorities, Jews and Christians residing in the Usmania Dynasty were used as Agent. They included:—

1. Mawahids of Najd
2. Kharjees of Mascut
3. Darduse and Alavis of Lebanon and Syria
4. Saibis of Iraq.
5. Aliullahies and Parsis of Iran
6. Jews and Christians of Palestine, Syria and Lebanon
7. Hindus of the Sub-Continent.

The plan reads as follows :—

1. To create racial, tribal, sectarian and linguistic hatred among the Muslims.

2. To encourage the use of wine, adultry, usuary and Pork in the Muslim Society with the help of Jews and Christians and other Non-Muslim Communities living in Islamic States.

3. To damage and destroy the harmonious relationship and atmosphere of love and respect between Ulemas and general Muslim Public by way of:

   — Character assassination of Ulemas and Mashaikhs.

   — Infiltrating anti-Islamic personalities in disguise of (fake) Ulemas and Mashaikhs in important cities of Islamic States and appointing trained Jew or Christian Scholars, Orientalists and teachers in the Universities of Constantinople, Baghdad, Damascus and Cairo etc.

esteem that they do not care to sacrifice even their lives for him. He is of course, a unifying force for Muslim Ummah, which differs sharply in race, colour, language, caste and creed.

These anti-Islamic forces penetrated into the Muslim Society in disguise of "newlyconverted Muslims" and tried to divide the Muslim Ummah on the basis of linguistic unity, nationality, caste and creed, new faiths and believes. To give weight to their ideas they propagated that :-

1. Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) was only an ordinary man like all other human beings. His assignment was just to deliver the message of ALLAH and that is all, to give an example, like a postman.

2. To err is human as such he also committed errors.

3. It is therefore not incumbent on Muslims to follow each and every sayings and practice of the prophet.

4. The Companions of the Prophet and their followers and followers of the followers were as well the ordinary human beings who always made mistakes, therefore, they too, can not become a standard guide for every Muslim.

5. Every Muslim, without the help of the traditions of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) or/and the traditions of his Companions can practice Islam by studying the Holy Quran directly by his own vision and wisdom.

6. Source of Islamic Jurisprudence (Shariah) other than Quran is questionable.

The introduction of above and similar obscene ideas in the Muslim Society were the result of Ziono-Christian conspiracy against the Universal Religion Islam and the greatest and most sacred personality of Holy Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam).

Not satisfied with this, they tried even to lift out the sacred body of the beloved Prophet of ALLAH during the days of Sultan Nooruddin Zangi which was foiled by him at the nick of time.

The Ziono-Christian conspiracy though weakend the power of Islamic State during the course of time on many occasion and

(That who once gave his hand to the Beauty of universe, spontaneously sacrifised his life for him as if he was so captivated by the charming lines of his hand).

Realising that this is the essence of Islam, he prays to ALLAH.

جان بعشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا

(Love for the selected Holy Prophet is the life Blood for me. May ALLAH nourish and flourish it for ever).

Thus Imam Raza Bareilvi has learned this lesson of "Love" from the Companions of Prophet and their followers, (Radhiallah-e-Anhum) and he made this "Love for Prophet" not only a motto for his life but also a mission for his life. According to him the fundamental faith. For the Muslims, he is the holiest of the holy as he was the beloved of ALLAH Almighty Himself who has lavished praises on him again and again in the Holy Quran in boundless measures. It is, therefore, incumbent on every believer to become an obedient slave of the Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) in order to become an obedient creature of ALLAH as Holy Quran puts it.

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(O'Beloved Prophet' tell the believers if you have been loving ALLAH, then follow me, ALLAH will then love you). He is the means of communication of the final universal message of ALLAH, the Greatest Blessing and Mercy for the mankind, nay, for the whole universe.

The guidance from the Holy Prophet (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam) is to be sought not only for the welfare of this mundane world but also for the ultimate salvation in the hereafter. Imam Ahmad Raza emphasises that in fact we owe our Faith and all the blessings of life, spiritual and material to him. This demands that our devotion to him should be so great that we place him and his reverence above every-thing and we should be prepared to lay down even our lives for him. Imam Bareilvi has also learned from the history of Islam that since the days of Prophet (Sallalahu-Alaih-e-Wasallam) and afterwards; the anti-Islamic forces like Hypocrates, Jews and Christians are determined to bring down the fall of Muslims. Failing in their efforts to win over them by force they tried to weaken their ideology and faith in Prophet (Sallalhu-Alaih-e-Wasallam) by preaching and propagating such ideas as undermining the sanctity, love and the importance of Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallam). For they realised that the Muslims always hold the Prophet in reverence to the utmost limits and held him in such a high

He had a remarkable quality of fast reading with understanding and spontaneous writing with message and meaning.

Like Sheikh Akber Mohiuddin Ibne-Arabi, the great Scholar and Mystic of his time, he wrote many books out of the warmth of his knowledge and not out of his lust for fame.

But, above all, the most important characteristic which earned him a distinction among men of letter and Scholars of reputation of his time, was his resolute faith in "ALLAH.. and committed love for His last Prophet Muhammad Mustafa, Ahmad Mujtaba (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum).

It was this "Love for Prophet" which has been reflected in every aspect of his life, every angle of his thoughts and every line of his writings. It was the light of this pure shining "Love for Prophet" which illuminated his personality as a "Becon of Light" for all Muslims.

He drew all strength, satisfaction and inspiration from this "Source of Light". He himself says in one of his verses in the praise of beloved Prophet of ALLAH (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum).

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ ، تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

(O Raza! Don't be frightened!
Lo! Thou art the slave of the most selected person of ALLAH. Thou art protected. Indeed thou art protected).

He had a thorough knowledge of Quran, Sunnah and the related fields. He understood the real temperament of the revelation of Quranic Verses and its style of address. He knew that the message of Holy Quran cannot be understood without the light of illuminative traditions of our Master the Reverend Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum). Imam Ahmad Raza Khan knew the secret by which the companions of Prophet became devoted Muslims. The secret was the profound love they had for the Holy Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum). He took the words of the Quran literally to heart that the faith of Muslim is not perfect unless he holds him dearer than his ownself.

He depicts the picture of the life of all those who embraced Islam on the hands of our beloved Prophet Muhammad (Sallallahu-Alaih-e-Wasallum) in following verses :

جس نے بیعت کی بہارِ حسن پر قربان رہا ، ہیں لکیریں نقش تسخیر جہاں ہاتھ میں

ROLE OF IMAM AHMAD RAZA KHAN BAREILVI IN UPHOLDING THE SANCTITY OF THE HOLY PROPHET (SALLALLAHU-ALAH-E-WASALLUM)

By Wajahat Rasool Qadri

This article was published in our last issue and was much appreciated. However, some of our valued readers pointed out that its printing was not upto the mark. We are therefore, re-producing it in a better way.   Editor.

There is no dearth in Islamic History of such versatile personalities who have benefitted the world with their knowledge, wisdom, innovative ideas, intelligence and insight. Imam Ahmad Raza Khan S/o Naqi Ali Khan was one of such illustrious personalities who was born in Bareilly (India) on 14th June, 1856 A.D. (10th Shawal-al-Mukarram 1272 A.H.). He, in fact, surprised the world with the power of his wisdom and his complete command in different fields of knowledge. A born genius and a man of multidimentional personality as he was, in a short period of time he earned the world wide fame and was adorned with such titles, as Imam-e-Ahle-Sunnat, Aala Hazrat and Fazil Breilvi. Fazil Bareilvi had acquired basic education in FIQAH and HADITH mostly from his learned father and his spiritual Master (Sheikh) Shah Al-e-Rasool of Marahra. But he acquired supremacy and command in almost 55 (fifty five) branches of knowledge of religious and Secular fields on account of his self effort, superb intelligence, and high degree of understanding. He had a God-gifted talent and was indeed a disciple of the Beneficient (ALLAH). To put in his own language:

"AQUISI-TION OF ALL THESE KNOWLEDGES IS THE BENEFICIENCE OF MY MASTER THE LAST PROPHET OF ALLAH MOHAMMAD MUSTAFA SALLALAHU-ALAH-E-WASALLUM".

Imam Sahib was an expert Jurist of his time in the courses of Quran, Sunnah, Islamic Jurisprudence, Philosophy, Logic Mathematics, History, Mysticism, Ethics, Astronomy, Astrology, Algebra, Geometry, Trignometry, Logarithm, Persian, Arabic, Urdu and Hindi literatures (Prose & Poetry), and many other fields and had written more than 1000 (One thousand) Books on different subjects.

Maulana Abdul Aziz, the Caliph of Ajmer Sharif writes: After the Imam's death he met a scholar from Syria at Delhi whom I asked why have you come to Delhi. The Scholar said that on 25 November 1921 I saw the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) in the dream. The Prophet (peace and blessings of Allah be upon-him) is sitting with His companions. But every one is silent as if waiting for some one. I asked: Who are we waiting for. The Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) replied: Ahmad Raza, I said: Who is he? The Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) said: He lives in Bareilly. On waking up I enquired about the Imam and came to see him but I learnt that he had departed.

The tomb of the Imam is in Mohallah Saudagran in Bareilly (U.P., India). The death anniversary (Urs Mubarak) is celebrated on 24-25 Safar. He left at least a thousand papers. The leading publications are: The Gift of the Prophet on Approved Statements (Fatawa Razvia) and The Treasure of Certainty in the Rendering of Qur'an in Urdu (Kanz al-Iman). The Commentary on the Imam's rendering is written by his Caliph, Maulana Naimuddin. This work is full of love, ecstacy, sensibility, subtle vibrations and culture. It is unique.
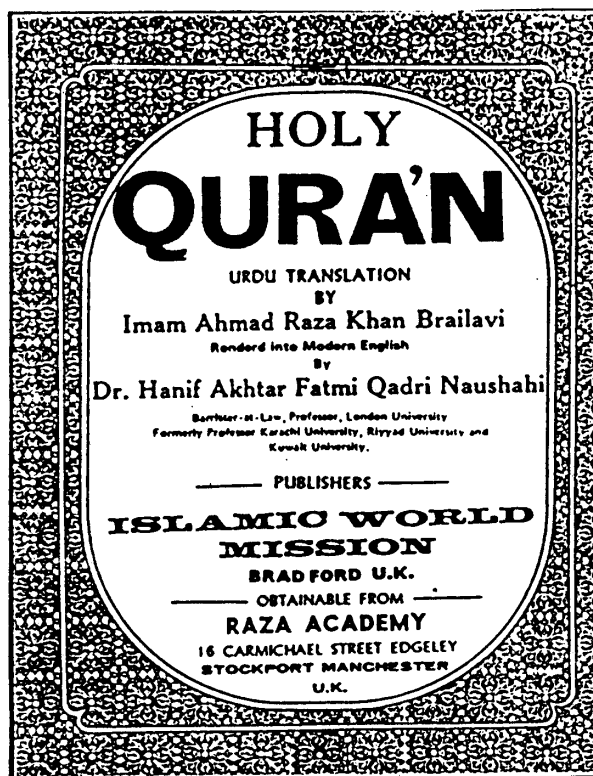
In 1905 the Imam performed the second pilgrimage and wrote a famous verse: "thanks Allah, 'the moment of the journey has arrived" "The learned scholars of Makkah greeted the Imam. On this occasion he wrote in Makkah: The treasure of Makkah on the Sources of Knowledgae (al-Dolat al-Makkiya, 1906), The judgment of Haramain on Uprooting the Infidels and the Liars (Hissam al-Haramain) and The Key of the Lawyer in Understanding Laws relating to Paper Money (Kifl al-Faqih).

Shaikh Ismail writes: The people of Makkah gathered around him and asked to be examimed which the Imam did. Maulana Hamid Raza accompanied by Shaikh Hussain, then Shaikh Salih Kamal, then Shaikh Ismail, Mustafa Khalil, Ahmad Khazravi, Abdul Qadir, Shaikh Farid, and Syed Muhammad. Then the Imam went to Madina where Maulana Abdul Karim wrote: "I have been in the town several years and thousands of scholars visit the town. Nobody is bothered about them. But they witnessed before. This is Allah's grace He gives whom he Wills". Here also he conferred degrees on many scholars, for example, Shaikh Umar bin Hamdan, Manun al-Barri, Shaikh Muhammad Saeed.

The Imam died on 25 November 1921 at Bareilly U.P., India "From Allah we come. To Him we return." Maulana Hasnain Raza writes: The Imam first wrote his will and then executed it. Then he asked for time and removal of the clock and pictures. The audience wondered because there were no pictures around him. He said: Remove money, postage, envelopes. Then the Imam asked Maulana Hamid Raza to perform ablution and bring the Qur'an. Before the Qur'an was brought, he asked Mustafa Raza Khan not to remain sitting but to recite the Chapters of the Qur'an, Ya. Sin, and Raad. A few minutes before death the recitation was completed and the Imam listened to the Chapter with such presence of the heart and certainty that if there was the slightest doubt during recitation, the Imam recited the verses himself. Sacred is Allah.

Then the Imam recited the prayers for the journey. Then the sacred statement: No one is there to be worshipped except Allah and Muhammad is the Messenger of Allah. When the strength departed he was performing the loud meditation (zikr pas-anfas) then a brilliant light appeared on his face like the ray of the sun and as it departed the body became motionless. "From Allah we come, to Him we return."

poetical works he says "Raza! Don't fear the least, you are the servant of the Secure. For you is security, for you is security."

The Imam was a prodigy. At the age of 14 he completed his education and began to practise as an Islamic lawyer (Mufti) on behalf of his father. He writes to Maulana Bihari in a letter." At the age of 13 in 1286H (1869) I wrote my first legal advice (Fatwa) in 1336H (1919) I will complete fifty years in the profession. For this gift how can I offer my thanks to Allah."

The Imam not only completed religious courses but also secular courses. The total number of courses in which he was an expert are sixty-two. In theology he was expert on: the knowledge of Qur'an, the knowledge of the traditions (Hadith), the principles of Hadith, he was expert on the principles of mysticism (tasawwuf), the methods of mystiasm (suluk). In secular sciences he was an expert on Philosophy, Mathematics, Logic, Algebra, History. Besides these he was adapt in nine other sciences for example, astrology, Persian prose and poetry, Hindi prose and poetry. It is hardly possible if any Imam could equal his academic stature. He writes:

> "I left Philosophy when I realized that it is superficial, dark and rusty and suppresses religion, lessens the fear of the Hereafter, whereas I have many responsibilities. For pleasure I engage in Mathematics, Astrology, Geometry and also they help in the determination and changes in time for worship, fasting. But I am most interested in three things: (1) To support the Leader of the Prophets against those who defame him for the blessings of my Lord according to my abilities, as Allah deals with His subject according to his abilities (2) To uproot those who perpetrate disorder in religion, (3) To write explanatory legal opinions following the Hanafi School according to my abilities."

In 1877 the Imam was initiated in the presence of his father by Shah Ale Rasul in the Qadri order of the Sufis and was permitted to teach. He wrote in praise of his teacher: "Be happy that Ale Rasul came to India. Be happy that you have sacrificed your head for the family of the Prophet". The Imam was also a teacher in a dozen or more orders of the Sufis and had permission to teach many Sufi texts, for example, Hasah Hassain, Musafihah al-Husania, Musafiha al-Khizria, Musafiha al-Muammaria, Musafiha al-Manamia. He was a master in Chistia, Suhrawardia, Naqshabandia and Alvia orders.

used the same meanings of words in the whole text of Qur'an while the style of the Qur'an is unique in all manner of writings with unique qualities which are not present in any other language, so also its examples, metaphors, proverbs, declinitions.

This raises the questions whether the Qur'an can be rendered into any other language of the world?

This question can be answered very simply in the negative. Even if it is rendered into Arabic with different choice of words the meanings would become different and their message lost. Ibn Qiba takes the view that the revelation of translator can render it into any other language completely in the same manner as the Bible has been translated from one language into another. Similarly other religious scriptures have been rendered into Arabic more fully from their non-Arabic texts, as there is greater richness of expression in Arabic than in any other language. For this reason the Qur'an cannot be completely rendered into any language.

For example, it is impossible to render literally the words of the verses 8:58 and 18:11 into any other language. But the meaning of the Qur'an can be rendered into other language as far as possible in an explanatory style.

If the existing translations of the Qur'an are examined it will be seen that only one by Imam Ahmad Raza Khan has fully considered the sentiment and higher emotion which Qur'an shows towards Allah and His Messenger.

Imam Ahmad Raza Khan was a Pathan. He belonged to the Hanafi school and was initiated in the Qadri order of the Sufis. He came from Bareilly. His father Naqi Ali Khan died in 1880 and his grandfather Raza Ali Khan in 1886. Both were learned scholars as well as Sufi men of state. The Imam mentioned them in his poetical works as: Ahmed Hindi Raza, son of Naqi, son of Raza.

The Imam was born on 14 June 1856 Bareilly. He obtained the date of birth from the Qur'an: ". . . they are the ones in whose hearts Allah has inscribed faith and they are helped by His spirit. . ." (58:22).

The Imam was given the name Muhammad. The date of birth corresponded to the name: al-Mukhtar. His grandfather called him Ahmad Raza. Later he added the name: 'Abdul Mustafa'. In his

IMAM AHMAD RAZA
AND HIS TRANSLATION OF HOLY QUR'AN

BY DR. HANEEF AKHTAR FATMI
Head of the Department of
Sybernitix, University of London.

The Qur'an is the last scripture from ALLAH and His last message to mankind. The MESSENGER of ALLAH (peace and blessings of ALLAH be upon him) arranged for its committal to writing and security and spent his life for its propagation.

He followed the laws enacted by the Qur'an and also the laws derived from it. His refined character and behaviour was an explanation of Qur'anic principles. His reverend companions and after them, their followers tried to mould their lives according to the Qur'anic doctrine and the principles provided by the refined character and sayings of the Holy Prophet (Sallallaho-Alaih-e-Wasallum).

This necessitated the need for explanation and interpretation of the holy verses of Qur'an and Sayings of Prophet (Sallallaho-Alaih-e-Wasallum) so the learned pious scholars of Islam since very early days of Islamic History spent most of their lives in the sacred job of explanation and interpretation of Qur'an and Sunnah.

The Qur'an was revealed in Arabic. For this reason the Muslims speaking different languages rendered it into their own languages and these renderings increased every day. The multiplicity of the Qur'an is possible from Arabic. This confirms the saying of the Messenger (peace and blessings of Allah be upon him): "The wonders of Islam will never end and multiple recitations will never age the scripture" This saying indicates that the interpretations and rendering of the Qur'an will continue indefinitely.

In India and Pakistan the renderings of the Qur'an were mainly in Urdu initiated by the family of Shah Waliullah. As they were not fully satisfying more translations appeared. The one rendering by Shah Abdul Qadir remained incomplete from the point of view of the meanings. The rendering of Ashraf Ali Thanvi was better but came out superficial and some important matters were ignored. He

motivated and westernised naturalists, politically-motivated Hindu-Muslim unity activists, and half-baked Qadiani sectarians, Maulana Ahmed Raza Khan took a firm and dignified stand. He defeated them on their own grounds by refuting their arguments theologically. He has earned my admiration for his contribution of this important front. His knowledge was sound and its application was firm. It is common knowledge that many of his contemporaries succumbed to the temptations of lucrative jobs under the British rulers or high political positions in the rank and file of the Indian national movement. He had the courage of his conviction. He relied on God and wrote and spoke what he thought was right. He answered questions on issues, which are still relevant, most convincingly. This quality has endeared him to me morally, intellectually and spiritually.

Courtesy: Message International, Karachi.

بسم الله الرحمن الرحيم

(قصیدہ آمال الابرار)

sion. I have noted with immense joy that his choice of words, rhymes, metaphors, similies and the general drift of his style reflect the profoundity of his love for every aspect of our beloved Prophet. Poetry was the ideal medium for him and he chose it, and I am happy he did. On top of that what has struck me as even more suitable arrangement in his case is that he has combined his supern skill as a poet with the best theme, that is, his deep love for his ideal in life. He is inspired by his love and he lifts us above ourselves and transports us into a realm of unmixed and eternal joy.

Secondly, I am impressed by his strong intellect. Though he has a trusting and believing heart, he has also a comparative and analytical mind. His sheer intellectual greatness in matters of Hanafi school of Islamic law qualifies him to occupy a place on the highest seat of scholarly achievement. His intelligence is sharp and his knowledge is thorough. His clarity of vision gives him an advantage, which is a unique quality of a great mind. He quotes the verses from the Quran and examples from the Prophet's life with ease and facility and makes his point most convincingly. The prolific record of his legal judgements bears testimony to his juristic calibre. I have a feeling that his knowledge had become integral part of his personality; it was not a decoration but a structural quality of his character. He lived on the lines of his knowledge of Islam and produced a remarkable unity in his words and deeds.

Thirdly, there is a historical reason. I feel that he lived at a very critical time in the history of the subcontinent. Just after one year of his birth the Indian War of Independence took place. It was lost by the Muslim ruler, and the conquerers laid the foundation of British rule in India, which was to last till 1947. It is quite obvious that there was a big challenge for Muslim religion and culture from the British authority without and Hindu majority within. Maulana Ahmed Raza Khan was brought up by his parents in the best intellectual and theological tradition of their family. It is highly gratifying to find that he lived up to their expectations, when he came at the helm of affairs. He had a very clear idea of the true Islamic way of life, and he spoke and wrote about it without fear or favour.

Yet another challenge to Islam in the subcontinent was that of its interpretation in the twentieth century. Islam is an open and international faith. It allows interpretation, but there is no room for manipulation. During the life and times of Maulana Ahmed Raza Khan there arose quite a few extremist and divisive sects, of which the Qadiani manipulation was the most serious. Against educationally-

MAULANA AHMAD RAZA KHAN
A Personal View (1856 - 1921)

Prof. G.D. Qureshi
Vice Chairman,
Pakistan Muslim Association,
New Castle-upon-Tyne (England)

Talking or writing about Maulana Ahmad Raza Khan is always a Spiritually elevating experience for me. The roots of my liking for him are deep and strong. When I was a child I used to hear his poems in praise of Prophet Muhammad (PBUH) being recited by people, whose religious knowledge respected. Particularly his Salam in which every quality of Prophet Mohammad's personality has been praised in appropriate words in seperate verses has made an appeal to my imagination. It is a rare joy to recall the vivid memories of this Salam in its melodious tune from a nearby mosque, while I was engaged in my studies for my examinations in my school and college days. Later on in life, when I became capable of judging matters of literary and religious nature for myself, I read a collection of his devotional poems. I then realised that my liking for him rests on three main factors which I shall briefly discuss here.

Firstly, his choice of poetry as the medium of his literary expression is very close to my own temperament. I believe that the lofty, philosophic and imaginative heights which can be expressed through poetry cannot be sufficiently described through any other branch of literature. We know that by training and profession he was a Muslim jurist. He was only 14 years of age when he was commissioned by his religious teacher to write a judgement which involved an important point of law. So, if he preferred prose to poetry his position would have justified this choice. Instead he sang the praises of Prophet Muhammad through immitable lyrical poems. This choice was intuitive and most appropriate. I often feel that he could not have done justice to this subject if he had not adopted poetry as his medium of communication. His profound emotions of love for the Islamic way of life in general and the personality of the Prophet in particular needed the depth of poetry to attain a satisfactory expres-

at the time of Azan of Friday prayers in Bareilly (India). His death anniversary is celebrated on 25th of Safar every year in various parts of the world specially at Bareilly. A description of the incidents at the time of his death is worth reading. DR.H.A. Fatmi quotes the writing of Moulana Hasnain Raza! 'The Imam first wrote his will and then executed it. Then he asked for time and removal of the clock and pictures. The audience wondered because there were no pictures around him. He said, 'remove, money and postage envelopes; then the Imam asked Hamid Raza to perform ablution and bring the Quran. Before Quran was brought, he asked Mustafa Razā Khan not to remain sitting, but recite the Chapters of the 'sura' Yasin and Raad. A few minutes before death the recitation was completed and the Imam listened the Chapter with such presence of the heart and certainty that if there was the slightest doubt during recitation, the Imam recited the verses himself. Sacred is Allah.

Then the Imam recited the prayers for the journey. Then the sacred statement (Kalima) No one is there to be worshipped except Allah and Muhammed is the Messenger of Allah. When the strength departed he was performing the loud meditation (Zikr-Pas-Anfas) then a brilliant light appeared on his face like the ray of the sun and as it departed the body became motionless. "From Allah we came, to Him we return".

May Allah bless his soul and show his mercy on him.

Courtesy : Message International

ALA HAZRAT MOULANA, AHMED RAZA KHAN (Mujaddid)

Scholar & Saint of 20th Century (1856–1921)
(Birth, Education and Religious Work)

Professor Shah Faridul Haque

Prof. Shah Faridul Haque has been translating Kanzul Iman (Urdu version of Quran) by Maulana Ahmed Raza Khan Bareilvi. He is a perfect writer in Urdu & English as well. He had penned down this biographical sketch for the readers of Message International which is being included in our issue. Editor.

Born at Bareilly (India) in 1856 (1272 Hijri) from a rigid Pathan family Moulana Ahmed Raza Khan son of Moulana Naqi Ali Khan and grand-son of Moulana Raza Ali Khan brought a revolution in the religious spheres of Islam by reviving the love and affection of the last Prophet Muhammad (Sallal-Laho Alaihe Wasallam) in the hearts of the Muslims.

He gained knowledge in about fifty branches of learning pertaining to ancient sciences. He became so well versed in Islam learning, that he was accepted as revivalist (Mujaddid) of 20th Century.

He attained prominence in giving verdicts on Muslim Juris-prudence. Not only the scholars of Indo-Pak subcontinent but of Islamic world acknowledged him as a great jurist. His verdicts on Muslim jurisprudence have been compiled in twelve volumes, each volume contains near about eight hundred to one thousand pages, known as Fatawai-Rizwia. Seeing his calibre in jurisprudence many Muftis and Ulemas of Haramain Sharifain, Syria, Iraq and Egypt have paid tributes to his knowledge and insight. These remarks have been published in his famous book, "Hosamul Haramain".

Scholarship: Some of the great scholars of this subcontinent have given appreciating remarks about him.

The philosopher of East Dr. Muhammad Iqbal remarked "such a genius and intelligent jurist did not emerge".

VIEWS OF PROFESSOR DR. J. M. S. BALJON

Department of Islamology
University of Leiden,
(HOLLAND)

ON

"IMAM AHMAD RAZA KHAN"

(1)

"Indeed a great scholar": I must confess when reading his Fatwas I am deeply impressed by the immensely wide reading he demonstrates in his argumentations. Above it, his views appear much more balanced than I expected. You are completely right; he deserves to be better known and more appreciated in the west than in the east at present. (Extracts from the letter dated 21.11.1986 addressed to Professor Dr. Muhammad Masood Ahmed).

(2)

The more I read and study the works of Ahmad Rida Khan the more I become impressed by his enormous erudition. He knows his subjects and he understands like a good educationist, his public very well. In particular he is aware of their needs and allows them of lot of 'URS' practices on the express condition that their 'NIYYA' (نیت) be sound. So I think he is not fairly judged by western Islamicists. (Extracts from the letter dated 09.01.1987 addressed to Arao Sultan Al Mujahid).

(3)

As for Ahmad Rida Khan I am deeply impressed by his broad knowledge of the classical fiqh-works. In general his views are well-balanced and even for an outsider sensible. (Extracts from the letter dated 11.06.1987 addressed to Professor Dr. Muhammad Masood Ahmed).

sub-continent. But in this regard, the attraction of his personality and service to Muslims are more deciding than his faithfuls and admirers. Opposers launched a campaign of blasphemy against him since they wanted to deviate mass attention from the real problem. His grip on the disparaging writing of his opponents showing sacrilege to the disparaging writings of his opponents showing sacrilege to the Holy Prophet (Peace be upon him) were so genuine, reasonable and just that their reply could not be possible nor would be possible. In this sub-continent the dream of Muslim unity cannot be materialised by ignoring Fazil-e-Bareilvi. It is pertinent to ponder over his view point with cool mind and heart. I have endeavoured in my book " فاضل بریلوی اور امور بدعت " to show simply the facts to the group of educated people of the country rather than to his pleaders that Fazil-e-Bareilvi Imam Ahmed Raza Khan is neither a proposer nor a seconder of any heresy or asserts any act which is repugnant to Shariat Laws. I have painted out all those events which may be qualified as heresy and referred Imam Ahmed Raza's hundreds of books and found that his verdicts on all such issues are strictly in accordance with Quran and Sunnah. This act of mine may not be considered as a scape from the path of Ahle-Sunnat: what I meant to say was that the institution founded by Fazil-e-Bareilvi is laid upon the Holy Quran and Sunnah and in the light of augmentation of Sharriyah is quite spotless. He was a true lover of the Holy Prophet, (Peace be upon him) follower of Sunnah, sagacious religious scholar and prolific jurist.

I appeal to the educated group of our compatriots to go through the contents of my book referred above and review their opinion in respect of this religious leader of country's majority and for God's sake decide that if a man having such views is heretic? Then, what is the criterion to be a true Muslim ?

reading was hereditary. A favourable opportunity arose. During this period, I got companionship of Hazrat Hakim Muhammad Musa Sahib Amritsari, a versatile personality. The man like him is seldom to be born. God has bestowed upon him virtues of learning and excellence, sincerity and love, patronage of knowledge, friendship, encouragement to youngers and to make them great. These qualities are very rare in a single person. These virtues alongwith simplicity, saintly nature and strict adherence to shariya have created beauty in his life. His dispensary in Lahore is a centre of scholars having different views, men of excellence and poets.

He advised me to write my monograph in M.A. on the subject of "Differences of the DEOBANDI & BAREILVI Schools of Thought". So I, on this topic wrote my monograph which was presented as one of the papers in my M.A. examination. The Board of Islamic Studies appreciated it. During the preparation of this paper, I had an opportunity to study the works of Fazil-e-Bareilvi and his adversaries in details. The more I studied, the much I realised through hundreds of works of Fazil-e-Bareilvi that this genius of the sub-continent, oppressed and depressed by history is a more fascinating subject. I fully realised that allegations of heresies levelled against him had no grounding. This fact was also obviously known to me that Imam Ahmed Raza Khan is the tallest among all his contemporaries and adverseries in his scholistic stature. He is shoreless ocean of knowledge. Deep research, scrutiny, acuteness and refineness are to be seen in religious problems discussed by him. These qualities are seldom to be found in others' works. Wonderful dextarious ability in his versatile knowledge is simply God bestowed. Commentary and tradition, jurisprudence, logic, rhetoric and scholastic theology etc., have been distinctive features of our old theologions.

But Jafr, (the art of making amulet said to have been invented by Hazrat Ali-Karram Allah-Wajoh), Astronomy, Mathematics, Astrology, History and Poetry were not attractive sciences for them. But Imam Ahmed Raza is innovationist in almost all the known branches of science. Notwithstanding the way he is being introduced is a historical injustice with his personality. Readers will feel pity for this in-gratitude that in connection with his introduction, his admirers too, alongwith the opponents, have equal share. As a result, his personality, ideas, thoughts and services could not be introduced to the new generation in the manner as it should have been done.

However, this is a fact that even today Fazil-e-Baralvi is an unchallenged leader of the vast dominating Muslim population of this

whom we do not like, (mind that we have no single standard of likes and dislikes his merit in our eyes is de-merit. It is quite strange that victims of this evil are mostly the groups of religious scholars. The group who should have been more liberal, have become en-chained in it. It is a wonder, who blame day and night others for hero-worship, are themselves more victims of this act.

The writer of these lines has mostly acquired religious education from the institutions of Deobandi school of thought. During schooling, whatever day and night was imparted to us was that FAZIL-E-BAREILVI Moulana Ahmed Raza Khan Sahib was only a Milad Khwan Moulvi, meekly educated, who allowed all the heresies and opened the door of heretical beliefs. In other words, whatever apostasy and depravity are to be found among Muslims of Indo-Pakistan sub-continent, Fazil-e-Bareilvi is held responsible. Strange enough, right from novice to the responsible and renowned scholars, the same version was to be uttered. In childhood, mind is reflected deeply by every thing. Due to some reasons, the writer did not mind to go through or to know something about the treatises of Fazil-e-Barelvi for many years. A sort of ignorance was felt about him. After completing Madersah education, I took regular admission in M.A. class in the Punjab University for higher education. I confess that in our old institutions whatever education of etymology or logic and rhetoric are imparted, University or modern colleges are deprived of this trend. But I also deem it necessary to declare openly that in University and colleges an intelligent student gets freedom of thought, rational approach, elevation of ideas and thinking of modern worldwhereas students of our old madersahs cannot enjoy such enlightened thoughts. That is why spending a large portion of life and memorising hundreds of books, the students of our old madersahs are generally lacking behind in prudent acute vision and patriarchal thinking. Their knowledge and thinking are far behind from modern currents.

In present circumstances, it is impossible for them to cope with the modern world. For the last thirty years, efficiency of these institutions has hopelessly decreased. We not only require Imams and preachers for mosques, we need such profound scholars having penetrating sight who may enforce light of real revolutionary spirit of Islam to the world encircled with problems and intricacies.

During university education, the writer took advantage to meet modern scholars and men of letters and to consult large libraries. To enjoy the society of scholars and thinkers and having urge for

FALSE ALLEGATIONS AGAINST IMAM AHMAD RAZA KHAN

SYED MUHAMMAD FAROOQ-UL-QADRI

TRANSLATION:

Mirza Nizamuddin Baig
Asstt. Director
National Museum
Karachi, Pakistan

Following translation is from the preface of the Urdu Book entitled " فاضل بریلوی اور امور بدعات " by Syed Muhammad Farooq-ul-Qadri. The learned writer who himself has confessed to have acquired his religious education in Maderssahs of "DEOBANDI SCHOOL OF THOUGH" has rendered most valuable service by writing this book. The topic selected by him has actually been the most burning issue and agitating the minds of those who have been in search of the real facts. He has taken all the pains to collect at such matters regarded as heresies and for which Fazil-e-Bareilvi is allegedly held responsible and then gone through his (Fazil-e-Bareilvi's) Fatawas (Verdicts) on these issues. In the light of his research, he has concluded that all the allegations of heresies levelled against Fazil-e-Bareilvi have been found by him as baseless, unfounded, and in fact, were the products of prejudices and jealousies.

EDITOR

In respect of personalities, our love and reverence or hatred and malignity are generally based not on realities but are focussed upon those vague facts being poured into immatured minds of our childhood. Muslims, particularly of the sub-continent, as a nation (with few exceptions) have lost basic merit of judging aptitude of seeking truth, academic and historical justice and merits and demerits of friends and foes. Standard left with us is that if any one of our desired personnage has done or said something we go to such an extent that even we do not leave essence of the Holy Quran and Sunnah and mis-interprets it in order to justify him. Contrary to this,
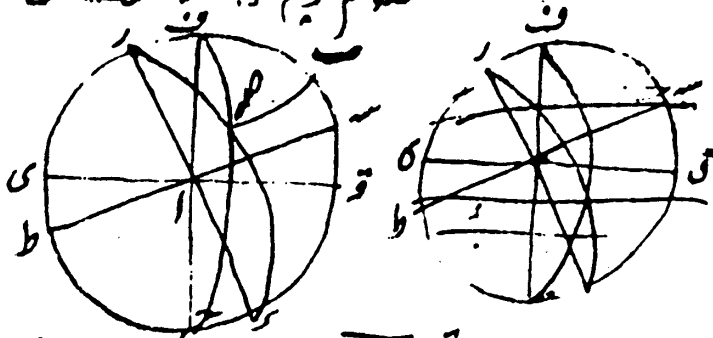
NAAT-E-RASOOL

(By : Imam Ahmed Raza Bareilvi)

How great is thy generosity, thou sovereign of holy realms (Bat'hs)
Never has a suppliant turned disappointed from the door.

The drop of thy bounty is like a river in spate,
An atom of thy benevolence corusciates like stars.

In liberality there is none like thee,
Thy river goes about in search of the thirsty.

The opulent are fed at thy door, such is thy almshouse,
The saints treat on their foreheads the path leading to thee.

We humble denizens of the earth how can we imagine thy eminence?
The Flag Flutters on the throne of God.

The sky and the earth are thine open table and the whole world thy guest,
And who is the exalted host, thou and thou alone.

I shall call thou Master for thou are the Master's beloved,
In fact there is no mine and thine in love.

The eyes would be soothed, the heart fresh and lives brimful,
Thou true sun of generosity such is thy heart-alluring light.

Translated by: **Sardar Ali Ahmed Khan**

We are in the process of making the English section of Moarrif-e-Raza as useful and scholastic as is possible. However, this can only be done with the co-operation of our valued readers and patrons.

We shall, therefore, eagerly await for the valuable ideas and suggestions in this regard from our readers.

EDITOR

FOREWORD

Response to our first English edition of MOARRIF-E-RAZA, issued on the eve of Imam Ahmad Raza Conference last year, has been very encouraging. We bow our heads before Almighty Allah and extend our sincere thanks to our readers. We are also grateful to those who have sent their suggestions for improvements in our future issues. While going to the press for the current issue we have, therefore, kept in mind their advices and valuable suggestions.

In this issue, we have selected articles on the great personality of Imam Ahmad Raza Khan (May ALLAH bless him) contributed by renowned scholars like Professor Shah Faridul Haque, Professor G. D. Qureshi, Dr. Hanif Akhtar Fatmi, Mr. M. A. Khetab and Mr. Wajahat Rasool Qadri. The most thought provoking article i.e. "FALSE ALLEGATIONS AGAINST IMAM AHMED RAZA KHAN" being published in this issue, we hope, would be very much appreciated by our readers. This is actually the English version of the preface from the Urdu Book entitled " فاضل بریلوی اور امور بدعات " by Syed Muhammad Farooq-ul-Qadri, Lahore. It is an exposè of those, who have tried to tarnish the image of Imam Ahmed Raza Khan by putting false allegations of APOSTATISATION (تکفیر) of Muslims against him, with ulterior motives and prejudiced minds.

Our readers would be happy to learn that Professor Dr. J. M. S. Baljon, Department of Islamology, University of Leiden, Holland recently visited Pakistan. His research study on Shah Waliullah has already been published. He is now busy in his research on a comparative study of FATAWAS during the 19th & 20 century period inclusive of "FATAWA-I-RAZVIA" the most prestigious work of Fazil-e-Bareilvi (A.H.) comprising twelve volumes, containing about a thousand pages each. It is hoped his research study, when completed and published, would become a source of inspiration and valuable information about the great personality of Imam Ahmed Raza Khan and his works in the International Community. Meanwhile, we are publishing his views on Fazil-e-Bareilvi, Imam Ahmed Raza Khan, expressed through his letters to Professor Dr. Muhammad Masood Ahmed and Arao Sultan Al Mujahid.

CONTENTS

MOARIF-E-RAZA 1987

IDARA-I-TAHQEEQAT-E-IMAM AHMED RAZA (REGD)
234/7. Stretchen Road, Karachi.

MOARIF-E-RAZA 1987

VOL : VII - 1987

IDARA-I-TAHQEEQAT-E-IMAM AHMED RAZA (REGD)
234/7, Stretchen Road, Karachi.